ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۱۶

قال الم اقل

فاضلِ اجل حضرت علامہ مولانا سید عبد الدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مروی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط شائع ہو رہی ہے

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بکڈپو دیوبند،

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند یوپی

toobaafoundation.com

۱۶ سولھواں پارہ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

اس شخص نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز ہرگز صبر نہ کر سکو گے موسیٰ نے کہا اس کے بعد اگر میں

عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا

تم سے کچھ دریافت کروں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھنا تم میری طرف سے معذور ہو چکے پھر دونوں چل دیئے

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا

یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اُن سے انھوں نے کھانا مانگا انھوں نے اس کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا ان کو وہاں ایک دیوار

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا

کی جو گرا چاہتی تھی اُس شخص نے دیوار کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر تم چاہتے تو اس کی اُجرت لے لیتے اُس شخص نے کہا اب

فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

میرے تمہارے درمیان جدائی ہے جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا میں اُن کی حقیقت تم کو بتلائے دیتا ہوں

تفسیر ان آیات میں حضرت موسیٰؑ کا تیسری مرتبہ سوال کرنا اور خضرؑ کا جواب دینا اور پھر اعلانِ فراق کرنا مذکور ہے۔ پہلی صورت میں مال کا نقصان تھا اور جانوں کے ضائع ہونے کا صرف خطرہ تھا۔ دوسری صورت میں صراحتہً قتل نفس تھا۔ بہرحال یہ دونوں جرم ایسے تھے جن سے عام تباہی پھیلنے کا اندیشہ تھا، لیکن بداخلاقوں کے ساتھ احسان اور سلوک کرنے سے ان کی بدخلقی میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے کثیر جماعت کی بربادی لازم آتی ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ سے پھر ضبط نہ ہو سکا، مگر اس سے قبل عذر کی انتہا ہو چکی تھی اور خود ہی کہہ دیا تھا کہ اگر اب کی مرتبہ میں خاموش نہ رہوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، اس لئے خضر نے جب اعلانِ فراق کیا تو موسیٰ کو ماننا پڑا۔ یہاں بعض بد اندیش حضرت موسیٰ پر وعدہ خلافی کا الزام لگاتے ہیں، مگر یہ غلط ہے۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ نے ضبط کرنے اور سوال نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ معنیً مشروط تھا۔ اُس امر کے خلاف شرع نہ ہونے پر، اس لئے کھلم کھلا جس امر کو گناہ سمجھا اُس پر سکوت نہ ہو سکا اور بے اختیار اُس کا قبح بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ بلکہ تیسرا سوال حضرت موسیٰ کی طرف سے اعتراضیہ نہ تھا، صرف ایک مشورہ تھا کہ اُجرت لیجئے بظاہر حالت مناسب تھی۔ اگر آپ چاہتے تو کچھ اُجرت لے لیتے، مگر خضر نے مطلق سوال کی ممانعت کر دی تھی، اس لئے مشورہ کو بھی انھوں نے مزاحمت سمجھا۔ ادھر حضرت موسیٰ بھی پے در پے تین واقعات صورۃً خلاف شرع دیکھ کر سمجھ ہی چکے تھے کہ میرا خضر کے ساتھ رہنا دشوار ہے پھر علوم خضر سے موسیٰ کو کوئی ضروری فائدہ بھی نہ تھا ارشاد و ہدایت کے لئے معرفت خضر کار آمد نہ تھی، اس لئے فراق پر راضی ہو گئے۔

تحلیل اجزاء قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ — مفسر معالم نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ خضر سے سوال کرنا چاہتے، یوں شروع عرض کرتے یا نبی اللہ!

toobaafoundation.com

اپنا وعدہ یاد کیجئے جس کے آپ پابند ہیں۔ مفسر سراج کی یہ صراحت اس وقت صحیح مانی جا سکتی ہے جب یوشع کو پورے سفر میں ہمراہ تسلیم کر دیا جائے۔ ما تحقیق
نوٹ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

ابوداؤد، نسائی، ترمذی، حاکم اور ابن جریر نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابی بن کعب کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس جب کسی کا تذکرہ کرکے اس کے لئے دعا کرنی چاہتے تو دعا کا آغاز اپنی ذات سے کرتے۔ ایک روز فرمایا خدا ہم پر اور موسیٰ پر رحم فرمائے۔ اگر وہ کچھ تاخیر کرتے تو عجیب باتیں دیکھتے لیکن انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب کی مرتبہ اگر سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔

اَھْلَ قَرْیَۃٍ ابن جریر نے بحوالہ ابن سیرین اس گاؤں کا نام ایلہ (عقبہ) لکھا ہے۔

اِسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا۔ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سوال کرنا تو بزرگوں کی عادت نہیں پھر ایک وقت کھانا نہ ملنے سے موسیٰ اور خضر نے کیوں سوال کیا؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حق مہمانی وصول کرنا اس سوال کے ذیل میں نہیں آتا جو ممنوع ہے۔ میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ وہاں سوال کرنا مقصود ہی نہ تھا۔ اصل سوال حضرت خضر نے کیا۔ موسیٰ ساتھ تھے اور تابع تھے، اس لئے وہ بھی گویا سوال میں شریک تھے اور حضرت خضر کا مقصود کھانا طلب کرنا اور پیٹ بھرنا نہ تھا بلکہ موسیٰ کو عجائب قدرت دکھانا اور یہ بات جتانی مقصود تھی کہ اہل حقیقت دشمنوں سے بھی وہی سلوک کرتے ہیں جو دوستوں سے کرنا چاہیئے۔ جو حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور عطیہ الٰہی دشمن سے بھی روکا نہیں جا سکتا۔ ع "بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست"۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کا سوال کا مشورہ بھی حضرت خضر کو ناگوار گزرا کیونکہ حضرت موسیٰ طلب طعام کو شکم پری کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے اسی لئے فوراً بول اٹھے کہ شکم پری کی شکل آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ آپ دیوار درست کرنے کی اجرت لے لیتے اور خضر کے پیش نظر یہ مقصد ہی نہ تھا۔ طلب طعام تو ذیلی چیز تھی اصل مقصد یتیموں کے حق کی حفاظت تھی۔

مقصود بیان کشتی کا تختہ توڑ کر ظالم بادشاہ کے ہاتھ سے بچا دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ ظاہری نقصان پر بے صبر نہ ہونا چاہیئے۔ خداوند عالم بعض اوقات بھلائی کرتا ہے تھوڑی مصیبت بڑی مصیبت کو اکثر رفع کر دیتی ہے۔ یہ تلقین کرنی بھی غرض ہے کہ اللہ کے نیک بندے پوشیدہ ہیں ہر غریب کو خستہ حال نہ سمجھنا چاہیئے ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر　　توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ممکن ہے کہ عام فقراء میں کوئی اہل اللہ ہو۔ اس لئے غریبوں سے حتی الامکان نیک سلوک کرنا چاہیئے۔ تاکہ آسمانی بلاؤں سے ان کی دعاؤں کی وجہ سے بچاؤ ہو سکے نیک آدمی پر صدمہ آنا کسی مصلحت الٰہیہ کی دلیل ہے جیسا کہ اس بدبخت لڑکے کو قتل کرنے سے اس کے والدین کو صدمہ پہنچا، مگر واقع میں وہ صدمہ ان کے لئے مفید تھا نیک آدمی کے مرنے کی نسل میں برکت قائم رہتی ہے۔ کسی کی نیکی اور خلوص کا اثر پشتوں تک باقی رہتا ہے۔ طلب حق میں اگرچہ جلدی کرنی مناسب ہے، مگر کشف حقیقت کا انتظار بھی سکون کے ساتھ ضروری ہے۔ ورنہ زیادہ جلدی کرنے میں انوار و علوم سے محروم رہنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت موسیٰ نے جلد سوال کر لے اور انتظار نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے حقائق کے انکشاف کو کھو دیا۔ اِسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا دلالت کر رہا ہے کہ اہل اللہ کا بھی سوال کرنا کسی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، شکم پری مقصود نہیں ہوتی۔ فَاَقَامَہٗ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل دشمنوں کے سلوک کی پرواہ نہیں کرتے اور جہاں تک حکم الٰہی ہوتا ہے ان کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ

کشتی تو　چند محتاجوں کی تھی　جو سمندر میں محنت کیا کرتے تھے　میں نے اس کو عیب دار کرنا چاہا　کیونکہ ان کے پرے ایک

مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا ○ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ

بادشاہ تھا جو　ہر (اچھی) کشتی کو　چھین لیتا تھا　رہا لڑکا　تو اس کے ماں باپ ایماندار تھے　ہم کو اندیشہ ہوا　کہ کہیں

toobaafoundation.com

أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ

سرکشی اور کفر سے اُن کو عاجز نہ کر دے اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے عوض ان کو کوئی (اور) اولاد عطا کر دے جو پاکیزگی میں اس سے

رُحْمًا ۝ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ

بہتر اور محبت میں اُس سے بڑھ کر ہو باقی وہ دیوار اُس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اس کے نیچے اُن کا دفینہ تھا اور

كَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ

ان کا باپ نیک آدمی تھا اس لئے تمہارے رب کی مشیت ہوئی کہ یہ جوانی کو پہنچ کر اپنا خزانہ نکال لیں یہ بات تمہارے رب

ع ۱ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ أَمْرِيْ ۚ ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

کی رحمت سے ہوئی میں نے اپنی رائے سے اس کو نہیں کیا اُن باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم سے صبر نہ ہو سکا

تفسیر ان آیات میں مذکورہ بالا تینوں افعال کی اصل غرض بتائی گئی ہے۔ بظاہر وہ افعال خلافِ شرع معلوم ہوتے تھے، مگر باطن میں حکم الٰہی کے مطابق تھے اور حکم الٰہی کی تعمیل ہی عین شریعت ہے، لیکن حکم الٰہی کا علم بغیر وحی یا الہامِ رحمانی کے نہیں ہو سکتا۔ معالم و سراج میں مذکور ہے کہ کشتی دس غریب بھائیوں کی تھی جن میں پانچ اپاہج تھے اور پانچ کشتی کو کرایہ پر چلاتے تھے۔ سب کی روزی کشتی کے کرایہ سے وابستہ تھی۔ کشتی کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور مال نہ تھا۔ چونکہ سمندر کے دوسرے کنارے پر ایک ظالم بادشاہ کی حدتھی جو تمام سالم کشتیوں کو زبردستی لے لیا کرتا تھا، اس لئے کشتی کو توڑ دینا ہی مناسب تھا تاکہ اس ظالم کی غاصبانہ نظر سے محفوظ رہ سکے۔ شعیب جبائیؒ نے اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد بتایا ہے۔ سعید بن جبیر کے علاوہ اور تمام رواۃ نے ابن عباس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بیضاوی نے منوار بن جلندی اور ابن اسحاق نے سوادہ بن جلندی لکھا ہے۔ بعض اقوال میں جلندی ہی کا قصہ ظاہر کیا ہے۔ ابن کثیر نے شعیب جبائی کے قول کو ترجیح دی ہے اور صراحت کی ہے کہ تورات میں جن بادشاہوں کے نام آئے ہیں اُن میں عیص بن اسحاق کی نسل میں اسی بادشاہ کا تذکرہ آیا ہے۔

تحلیل اجزاء أَمَّا الْغُلٰمُ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اس لڑکے کا نام جیسور تھا، چونکہ جیسور خوبصورت اور تندرست تھا، اس لئے والدین کو اس سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ محبت تھی، مگر وہ کمبخت پیدائشی کافر تھا، جس کا علم الہام یا وحی کے ذریعہ سے خضرؑ کو ہو گیا تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں محبت قلبی سے مجبور ہو کر والدین اس کا ساتھ بے دینی کے معاملات میں نہ دینے لگیں، اس لئے حکم الٰہی ہوا کہ اس کو قتل کر دو ہم اس کے عوض ان کو نیک اور مشفق اولاد عطا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بقول بخاری اور کلبی داؤد بن عاصم ایک صالحہ عفیفہ لڑکی پیدا ہوئی۔ جس سے ایک نبی نے نکاح کیا اور پھر اس سے ایک نبی کی پیدائش ہوئی۔

لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ ۔ مفسر سراج نے دونوں یتیموں کے نام صریم اور صرم لکھے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ دیوار یتیم بچوں کی تھی، اسلئے سیدھا کرنے کی اجرت لینی تو کسی طرح مناسب ہی نہ تھی۔ بد اخلاقی کی اہلِ قریہ نے اس کا انتقام لیا جائے یتیم بچوں سے۔ یہ کسی طرح جائز نہیں۔

كَنْزٌ لَّهُمَا امام بخاری نے تاریخ میں ترمذی نے جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں ابو درداء کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ کنز سے مراد سونا چاندی ہے۔ یعنی دیوار کے نیچے سونا چاندی دفن تھا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ کنز سے مراد صحیفے ہیں (رواہ الحاکم وصححہ) ابن عباس کا قول ہے کہ ایک طلائی لوح تھی جس میں چند عبرت انگیز نصائح منقوش تھیں۔ محی السنہ نے معالم میں لکھا ہے کہ اکثر کا یہی قول ہے اور حدیث مرفوع

toobaafoundation.com

میں بھی اس کی صراحت آئی ہے۔

وَكَانَ أَبُوْهُمَا۔ تفسیر سراج میں اس شخص کا نام کاسح لکھا ہے۔ ابن کثیر نے کہا یہ شخص جس کا قرآن میں تذکرہ ہے اور جس نے کنز دفن کیا تھا یہ ان کا صلبی باپ نہ تھا بلکہ ساتویں پشت میں تھا۔ گویا پردادا کا پردادا تھا اور کپڑا بنا کرتا تھا۔ ابن کثیر کی صراحت بظاہر سیاق آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔

مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ یعنی آپ کو جو میرے افعال خلاف شرع بظاہر نظر آرہے تھے میں نے یہ کام خود اپنے قیاس اور ارادہ سے نہیں کئے بلکہ اللہ کا حکم ہی یوں تھا۔

مقصود بیان

کشتی کرایہ پر چلانا جائز ہے۔ اللہ کے خاص بندوں کے کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتے۔ اگرچہ بظاہر شرع کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، مگر حقیقتاً شرع کے موافق ہوتے ہیں۔ اگر اولاد کو صحیح تربیت نہ دی جائے تو اس کی بدعملی کا وبال والدین پر بھی پڑ سکتا ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں جب کہ محبت و شفقت سے مجبور ہو کر ماں باپ بے دینی کے معاملات میں اولاد کا ساتھ دیں۔ سرکشی کافر کو کسی نیک مصلحت کے ماتحت قتل کر دینا مخصوصات انبیاء میں سے ہے جن کے پاس وحی آتی ہے یا اُس شخص کو اس کا علم ہے جس کو علم لدنی حاصل ہو ہر شخص کو اس کا علم نہیں ہے۔ ابن عباس نے نجدہ خارجی کو یہی جواب دیا تھا۔ یتیموں کا کام بلا اجرت کرنا مستحب ہے۔ ماں باپ کی نیکی سے اولاد کو برکت حاصل ہوتی ہے، مگر یہ عمومی قاعدہ نہیں بلکہ مشیتِ الٰہی کے تابع ہے وغیرہ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي

(اے محمد) لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو میں تمہارے سامنے اُس کا کچھ تذکرہ کرتا ہوں ہم نے اُس کو زمین میں قوت

الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ

عطا کی تھی اور ہر طرح کا سامان دیا تھا پس وہ ایک راہ پر چلا یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کی منزل

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ

پر پہنچا تو اُس نے آفتاب کو دلدل کے چشمہ میں ڈوبتا ہوا پایا اور وہاں ایک قوم بھی ملی ہم نے کہا ذوالقرنین

اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

ان کو سزا دو یا اُن کے بارے میں حسن سلوک اختیار کرو وہ بولا جو شخص ظلم کرے گا اُس کو تو ہم سزا دیں گے

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ

پھر لوٹ کر اس کو اپنے رب کے پاس جانا پڑے گا اور وہ اُس کو سخت سزا دے گا اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا تو اس کو اچھا بدلا

الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

ملے گا اور عنقریب ہم اس کو اپنے معاملے میں سہولت دیں گے پھر اس کے بعد ذوالقرنین ایک اور راہ پر چلا یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کی منزل

toobaafoundation.com

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ

پر پہنچا تو اس کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا کہ ہم نے اُن کے لئے آفتاب سے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی (ذوالقرنین کا قصہ) اسی طرح ہے اور ہم کو

اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ

پوری خبر ہے جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کے بعد ذوالقرنین ایک اور راہ چلا یہاں تک کہ جب دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو اُن سے ورے

دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

ایک قوم کو پایا جو قریب قریب بات نہیں سمجھتے تھے انھوں نے کہا ذوالقرنین یاجوج ماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا

ملک میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ مال مہیا کردیں بشرطیکہ آپ ہمارے اور اُن کے درمیان روک کردیں

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ

ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو کچھ مجھے مقدور دے رکھا ہے وہی بہتر ہے لہٰذا تم قوت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط بندش کردوں مجھے لوہے

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ

کے تختے لادو یہاں تک کہ جب ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (تختوں کو) برابر کردیا تو کہا اس کو دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو (بالکل) انگارہ کردیا تو کہا میرے پاس لے آؤ

عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ۭ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ

میں اس پر پگھلا ہوا تانبہ ڈال دوں اس کے بعد یاجوج ماجوج اُس پر نہ چڑھ سکیں گے اور نہ اس میں نقب لگا سکیں گے ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی

مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ۭ

مہربانی ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اُسے ریزہ ریزہ کردے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے

تفسیر ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قریش کو یہودیوں کے ذخیرۂ علم پر کافی اعتماد تھا وہ فقط یہودیوں ہی کو حامل علوم جانتے تھے۔ رسول پاکؐ کی حالت معلوم کرنے کے لئے انہوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کے پاس مدینہ بھیجا تھا اور یہودیوں نے حضور اقدسؐ کی تصدیق وتکذیب کے لئے تین سوالات قریش کو تلقین کئے تھے۔ ایک روح کے متعلق، دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق۔ قریش نے حسب ہدایت یہود حضورؐ والا سے تینوں مسائل دریافت کئے۔ دو کا جواب تو پہلے گزر چکا۔ یہاں سے ذوالقرنین کے احوال کی تفصیل ہے۔ قرآن پاک داستانوں اور افسانوں کی کتاب نہیں۔ نہ تاریخ کی تالیف ہے، اس لئے حکایات و قصص کو مکمل تفصیل کے ساتھ کہیں بیان نہیں کیا۔ البتہ جس قدر حصہ وعظ و ہدایت اور اصلاح خلق سے تعلق رکھتا ہے اور جو بات عبرت آفریں نصیحت آگیں ہوتی ہے اُس کو حسب موقع بیان کردیا ہے یہودی

toobaafoundation.com

ذوالقرنین کا نام اور بعض احوال جانتے تھے۔ اُن کو اس کے قصّہ سے واقفیت تھی خواہ ان کی مذہبی کتب میں ہو یا نہ ہو بہرحال سینہ بہ سینہ یا سفینہ بہ سفینہ یہ قصّہ منقول ضرور تھا اور منقول بھی تھا تو اس طرح کہ کوئی دوسرے مذہب والا اس سے واقف نہ تھا بلکہ مجمل اور مبہم الفاظ میں تھا۔ ورنہ رسول پاکؐ کی آزمائش کے لئے وہ اس کے متعلق استفسار نہ کرتے۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کی بابت صرف اتنا بتایا کہ وہ پُرشوکت، صاحب سطوت، نیکوکار، موحد، خداپرست شخص تھا۔ ہر قسم کا دنیوی ساز و سامان اس کے پاس تھا۔ اس نے تین سفر کئے تھے۔ ایک مشرق کی طرف جہاں ایسی قوم آباد تھی جن کے سروں پر آفتاب بغیر کسی حجاب کے طلوع ہوتا تھا۔ دوسرا مغرب کی طرف جہاں گدلے پانی میں سورج غروب ہوتا نظر آتا تھا۔ تیسرا کسی اور سمت جہاں کے باشندے ذوالقرنین کی بولی سمجھ نہ سکتے تھے۔ اُنہیں لوگوں نے یاجوج ماجوج کی غارت گری سے بچنے کے لئے لوہے کی ایک دیوار پگھلا ہوا تانبہ یا سیسہ ڈال کر قائم کر دی اور اس طرح وہ قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے محفوظ ہو گئی۔ بس اتنا قصّہ قرآن نے بیان کیا ہے۔ یہ بات کہ ذوالقرنین کون تھا؟ کہاں کا باشندہ تھا؟ کس زمانے میں تھا؟ اُس کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ ذوالقرنین کے سفر کے آغاز و انتہا کی حدود کون سی تھیں؟ دیوار کہاں بنائی؟ بنانے کی درخواست کرنے والی کون قوم تھی؟ یاجوج ماجوج کس قوم کا نام ہے؟ یہ کہاں رہتی تھی؟ اب بھی ہے یا نہیں؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ ان تمام امور کی طرف سے قرآن خاموش ہے یہ کام تاریخ کا ہے۔ علمائے اسلام نے غیر اقوام کی تاریخی کتابیں قدیم و جدید جغرافئے، اہل کتاب کے مذہبی و سائیر اور کتب قدیمہ کی شرحیں سب کا بہت احاطہ کے ساتھ مطالعہ کیا اور چھان بین کرنے کے بعد کچھ علمی تاریخی مواد استخراج کیا ہے۔ پھر بھی اہل تحقیق میں اختلاف آراء اور تفرق اقوال قائم رہا اس کی وجہ محض یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے بیان کردہ واقعات کے علاوہ مزید تفصیل کا ماخذ اہل کتاب کے اقوال، کتابیں، موجودہ دور کے حجری اکتشافات، آثار قدیمہ اور کتبیات ہیں۔ ان میں باہم خود تضاد اور تخالف ہے، اس لئے کسی اتفاقی صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہے۔ ہم مختلف اقوال نقل کر کے جو محقق صحیح قول ہوگا اس کو پیش کریں گے۔ محقق دہلوی مولوی عبدالحق حقانی نے گزشتہ اور حال کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی اور سطر شماری کر کے ذوالقرنین کے متعلق بہترین تحقیقات کی ہے۔ موجودہ تفاسیر میں اس سے بہتر تحقیقاتی نوٹ اور تنقید و تبصرہ ہماری نظر سے نہیں گزرا، اس لئے ہمارے اس مضمون کے زیادہ حصّہ کا سرچشمہ علامہ مذکور کی تحقیقات ہے۔ ہاں جہاں ہم کو مولانا کی تصریحات سے اختلاف ہے یا جن کتابوں سے مولانا نے اپنے مضمون کا اقتباس کیا ہے اُن کتابوں کے علاوہ دوسری کتب میں ہم کو کوئی نئی بات ملی ہے اس کو ہم نے تنقیح کے بعد لکھ دیا ہے اور زوائد کو حذف کر دیا ہے۔

ذوالقرنین کون تھا، کب تھا، کس ملک کا تھا، اُس کی بنائی ہوئی دیوار کہاں تھی؟

دنیا کی تاریخ میں جو دیواریں مذکور ہیں جن میں سے بعض اب بھی موجود ہیں۔ اُن کی تحقیق اور ان کے بنانے والوں کی تعیین کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے کہ ذوالقرنین کون تھا؟

(۱) ابن خلدون اپنے مقدمہ کے صفحہ ۵۸ پر لکھتا ہے کہ اس اقلیم کے نویں حصّہ کے ایک گوشہ میں بلاد خنشاخ واقع ہیں۔ کوہ قوقیا (غالباً کوہ الطائی) جب بحر محیط کے پاس سے ہو کر شمال کی طرف موڑ کھاتا ہے تو بلاد خنشاخ یعنی قپچاق میں سے ہو کر گزرتا ہے اور اقلیم ششم کے نویں حصّہ تک نکل جاتا ہے۔ اسی جگہ اس کے وسط میں یاجوج ماجوج والی دیوار ہے اور اس حصّہ کے شرقی کنارے میں یاجوج ماجوج کا ملک ہے۔ اس کا محل وقوع کوہ قوقیا کے پرے سمندر کے رخ پر ہے اور شکل مستطیل ہے۔ انتہیٰ۔

کوہ الطائی کے موڑ پر یہ جگہ وہ دیوار ہے جس کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے اور اس پہاڑ کے پرے منچوریا اور منگولیا کی قومیں ہیں جن کو یاجوج ماجوج کہتے ہیں۔ یہ لوگ سخت خونخوار وحشی اور سفاک تھے۔ ان کا پیشہ شکار تھا۔ مورخین اسلام مذکورہ بالا دیوار کو سد یاجوج کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق خلفائے عباسیہ کے عہد میں کی گئی تھی۔ چنانچہ ابو ریحان بیرونی (متوفی) اپنی کتاب آثار باقیہ مطبوعہ جرمنی ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۴۱ میں لکھتے ہیں کہ اس دیوار کا قرآن نے کوئی موقعہ محل نہیں بتایا کہ کس جگہ ہے۔ ہاں کتب تاریخ و جغرافیہ میں مذکور ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں میں ایک قوم کا نام ہے جو اقلیم پنجم و ششم کے مشرق میں رہتے ہیں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ والی آذربیجان نے جب اس ملک کو فتح کیا تو کسی کو اس دیوار کو دیکھنے کو بھیجا جو بحیرۂ خزر کی راہ سے دیکھنے گیا اور دیکھ کر آیا اور ابن خردازبہ نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق

toobaafoundation.com

کر کے پچاس آدمیوں کو بھیجا۔ یہ لوگ باب الابواب اور لان اور خزر کی راہ سے گئے اور واپس آکر بیان کیا کہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی اینٹوں سے بنائی گئی ہے، بہت اونچی اور مضبوط ہے۔ اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔ یہ جماعت واپسی میں سمرقند میں آکر ملی تھی۔ کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں اس قصہ کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے، مگر معتصم کی جگہ واثق باللہ عباسی کا معاملہ بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق نے اس جماعت کا افسر محمد بن موسیٰ خوارزمی نجومی کو بنایا تھا اور سامان سفر بہت دیا تھا اور بادشاہوں کے نام خطوط بھی لکھ دیئے تھے۔ یہ جماعت بلاد طرخان سے ہو کر اس مقام پر پہنچی جہاں دیوار ہے اور واپس آکر بیان کیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان ڈیڑھ سو گز کی ایک گھاٹی ہے۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار ہے جس کی صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے دو پائے ہیں جن کا عرض پندرہ گز ہے۔ لوہے کی اینٹوں سے ان کو بنایا گیا ہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے اینٹوں کی درزیں بند کی گئی ہیں۔ دونوں پایوں کے درمیان ایک مستحکم دروازہ آہنی کواڑوں کا لگا ہے اور بند ہے۔

ابوالقاسم بن حوقل نے کتاب المسالک والممالک کے صفحہ ۲۹۹ پر مذکورہ بالا باب الحدید کا ترمذ سے فاصلہ آٹھ منزل ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح کہ ترمذ سے قراجون ایک منزل۔ یہاں سے میان کا ایک منزل۔ یہاں سے مایمرغ ایک منزل۔ یہاں سے نسف ایک منزل۔ یہاں سے سونج ایک منزل یہاں سے گندک ایک منزل اور گندک سے باب الحدید ایک منزل۔ تاریخ تیموری میں شاہ تیمور کا ایک جنگ میں باب الحدید تک پہنچنا مذکور ہے۔ دوسرے سیاحوں نے بھی اس دربند کا معائنہ کیا ہے۔ اور موجودہ نقشہ سے بھی ظاہر ہے کہ جبل التائی منچوریا اور منگولیا میں حائل ہے اور انہی حدود میں اس کا ایک توڑ ہے۔ اسی پہاڑ کے درمیان ایک درہ کشادہ تھا جس کو کسی بادشاہ ذوالقرنین نے بند کیا اور اب تک یہ دربند موجود ہے۔

(۲) دوسری دیوار ایک نہایت مضبوط تعمیر ہے جو غیر قوموں کو روکنے کے لئے آذربیجان کے سرے پر بحیرۂ طبرستان کے کنارے کوہ قبق کے گھاٹ بند کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ مراصد الاطلاع کے صفحہ ۱۱۱ پر ہے کہ باب الابواب یعنی دربند بحر خزر پر ایک شہر ہے۔ اس کو باب الابواب اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں کوہ قبق کی بہت سی گھاٹیاں ہیں جہاں سے بہت سے قلعے ہیں۔ یہاں ایک دیوار ہے جو پتھر اور سیسہ سے بنائی گئی جس کی بلندی تین سو گز اور جس میں لوہے کے دروازے ہیں۔ اس کو نوشیرواں نے اس لئے بنالیا تھا کہ قوم خزر اس کے ملک میں آکر ہمدان اور موصل تک غارتگری کرتی تھی۔ ان کو روکنے کے لئے یہ دیوار بنائی گئی۔ کتاب البلدان کا مصنف ابن الفقیہ اس دیوار کا کئی جگہ تذکرہ کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے خزر کے روکنے کے لئے پتھر اور سیسہ کی ایک دیوار نوشیرواں نے بنائی جس کا عرض تین سو گز ہے جس کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچا دیا اور ایک سرا دریا میں ملا دیا۔ اس کی لمبائی سات فرسخ ہے۔ ہر ایک فرسخ پر ایک آہنی دروازہ لگا ہے۔ یہ دیوار تراشے ہوئے مربع پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔ ہر پتھر میں سوراخ کر کے لوہے کی سلاخ کے ذریعہ دوسرے پتھر سے جڑ دیا ہے۔ سامان میں سے ایک ایک پتھر ایسا بڑا ہے کہ پچاس آدمی بھی اس کو اکھاڑ نہیں سکتے۔ یہ دیوار اوپر جا کر اتنی چوڑی ہے کہ بیس سوار بغیر مزاحمت کے چل سکتے ہیں۔ اسی کتاب میں یہاں کے قلعوں کو قباد اکبر کی تعمیر بتایا ہے۔ یہ دیوار اب تک قائم ہے۔ ابن الفقیہ کی مراد نوشیرواں سے غالباً شاہ ایران ہے۔ خواہ کیخسرو ہو یا کیقباد یا کوئی دوسرا عظیم الشان بادشاہ جس نے بڑی بڑی مستحکم عمارتیں بنائی تھیں۔

(۳) گزشتہ زمانوں میں منچوریا اور منگولیا کے مغل شمالی چین پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے جن کو روکنے کے لئے چی وانگتی شاہ چین نے مسیح سے تخمیناً ۲۲۵ برس پیشتر ایک دیوار بنائی جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ دیوار اب بھی موجود ہے۔ اس کو دیوار چین کہتے ہیں۔

(۴) تبت کے شمالی پہاڑوں میں ایک دیوار بمقام راست بنائی گئی ہے۔ مصنف نزہۃ المشتاق لکھتا ہے کہ شہر راست دو پہاڑوں کے درمیان ہے اور خراسان کے انتہائی کنارے پر ہے۔ یہاں ایک راستہ ہے جہاں سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے۔ اس راستہ کو فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر بند کر دیا۔

(۵) بحر شامی یا بحر روم کا مشرقی کنارہ جو شام سے ملا ہوا ہے۔ اس میں چند جزائر ہیں جو ایشیائے کوچک سے متصل ہیں۔ ان میں سے ایک جزیرے کا نام رودس اور دوسرے کا نام پولس ہے۔ اس مجموعۃ الجزائر کو ہزار میل کے دائرے سے دریا گھیرے ہوئے ہے۔ صرف ایک طرف چھ میل چوڑا خشکی کا راستہ تھا۔ کسی شاہ روم نے دیوار بنا کر اس کو بھی بند کر دیا۔ مصنف نزہۃ المشتاق نے اس کی صراحت کی ہے۔

اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی کون سی دیوار ہے۔ اور ذوالقرنین سے کون سا بادشاہ مراد ہے۔ پانچویں اور چوتھی دیوار تو یقیناً مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پانچویں دیوار تو پہاڑوں کے درمیان واقع ہی نہیں ہے بلکہ دریاؤں کے درمیان ہے اور چوتھی دیوار اسلامی دور کی بنی

toobaafoundation.com

ہوئی ہے۔ نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھی۔

تیسری دیوار بھی مراد نہیں ہو سکتی۔ اس کی چند دلائل ہیں۔ (۱) دیوار چین کا بانی چی وانگٹی شاہ چین ہے اور بحث طلب دیوار کا بانی ذوالقرنین (۲) دیوار چین دو پہاڑوں کے درمیان واقع نہیں بلکہ پندرہ سو میل لمبی ہے دریاؤں سے بھی گزری ہے اور پہاڑوں پر سے بھی اور میدانوں میں سے بھی اور تعین طلب دیوار کا دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہونا ضروری ہے۔ (۳) چی وانگٹی نے کبھی مشرق مغرب اور شمال کا سفر نہیں کیا۔ تاریخ چین میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں۔ حالانکہ دیوار معہود کے بانی کا سفر کرنا مسلم الثبوت ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغرب کی جانب برہما اور ملایا تک اس بادشاہ نے فتوحات کیں، لیکن شرقی اور شمالی سفر اب بھی پردہ گمنامی میں رہے گا۔ (۴) اہل عرب اور اہل شام کا تعلق چین سے کبھی نہیں ہوا۔ پھر نزول قرآن سے پہلے ان کو دیوار چین کا تذکرہ کیسے معلوم ہوا اور چی وانگٹی سے ان کا کیا سروکار رہا۔

یہ ہیں مختصر وجوہ جن کی بنا پر دیوار معہود دیوار چین نہیں ہو سکتی اور نہ ذوالقرنین کو چی وانگٹی قرار دیا جا سکتا ہے۔ صرف اول و دوئم دیواریں باقی رہیں۔ انہیں کو مراد لیا جا سکتا ہے۔

حسب صراحت سابق دیوار دوئم کا بانی کوئی ایرانی بادشاہ تھا جس نے بحیرۂ طبرستان کے کنارہ قوم خزر کے غارتگروں کو روکنے کے لئے آذربیجان اور ارمینیہ کے درمیان یہ دیوار بنائی تھی اس بنا پر ذوالقرنین ایرانی بادشاہ کا لقب قرار پائے گا۔

ابو السعود اور ابو الفدا نے ذوالقرنین فریدون کو قرار دیا ہے، لیکن اگر ذوالقرنین شاہ فارس ہی کو کہا جائے تو اغلب یہ ہے کہ وہ دارا ہوگا جس کو سکندر بن فیلقوس یونانی نے شکست دی تھی۔ اس کی تائید کتاب دانیال کے آٹھویں باب سے ملتی ہے۔ کتاب مذکور کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ :-

شاہ بیلشفر (ولد بخت نصر) کی سلطنت کے تیسرے سال مجھ دانیال کو ایک خواب نظر آیا جس وقت میں نے خواب دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن[1] کے قصر میں تھا جو صوبۂ عیلام میں ہے۔ میں نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ میں اولائی کے ندی کے کنارہ پر ہوں۔ آنکھیں اٹھا کے نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے سامنے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مینڈھا مغرب اور شمال اور جنوب کی طرف سینگ مارتا پھرتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ پچھم کی طرف سے ایک بکرا آیا اور تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ کوئی حصہ نہ چھوٹا اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا وہ اس دو سینگوں والے مینڈھے پر بڑے زور سے دوڑ پڑا، اس کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور اس کو زمین پر دے مارا اور کوئی اس کو نہ چھڑا سکا۔ پھر وہ بکرا بہت بڑا ہوا اور جب پُر زور ہوا تو اس کا سینگ ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ دوسرے چار سینگ نکلے۔ جب میں (دانیال) یہ خواب دیکھ چکا تو اس کی تعبیر کی فکر میں تھا پھر میں نے اپنے سامنے ایک شخص کو کھڑا دیکھا اور آواز آئی جبرئیل! اس کو خواب کے معنی سمجھا دے۔ اس نے میرے پاس آکر کہا اے آدم زاد سمجھ۔ اس خواب کا وقوع آخر زمانے میں ہوگا۔ وہ مینڈھا جس کے دو سینگ تھے وہ مادہ اور فارس کا بادشاہ ہے اور وہ بکرا یونان کا بادشاہ اور اس کے چار سینگ چار بادشاہ ہیں جو اس قوم میں قائم ہوں گے۔ انتہیٰ۔

دانیال کے خواب کی بنا پر ذوالقرنین (دو سینگوں والا) فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے۔ قباد وغیرہ ایک سینگ

---

[1] یہ شہر شوشنر کا قدیم نام ہے۔ شاہان کیانیہ کا دار السلطنت رہ چکا ہے۔ حضرت دانیال کے زمانے میں جو دارا تھا اور جس نے شہر بابل سے بخت نصر کلدانی کا خاتمہ کیا اور جس کے ہاں حضرت دانیال مامور ہو گئے تھے اس کا پایۂ تخت یہی شہر تھا۔ حضرت دانیال بخت نصر کی قید میں بابل پہنچا تھا۔ پھر بخت نصر کے بیٹے بیلشفر کے دربار میں آپ کو بڑی عزت دی گئی تھی۔ انہی کے زمانے میں بابل کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر شاہان ایران کا غلبہ ہوا اور اسی کو دو سینگ کا مینڈھا حضرت دانیال نے خواب میں دیکھا تھا۔ (از حقانی)

toobaafoundation.com

والاکبر اسکندر بن فیلقوس یونانی مقدونی ہے۔ جس نے اس دو سینگ والے مینڈھے (دارا شاہ ایران) کو مغلوب کیا اور اس کی سلطنت چھین لی۔ پھر سکندر کے بعد اس کا ملک اس کے چار سرداروں پر تقسیم ہوا اور یہ چاروں ایک ایک حصہ ملک کے بادشاہ ہوئے۔ یہ واقعہ حضرت دانیال سے کئی سو برس بعد کو ہوا۔ دانیال کا مذکورہ خواب کتاب دانیال میں یہود کا ایک معمہ چلا آتا تھا جس کی تعبیر وہی جانتے تھے، اس لئے انہوں نے رسول پاکؐ کے امتحان کے لئے قریش کو تلقین کی کہ ذوالقرنین کی حالت دریافت کریں۔ قوم غز والے یاجوج ماجوج کی اولاد سے تھے اور مملکت فارس میں آکر فساد برپا کرتے تھے، اس لئے شاہ ایران نے آذربیجان اور ارمینیہ کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنوا دی تھی۔ دارا کا ہر سہ اطراف میں سفر اور تسلط تاریخی واقعات پر مبنی ہے۔ بابل کا تخت اُلٹنا، آرمینیہ کو مسخر کرنا، افغانستان تک تسلط یہ سب کچھ دارا کے کارنامے ہیں، لیکن صرف ایک شبہ رہ جاتا ہے جس سے دارا کے ذوالقرنین ہونے کی تطبیق کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ آذربیجان یا آرمینیہ یا کوہ قوق یا بحیرۂ طبرستان کے باشندے ایسے نہ تھے جو بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ان کی زبان اور تھی۔ دارا کی طرح فارسی زبان نہ بولتے تھے، لیکن تعلیم یافتہ طبقہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں ہوتا ہے۔ آذربیجان کے باشندے ایسے وحشی اور بربری نہ تھے جن میں کوئی فرد انسانی نہ ہو اور بات ہی نہ سمجھتے ہوں۔ اس کے علاوہ ذوالقرنین کے متعلق آیات واضح طور پر ناطق ہیں کہ وہ موحد خدا پرست تھا۔ خدا کا خاص بندہ (ولی یا نبی) تھا۔ حالانکہ دارا موحد نہ تھا آتش پرست تھا۔ ان قوی شبہات کی بنا پر ہم کو بیضاوی وغیرہ علمائے اسلام کی رائے سے اختلاف ہے اور دیوار معہود ہم باب الابواب کی دیوار کو قرار نہیں دے سکتے۔ اب صرف اول دیوار باقی رہتی ہے۔ یہی وہ دیوار ہے جس کا قرآن میں تذکرہ ہے۔ اس دیوار کا بانی کون تھا؟ یقیناً فغفور چین نہیں، سکندر یونانی نہیں، شاہِ ایران نہیں بلکہ کوئی ..... بادشاہ ہے۔ جس کا لقب ذوالقرنین تھا۔ اسی بادشاہ نے اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جبل الطائی کا یہ درہ بند کیا تھا جس کو سدِ ذوالقرنین کہتے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ شاہانِ مصر پر بھی عمل داری کر چکے ہیں جو کہ بانوں کی حکومت کے نام سے تاریخ مشہور ہے۔ شاہانِ یمن کے آثارِ قدیمہ اُن کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مشرق و شمال میں بھی ان کے فتوحات ہوئے ہوں۔ ذوالقرنین کوئی عربی بادشاہ تھا۔ اس خیال کا ثبوت اس سے بھی ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یمن کے اکثر بادشاہوں کے ناموں میں لفظ ذو داخل تھا۔ جیسا ذو نواس، ذوالنون، ذورعین ذوجدن، ذویزن وغیرہ۔ اسی طرح قوی خیال ہے کہ ذوالقرنین بھی عربی ہے اور یمن کا بادشاہ، لیکن یمن کے کس بادشاہ کا لقب ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابوریحان بیرونی کا قول ہے کہ اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری تھا۔ اسعد یمنی حمیری اسی بادشاہ کا تذکرہ بطور فخر کرتا ہے۔

قَدْ كَانَ ذُوالْقَرْنَيْنِ مِنَّا مُسْلِمًا مَلِكًا عَلَا فِى الْاَرْضِ غَيْرَ مُفَنَّدِ
بَلَغَ الْمَشَارِقَ وَالْمَغَارِبَ يَبْتَغِىْ اَسْبَابَ اَمْرٍ مِّنْ كَرِيْمٍ سَيِّدِ

مفسر سراج نے اس کا نام شمر بن عمرو بن الیفریقس لکھا ہے۔ ابوالفدا نے اپنی تاریخ کی چوتھی فصل میں لکھا ہے کہ یمن کا سب سے پہلا بادشاہ قحطان بن عابر ہوا پھر اس کا بیٹا یشجب یعنی سبا ہوا، پھر اس کا بیٹا حمیر، پھر اس کا بیٹا وائل پھر اس کا بیٹا سکسک پھر یعفر پھر حمیر کے خاندان میں سے ذوالرائش ہوا، پھر یعفر کا بیٹا نعمان پھر اس کا بیٹا اشمع ہوا۔ اس کے بعد شداد بن عاد بن الملطاط بن سبا بادشاہ ہوا پھر اس کا بیٹا حارث حارث رائش ہوا۔ یہی تبع اوّل ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس پھر ذوالاذعار، پھر شرحبیل پھر ہدہاد پھر ملکہ بلقیس۔

ہم ابن اثیر نویری اور مسعودی کے اقوال نقل کرتے ہیں جن میں ابوالفداء کے قول سے قدرے اختلاف ہے پھر آخر میں اپنی رائے ظاہر کریں گے کہ نعمان یمن کے کس بادشاہ کا لقب ہو سکتا ہے۔ یمن کا سب سے پہلا بادشاہ قحطان (جس کو توراۃ میں یقطان کہا گیا ہے) بن عامر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح ہوا۔ اس کی حکومت ۳۰۴۰ قبل المسیح میں تھی۔ پھر یعرب بن قحطان ہوا اسی کا لقب یمن تھا۔ یعرب کے بعد یشجب بن یعرب ہوا۔ اس کے بعد عبدالشمس ہوا۔ اسی کا لقب سبا تھا۔ مارب کا بند اسی نے بندھوایا تھا پھر حمیر کی حکومت ہوئی اس کا لقب عرنجج تھا (۲۸۸۰ قبل مسیح) پھر حمیر کا بیٹا وائل ہوا۔ پھر مدت دراز کے بعد حکومت منتقل ہوتے ہوتے شداد کے ہاتھ میں پہنچی پھر ملطاط۔ المنوکی کا زمانہ آیا اور آخر میں حارث رائش یعنی تبع اوّل بادشاہ ہوا (حمزۃ الاصفہانی) تبع اوّل کے بعد ابرہہ ذوالمنار ہوا۔ پھر ۱۸۶۰ قبل مسیح میں افریقس ہوا۔ یہی شخص سرزمین کنعان سے بربر قبائل کو افریقہ لے گیا اور وہاں لے جا کر آباد کیا۔ مغرب کو فتح کیا اور چونکہ وہاں کے باشندوں کی بولی سمجھ میں نہ آتی تھی، اس لئے کہنے لگا یہ کیسی بربر کرتے ہیں۔ اسی لفظ سے وہاں کے رہنے

toobaafoundation.com

والوں کو بربر کہنے لگے۔

افریقن کے بعد عمر ذوالاذعار ہوا۔ پھر ۶۵ سالہ قبل مسیح میں شرحبیل اور اس کے بعد ہداد حکمران ہوئے پھر ہداد کی بیٹی بلقیس حکمران ہوئی۔ بلقیس کے بعد شاہ ناشر النعم حکمراں ہوا۔ یہ مغربی جانب فتح کرتا ہوا ریگستان میں گھس گیا تھا اور وادی رمل کے کنارے تانبے کا ایک بت نصب کیا تھا جس کے سینے پر خط مسند میں لکھا تھا "اس سے آگے کوئی نہ جائے ورنہ ہلاک ہو جائے گا"۔ ناشر کے بعد شمر مرعش بادشاہ ہوا۔ یہی آخری تبع کہلایا۔ یہ ۵۰ ق م قبل مسیح میں تھا۔ اسی نے عراق فارس اور خراسان کے ممالک کو روند ڈالا تھا اور جیحون کے پار شہر سغد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ فارس والوں نے سغد کی بربادی کے متعلق کہا شمر کند یعنی شمر نے اس کو برباد کر دیا۔ اہل عرب نے لفظ شمر کند کو بگاڑ کر سمرقند کر لیا۔ ملک فارس پر اس نے دوبارہ چڑھائی کی تھی اور ملک چین پر بھی لشکر کشی کی تھی۔ قبائل بنی قریظہ کے بعض علماء کی ترغیب سے یہ یہودی ہو گیا تھا اور یہودی مذہب بھی اس وقت مذہب توحید تھا۔ اسی کی کنیت ابوکرب تھی۔ تسخیر چین کے دوران میں ہی اس کا انتقال ہوا (ابن اثیر و مسعودی)

میرے نزدیک شمر مرعش ہی کا لقب ذوالقرنین تھا۔ اسی نے مختلف اطراف میں سفر کئے تھے۔ ممالک کو تسخیر کیا تھا۔ انتہائے شرق تک گیا تھا۔ موحد اور خدا پرست بھی تھا۔ اسی لئے جبل الطائی کا دربند بنایا تھا جس کی تحقیقات کرنے والے واثق باللہ عباسی کے زمانے میں سمرقند میں واپس آکر ملے تھے۔ اسی دربند سے تاتاری اور چینی تاتار کے لوگ اس پار نہ آسکتے تھے۔ مولانا حقانی نے اس جگہ غلطی کی کہ ابوکرب کو عمیر یا عمرو بن افریقس کا بیٹا قرار دیا اور ابوالفدا نے بھی غلطی کی کہ تبع اول کے بیٹے صعب یا مصعب کو ذوالقرنین کہا۔ ذوالقرنین موحد اعظم دربند بنانے والا ملکہ بلقیس کا پوتا اور ناشر کا شمر تھا۔ اسی کی کنیت ابوکرب تھی جس کا سنہ وفات معلوم نہیں۔ البتہ دور حکومت ۵۰ ق م قبل مسیح میں تھا۔ چونکہ موحد یہودی تھا اس لئے یہودیوں کو اس سے خاص تعلق تھا اور یہودی اس کو مایۂ ناز سمجھتے تھے۔ ابوریحان بیرونی اور مفسر سراج نے تمام تبع کو حمیری بتایا اور ولدیت بتانے میں ان سے بھی غلطی ہوئی۔ ابوکرب یا شمر حمیر یا عمر کا بیٹا نہ تھا بلکہ ناشر کا بیٹا تھا۔ والعلم عند اللہ۔

سہیل رازی، ابومسعود اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سکندر دو گزرے ہیں ایک سکندر بن فیلقوس یونانی جس کا وزیر ارسطو تھا یہ کافر تھا۔ اس نے کوئی دیوار نہیں بنائی۔ اس کا زمانہ مسیح سے تقریباً تین سو برس پیشتر تھا۔ دوسرا سکندر وہ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں تھا اور جس نے آپ کے ساتھ مل کر کعبہ کا طواف کیا تھا۔ (شاید اس وجہ سے مراد بادشاہ حورابی ہے) یہ سکندر موحد خدا پرست تھا اور یہی ذوالقرنین تھا۔ ابن کثیر اور رازی وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ محتاج دلیل ہے۔ احادیث یا تاریخ میں کوئی ایسی صراحت نہیں کہ جس سے کسی سکندر کا حضرت ابراہیم کا معاصر ہونا ثابت ہو اور پھر اس سکندر کا ذوالقرنین لقب بھی ہو اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ طواف بھی کیا ہو۔ صحیح وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ

مفسر سراج نے ذوالقرنین کہنے کی مختلف وجوہ لکھی ہیں۔ ہر ایک بجائے خود مناسب توجیہ ہے (۱) اس کے تاج پر دو کلغیاں تھیں۔ دوسرے بادشاہوں کے تاج پر ایک کلغی ہوتی ہے (۲) اس کے دو گیسو تھے (۳) وہ زمین کے دونوں سمت یعنی شرق و غرب کو دیکھ چکا تھا (۴) اللہ نے نور و ظلمت دونوں کو اس کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ تاریکی بھی اس کی فتوحات سے مانع نہ تھی۔ (۵) اس نے دونوں زمانے پائے، ایک فتوحات کا زمانہ، دوسرا حکومت و انتظام کا زمانہ (۶) حضرت دانیال نے خواب میں اس کو دو سینگوں والا مینڈھا دیکھا تھا۔

کیا ذوالقرنین پیغمبر تھا؟

علمائے اسلام کا اس میں اختلاف ہے۔ تفسیر سراج میں حضرت علیؓ کا جو قول درج ہے اس میں نبوت کا صاف انکار ہے۔ صرف مرد صالح ہونے کی صراحت ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میں بھی ذوالقرنین کی نظیر موجود ہیں۔ بعض علماء نبوت کے قائل ہیں۔ آخری فیصلہ معلوم نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا معلوم نہیں کہ تبع نبی تھا یا نہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ ذوالقرنین نبی تھا یا نہ تھا مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ گنہگاروں کو دنیا میں جو سزا دی جاتی ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے یا نہیں۔ (رواہ عبدالرزاق فی المسند وابن المنذر فی التفسیر والحاکم فی المستدرک وقال انہ صحیح الاسناد)

toobaafoundation.com

یاجوج ماجوج کون قوم تھی اور اب بھی ہیں یا نہیں؟

باتفاق اہل تحقیق یہ دونوں عجمی نام ہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک یاجوج ماجوج دونوں ترکوں کے قبیلے ہیں۔ بعض کے نزدیک یاجوج ترکوں کی ایک قوم ہے اور ماجوج جیل اور دیلم کی۔ بیضاوی اور ابوالسعود وغیرہم نے دونوں کو یافث بن نوح کی نسل سے لکھا ہے۔ مطلب ایک ہی ہے۔ امام رازی کا قول بھی اس کے خلاف نہیں۔ مصنف کتاب المسالک والممالک نے اپنی کتاب میں چین کا حال بیان کر کے لکھا ہے کہ چین سے متصل بحرِ اعظم کے کنارے سے کنارے یاجوج ماجوج قوم ہے۔ گویا جبل الطائی کے پرے منچوریا، منگولیا اور کوریا چین سے متصل دریا کی حد تک سب یاجوج ماجوج کی بستیاں ہیں۔ انہی کو روکنے کے لئے ہی واکنگی نے دیوار چین بنائی تھی اور باب الابواب میں ذوالقرنین نے جو بند بنایا اس کی غرض بھی اس کو روک دینا تھی۔ مصنف مذکور نے دوسری جگہ لکھا ہے

قدیم جغرافیہ دانوں کی صراحت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج منچوریا اور منگولیا کے لوگ ہیں۔ جغرافیہ "جام جم" میں میرزا فرہاد نے بھی یہی لکھا ہے۔ اسی تقدیر پر منگول اور من جیو اجو چینی تاتار کے باشندے ہیں انہیں کو اگلے زمانے میں یاجوج ماجوج کہتے تھے اور یاجوج ماجوج کے لفظ کو منگول دمن جیو اکر لیا گیا۔ توریت کتاب پیدائش کے دسویں باب میں ہے کہ یافث کے سات بیٹے تھے۔ جمر، ماجوج، مادی، یونان، توبل، مسک، تیراس۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ماجوج ماکوک کا معرب ہے اور ماکوک کا اصل عبرانی ماغوغ ہے یہ بات قرین عقل ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے گاگ میگاگ کو یاجوج ماجوج بنایا ہے۔ یہ بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ گاگ میگاک کو یاجوج ماجوج بنایا ہو۔ فقط کاف کو جیم سے اہل عرب نے بدل لیا ہو اور پھر جوج کی بجائے یاجوج استعمال کیا ہو۔ اس تقدیر پر یہ دونوں معرب ہوں گے۔

کتاب حزقیل ۳۸ باب میں آیا ہے "خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کی سرزمین کا ہے اور روش (یعنی روس) اور مسک اور توبل کا سردار ہے۔" ان الفاظ میں جوج کو یا جوج کی سرزمین کا رہنے والا اور روس اور مسک اور توبل قوموں کا سردار کہا۔ بظاہر یاجوج اس ملک اور اس قوم کو کہا جو یاجوج بھی یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں اور جو ان ہی بلاد شمالیہ میں رہتے ہیں جن کو آج کل تاتار اور منگولیا اور ترکستان کہتے ہیں اور انہی کی نسل سے یہ ملک آباد ہیں اور جوج یعنی یاجوج ان میں سے کسی خاص فرقے کا نام تھا جو روس و توبال و مسک قوموں کا ان دنوں حاکم ہوگا۔

یاجوج ماجوج کا خروج کب ہوگا؟

ترمذی میں ایک صحیح روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت بپا نہ ہوگی اس وقت تک جب تک تم (اے مسلمانو!) ایک ایسی قوم سے نہ لڑو گے جن کی جوتیاں بالوں کی ہوں گی اور چہرے ڈھالوں جیسے (چوڑے چپٹے) ہوں گے۔ یعنی قیامت سے پیشتر تم کو ایسی قوم سے لڑنے کا اتفاق ضرور ہوگا۔ اس قوم سے مراد ترک اور تاتاری لوگ ہیں۔ اختتام دورِ عباسیہ پر ان لوگوں سے مسلمانوں کی جنگ ہو چکی۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی فوجیں دربند توڑ کر نکل آئیں اور ایسی خون ریز لڑائیاں ہوئیں جو اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ جو لوگ چنگیز خاں کے ساتھیوں کو یاجوج ماجوج کہتے ہیں ان کے نزدیک تو یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا، لیکن جو لوگ ابھی منتظر ہیں وہ آئندہ تاتاری اور ترکستانی نسلوں کا تسلط دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ احادیث میں کسی خاص زمانے کی صراحت نہیں۔ صرف قیامت کے قرب میں خروج یاجوج ماجوج کی تصریح ہے اور قرب قیامت بڑی طویل چیز ہے۔ چنگیز خاں کا زمانہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کی بہ نسبت قیامت سے زیادہ قریب تھا۔ رہے یاجوج ماجوج کے متعلق افسانے اور عجائبات جن کو اہل کتاب سے لے کر خوش اعتقاد مسلمانوں تک نے مشہور کر رکھا ہے اور قرآن مجید سے چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً ان میں سے کسی کے کان اتنے بڑے ہوں کہ ایک کان بچھا کر سوئے گا اور ایک کان اوڑھے گا۔ یا کسی کا قد سو گز اور کسی کا بالشت برابر ہوگا، یہ سب افسانے ہیں جو احادیث اس کے متعلق روایت کی جاتی ہیں وہ ضعیف الاسناد ہیں۔

تحلیل اجزا و تفسیری مطالب

سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا۔ یعنی ذوالقرنین کی مفصل حالت نہیں بلکہ کچھ احوال ہم بیان کرتے ہیں۔ جتنا حصہ لاشاد و ہدایت کے لئے ضروری ہے اتنا بیان کر دیں گے

اِنَّا مَكَّنَّا۔ یعنی ہم نے اس کو حکومت، عزت، طاقت، فوج وغیرہ مختلف قسم کی قوتیں عطا کی تھیں، مقصد یہ کہ وہ بادشاہ تھا۔

toobaafoundation.com

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی، قتادہ اور ضحاک وغیرہم کے نزدیک سبب سے مراد علم ہے۔ ایک روایت میں قتادہ کے نزدیک زمین کی منازل اور نشانیاں مراد ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کے نزدیک زبانوں کی تعلیم مراد ہے۔ ذوالقرنین ہر ملک اور ہر قوم کی زبان جانتا تھا۔ ہر ملک کی زبان میں وہاں کے باشندوں کو توحید کی طرف مائل کرتا۔ اگر سرکشی کرتے تو پھر جنگ کرتا۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ قوت اور ساز و سامان مراد لیا جائے۔ قوت علم کی ہو یا ہتھیاروں کی یا مدد کی یا تسلط عام کی۔ بہرحال خدا تعالیٰ نے اس زمانے کے موافق تمام مادی اعلیٰ اسباب ذوالقرنین کے لئے فراہم کر دیئے تھے۔ وہ جدھر کا رخ کرتا ضروریات سفر سے پہلے تیار کر لیتا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ الخ۔ ابن کثیر، امام رازی اور اکثر اہل تحقیق کے نزدیک مَغْرِبَ الشَّمْسِ کے یہ معنی نہیں کہ آفتاب غروب ہونے کی زمین پر کوئی جگہ ہے اور وہاں سیاہ دلدل کا کوئی چشمہ ہے جہاں آفتاب غروب ہوا کرتا ہے۔ کیوں کہ آفتاب غروب ہوتا ہی نہیں ہے۔ زمین گول ہے۔ آفتاب کی حرکت اور زمین کا دور طلوع و غروب دکھاتا ہے۔ بلکہ اس کلام کی بنا محض عرف عام پر ہے۔ اردو میں بولا جاتا ہے کہ فلاں عمارت آسمان سے باتیں کر رہی ہے یعنی بہت بلند ہے۔ برطانیہ کی سلطنت اتنی بڑی ہے کہ اسی کی سلطنت میں آفتاب کا طلوع و غروب ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بہت لمبی چوڑی ہے۔ مَغْرِبَ الشَّمْسِ اور مَطْلِعَ الشَّمْسِ سے بھی یہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی جانب بہت دور تک پہنچا جہاں بجز سمندر کے اور کوئی آبادی نہ تھی تو آفتاب اس کو پانی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ جن لوگوں نے جہاز پر سفر کیا ہے یا جن کے غربی جانب سمندر ہے وہ ہر روز اس بات کا معائنہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے مغرب کی حد کی تعیین نہیں کی نہ یہ بتایا کہ وہاں ذوالقرنین کو کون قوم ملی۔ اس کی تحقیق کے لئے جغرافیہ اور تاریخ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ عرب کے مغرب جنوب اور کسی قدر شمال میں بحر قلزم ہے تو ظاہر ہے کہ عرب کا غربی کنارہ مراد نہیں کیونکہ عرب کی جانب بحر قلزم کچھ زیادہ دور نہیں۔ لامحالہ قلزم کو عبور کر کے ملک مصر اور بربر کو طے کرتے ہوئے بحر اعظم تک پہنچنا مراد لیا جائے گا اور اگر یہ کہا جائے اور تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ذوالقرنین نے کل دنیا کا سفر کر لیا تھا تو مطلب کی توضیح اس طرح کی جائے گی کہ زمین چونکہ گول ہے، اس لئے وسط دائرہ تک پہنچ کر آدمی کا رخ یقیناً الٹا ہو جائے گا۔ چلنے والے کا رخ جب تک آفتاب کی طرف رہے گا اس کو سورج سامنے نظر آئے گا اور جب وسط پر پہنچ کر وہ مڑے گا تو پہلے کے بالکل خلاف رخ ہو جائے گا۔ پس گویا مغرب تک پہنچ گیا۔

کعب احبار نے معاویہ سے کہا تھا توریت میں لکھا ہے کہ سورج پانی مٹی (دلدل) میں غروب ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق تبع حمیری نے دو شعر بھی کہے تھے۔ ایک جاہلی حمیری یمنی شاعر کا قول ہے جس کو ہم ذوالقرنین کے احوال میں نقل کر بھی آئے ہیں، لیکن کعب احبار نے اس کو قدرے ترمیم کے ساتھ تبع کی طرف منسوب کیا۔ عربی لٹریچر کے ماہرین اس کو اسعد حمیری یمنی کا قول بتاتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے ؎

بَلَغَ الْمَشَارِقَ وَالْمَغَارِبَ یَبْتَغِیْ اَسْبَابَ اَمْرٍ مِنْ حَكِیْمٍ مُرْشِدٍ
فَرَاٰى مَغَارَ الشَّمْسِ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فِیْ عَیْنِ ذِیْ خُلُبٍ وَثَاطٍ حَرْمَدٍ

ابن عباس نے پوچھا خلب کے کیا معنی؟ ابن حاضر نے کہا حمیری محاورہ میں خلب گیلی مٹی کو کہتے ہیں۔ ابن عباس نے ثاط کے معنی دریافت کئے تو جواب ملا "دلدل" کہا اور حَرْمَدٍ کے معنی "سیاہ" بتائے۔

خلاصہ یہ کہ ذوالقرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ سیاہ دلدل کے چشمہ میں سورج غروب ہو رہا ہے۔ چونکہ واقع میں سورج دلدل میں غروب نہیں ہوتا اس لئے وَجَدَهَا کا لفظ استعمال کیا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ۔ الخ۔ مطلع الشمس کے بھی وہی مجازی استعمالی معنی مراد ہیں جو مغرب الشمس کے تحت میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ گویا ذوالقرنین بجانب مشرق ایسی جگہ پہنچا جہاں سے آگے اور کوئی آبادی اور خشکی نہ تھی صرف پانی ہی پانی تھا۔ چونکہ پہاڑ وغیرہ کی کوئی آڑ نہ تھی، اس لئے سورج کو روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ یہ کون سی جگہ ہے؟ قرآن نے کچھ بیان نہیں کیا۔ غالباً چین کا آخری حصہ ہوگا جس سے آگے سمندر کے سوا اور کوئی ملک ہے نہ کوئی پہاڑ۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا کہ وہ لوگ برہنہ رہتے تھے۔ سوائے دھوپ کے ان کا کوئی لباس ہی نہ تھا۔ بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مکان بنا کر نہ رہتے تھے۔ خواہ اس وجہ سے کہ کثرت بارش اور زلزلوں کی وجہ سے مکان باقی نہ رہ سکتا تھا یا مکان بنا کر رہنا ہی نہ جانتے تھے یا قد زیادہ لمبا تھا جس کی وجہ سے مکان میں نہ رہ سکتے تھے۔ غرض یہ کہ وحشی تھے۔ میرے نزدیک یہ مطلب نہایت عمدہ ہے۔ کلام کی بنا مجازی معنی پر ہوگی اور مجازی معنی بعید از قیاس نہ ہوں گے۔ دنیا کی بہت سی

toobaafoundation.com

وحشی قومیں برہنہ رہتی تھیں، امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور برہما کے بعض پہاڑی علاقے بلکہ افریقہ کے بعض حصوں میں تو اب تک وحشی انسان رہتے ہیں جو لباس پہننا ہی نہیں جانتے۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ الخ۔ یہ تاتار کا پہاڑ ہے جس کا نام التائی ہے۔ یہ پہاڑ تاتار اور چینی تاتار کے درمیان سے ہو کر گزرا ہے اور منگولیا اور منچوریا کے درمیان حد فاصل ہے۔ پھر اس کی ایک شاخ مغرب کی جانب سینکڑوں کوس تک تاتار کو جنوبی و شمالی حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے اور ایک شاخ مشرق و شمال کو ہوتی ہوئی سائبریا کو گھیرتی ہوئی بحر اعظم تک جاتی ہے۔ اسی پہاڑ میں ایک درہ تھا جس کے اندر سے گزر کر چینی تاتار کے باشندے تاتاریوں کو تاخت و تاراج کرتے تھے اور تاتاریوں کی درخواست پر ذوالقرنین نے وہ دہانہ بند کر دیا۔ اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ذوالقرنین ان کی گفتگو نہیں سمجھتا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ غیر قوموں کا کلام مکمل طور پر نہیں سمجھتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قرائن اشارات یا ترجمان کے ذریعہ سے سمجھ لیتے ہوں۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ۔ ذوالقرنین نے لوہے کے تختے طلب کئے اور ان کی دیوار بنا کر اوپر سے پگھلا ہوا تانبہ یا رانگ ڈال دیا جس سے جوڑ سے جوڑ مل گیا اور دیوار ڈھلی ہوئی معلوم ہونے لگی۔ بعض مفسرین نے عمومی معنی مراد لئے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑوں سے وہ دیوار چُنی تھی یا پتھروں سے لوہے کی ایسی میخیں لگائی تھیں۔ بہر طور دیوار چُنی کر دونوں پہاڑوں کے سرے تک لے گئے۔ انتہیٰ۔

میرے نزدیک مفسر مذکور کی صراحت غلط ہے۔ دیوار ضرور لوہے کے تختوں سے ہی چُنی تھی۔ اگر پتھروں سے چُنی کر لوہے کی سلاخوں سے جڑی جاتی تو پگھلا تانبہ یا رانگ اوپر سے ڈال کر آگ لگانا قطعاً غلط ہو جائے گا۔ پتھر کی دیوار پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالنا اور آگ لگانا کچھ مفید نہیں ہے نہ اس سے پختگی نہیں پیدا ہو سکتی نہ عادتاً ایسا کیا جاتا ہے۔ ہاں لوہے کے تختوں کی دیوار چن کر اوپر سے پگھلا ہوا تانبہ یا رانگ ڈالنے سے کھلی دیوار لوہے کی ہو سکتی ہے۔ جوڑ سے جوڑ مل سکتا ہے اور سب درزیں مل کر پوری دیوار یک ذات ہو سکتی ہے۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا۔ یعنی اس کی بلندی کی وجہ سے نہ تو چینی تاتار کے باشندے اس کے اوپر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس کی پختگی کی وجہ سے اس میں سوراخ کر سکتے تھے۔ آیت میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ وہ دوسرے راستوں سے بھی نہیں آ سکتے تھے اور کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا۔ ہاں بقرائن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کسی دوسرے راستے کی اطلاع نہ تھی اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے پہاڑوں کے پار آنا اُن کے علم میں تھا۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ۔ عام مفسرین وعدۂ رب سے وہ زمانہ مراد لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول اور قتل دجال کے بعد ہوگا۔ ایسے وقت میں یاجوج ماجوج دیوار توڑ کر خروج کریں گے اور حضرت عیسیٰ مسلمانوں کو ساتھ لے کر ملک شام میں کسی پہاڑی پر محصور ہو جائیں گے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک وعدۂ رب سے چنگیز خانی فتنہ مراد ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ قتل دجال کے بعد یاجوج ماجوج دیوار توڑ کر درہ سے خروج کریں گے۔ بحیرۂ طبریہ کا پانی پی جائیں گے، ملک میں فساد برپا کریں گے، ملک شام پر حملہ آور ہوں گے پھر خدا تعالیٰ کی ایک بلائے آسمانی سے سب ہلاک ہو جائیں گے۔

مضمون احادیث کی تائید کتاب حزقیل کی ۳۸ - ۳۹ فصل سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج شمال کی طرف بے شمار تعداد کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ (شام کے ملک پر) اور لوگوں کو مغلوب و مقتول کریں گے پھر کہیں گے زمین والوں کو تو ہم نے ہلاک کر دیا اب آسمان والوں کو بھی زیر کرنا چاہیئے۔ اس لئے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اور وہ ان کے گمان کو صحیح کرنے کے لئے خون آلود کر کے گرائے جائیں گے۔ آخر خدا کی بھیجی ہوئی بلا سے یہ لوگ سب ہلاک ہوں گے۔ شاید تیروں سے مراد آلات حرب ہوں یا واقعی تیر ہوں کیونکہ یاجوج ماجوج وحشی قومیں ہوں گی۔ قدیم زمانے کے آلات حرب ہی اُن کے پاس ہوں گے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

مقصود بیان

مِّنْهُ ذِكْرًا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی شخص کا مکمل قصہ بتانا کتاب الٰہی کے اصل مقصد کے خلاف ہے۔ ہاں قصہ کے جتنے حصہ کا تعلق ارشاد و ہدایت سے ہے اتنا حصہ بیان کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین کی زندگی کا اتنا حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے بصیرت رکھنے والے عبرت اندوز اور موعظت گیر ہوں۔

toobaafoundation.com

اِنَّا مَكَّنَّا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو اس کے زمانے کے موافق تمام مادی اور غیر مادی اسباب کامیابی عطا فرمائے گئے تھے۔

وَجَدَهَا کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ آفتاب واقعی چشمے میں غروب نہیں ہوتا بلکہ ساحل پر کھڑے ہونے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب چشمے میں غروب ہو رہا ہے۔

اَمَّا مَنْ ظَلَمَ الخ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ ظلم کی سزا دینی ضروری ہے۔ ظالم سے درگزر کرنی ممنوع ہے اور نیکوکار خوش اعمال لوگوں کو دنیا و دین میں آسانی اور سہولت میسر آتی ہے۔

اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ۔ یاجوج اور ماجوج کے درمیان واؤ حرف عطف کا آنا دلالت کر رہا ہے کہ یاجوج اور ماجوج جداجدا قومیں ہیں ایک ہی قوم کے دو نام نہیں ہیں۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ۔ صحیح اور راجح مطلب تو ہم تفسیری تحلیل کے ذیل میں لکھ آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے ایک تخیلی مطلب اس طرح لکھا ہے کہ "دیوار" سے مراد حقیقی دیوار نہیں اور نہ یاجوج کسی خاص قوم کا نام ہے بلکہ مغربی اقوام مراد ہیں۔ مشرقی قوموں پر مغرب کے رہنے والے تاخت کیا کرتے تھے۔ مشرقیوں کے پاس آلاتِ مدافعت نہیں تھے۔ ذوالقرنین سے جب چین و تاتار کے رہنے والوں نے اپنی بےبسی اور اہلِ مغرب کی دراز دستیوں کی شکایت کی تو اُس نے لوہے کو ڈھال کر توپیں اور مختلف آلاتِ حرب بنانا سکھائے جن کو تیار کر کے اہلِ مشرق نے مدافعت شروع کر دی۔ اُس وقت سے اب تک مشرقی ممالک میں اہلِ مغرب کی تاخت سے محفوظ ہو گئے۔ گویا سدّ سے مراد ہیں آلاتِ مدافعت اور صدفین سے مراد ہیں مشرق و مغرب اور آگ مشتعل کر کے پگھلانا، تانبہ یا سیسہ ڈال کر دیوار بنانے سے مراد ہے تمام حربی طاقت کا مغلوب ہو جانا"

میرے نزدیک یہ خیال بلاثبوت ہے اور محض تاویل زائغ ہے۔ قرآن و احادیث اور انبیائے سابقین کی تصریحات کے خلاف ہے۔

ذوالقرنین کا پورا قصہ اپنے اندر گوناگوں مواد بصیرت و موعظت رکھتا ہے۔ اس قدر عظیم الشان طاقت اور ہمہ گیر تسلط کے ہوتے ذوالقرنین کا خدا کی طرف رجوع کرنا دلالت کر رہا ہے کہ خدا کی قدرت محیط کل ہے۔ انسان کی طاقت اور اقتدار کتنا ہی زائد ہو جائے اور شوکت و سطوت کتنی ہی بڑھ جائے، مگر وہ خلاقِ مطلق سے بےنیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خداپرست موحد کو اللہ بھی فلاح دارین عطا فرماتا ہے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ

اور اس روز ہم (یاجوج و ماجوج کو) چھوڑ دیں گے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائے گا اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم سب کو بالکل جمع کر لیں گے

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ

اور اُس روز اُن کافروں کے سامنے ہم دوزخ کو پیش کریں گے جن کی آنکھیں ہماری یاد سے پردے میں

غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ع ۱۱ ۲

تھیں اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے تو کیا کافروں نے گمان کیا ہے

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ

کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنا لیں ہم نے جہنم کو کافروں کی دعوت کے لیے تیار کر رکھا

toobaafoundation.com

نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

ہے (اے نبی) کہہ دو کیا میں تم کو بتاؤں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہونگے؟ وہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش دنیوی

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ

زندگی میں رائیگاں گئی مگر وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور

رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ

اُس سے ملنے کا انکار کیا لہٰذا اُن کے اعمال اکارت گئے قیامت کے دن ہم اُن کی کچھ قدر نہ کریں گے چونکہ انھوں

جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا

نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا اس لئے اُن کی سزا جہنم ہے جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا

اور نیک کام کئے اُن کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغات ہیں جن کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے ہٹنا نہ چاہیں گے

تفسیر

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت کا ابتدائی حصہ یاجوج ماجوج کے قصہ کا تتمہ ہے اور نُفِخَ فِي الصُّوْرِ سے احوال قیامت کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کی دیوار مدت دراز تک قائم رہے گی۔ پھر جب خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا اور قیامت آنے کو ہوگی (اور دجال کا خروج ہو جائے گا اور مسیح دجال کو قتل کر دیں گے) تو وقت موعود مذکور پر یاجوج ماجوج دیوار توڑ کر میدانوں میں نکلیں گے۔ دھکم دھکا کرتے، گرتے پڑتے، ٹڈی دل کی طرح اُمڈ سے چلے آئیں گے اور ملک شام میں فساد برپا کریں گے۔ (اس کے بعد قیامت بپا ہوگی۔ پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ تمام زندہ انسان مر جائیں گے۔ دنیا نیست و نابود ہو جائے گی) پھر دوبارہ نفخ صور ہوگا تو خدا تعالیٰ سب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کر دے گا۔ الخ۔

بعض مفسرین کے نزدیک بَعْضَهُمْ کی ضمیر یاجوج ماجوج کی طرف راجع نہیں اور نہ یہ ذوالقرنین کے قصہ کا تتمہ ہے۔ قصہ مذکور حَقًّا پر ختم ہوگیا۔ یہاں سے احوال قیامت بیان کرنا مقصود ہے اور بَعْضَهُمْ کی ضمیر عام جن و انس کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام جن و انس آپس میں قیامت کے شروع ہونے کے وقت مخلوط ہو جائیں گے۔ ہر گروہ دوسرے پر اُمڈا چلا آئے گا۔ اتنے میں صور پھونکا جائے گا اور سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکنے پر سب کے سب زندہ ہو کر میدان قیامت میں جمع ہوں گے۔ اول الذکر مطلب پر نفخ صور سے دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے اور مؤخر الذکر تقدیر پر نفخہ اوّل مراد ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک يَوْمَئِذٍ سے وہ دن مراد ہے جب دیوار بنائی گئی تھی اور تَرَكْنَا سے واقعہ کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ان کے نزدیک معنی یہ ہوں گے کہ جس روز دیوار بن گئی اور یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہو گیا تو وہ باہر آنے کے لئے ایک دوسرے پر گرتے ہوئے اژدہام کرتے رہ گئے۔ ہر شخص دیوار کی طرف آنے کے لئے دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ اس کے بعد نفخ فی الصور سے احوال قیامت کا بیان ہے۔ یہ مطلب کمزور ہے اور سیاق آیات کے خلاف ہے۔ اس سے آگے خدا تعالیٰ ان گروہوں کے احوال اُخروی بیان کرتا ہے۔ (۱) وہ گروہ جس کو قدرت کی نشانیاں خود دکھائی نہیں دیتیں، دلائل الوہیت کا ادراک اور احساس اپنی قوت فکریہ اور بصیرت سے نہیں کر سکتا۔ ہزاروں حوادث انقلابات اور عالم کون و فساد کے تغیرات اس کی نظروں کے سامنے آتے ہیں مگر اس کی آنکھوں پر پردے پڑے رہتے ہیں۔ اُس کو کائنات کے حرکت و سکون میں والہیہ

toobaafoundation.com

ہستا کی الوہیت و ربوبیت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ پھر فقط وہ آنکھوں ہی کا نابینا نہیں بلکہ غیب کا منادی اور توریت کا پکارنے والا اس کو پکار کر دعوت حق دیتا ہے تو اس کو آواز سنائی نہیں دیتی۔ اللہ کا پیام رساں سچائی کی طرف اس کو بلاتا ہے، مگر اس کے گوش میں سننے کی طاقت ہی نہیں۔ الشکے وہ مخصوص بندے جن کا سرمایۂ افتخار و اعزاز محض بندگی ہے اُن کی وہ پرستش کرتا ہے اور اُس خدائے واحد کو جو معبود کُل ہے چھوڑتا ہے اور خالق کے مقابلے میں مخلوق کو اپنا حامی سمجھتا ہے۔ اس گروہ کی سزا دوامی جہنم ہے۔ عذاب الٰہی سے کوئی اس کو بچا نہیں سکتا۔

(۲) دوسرا وہ گروہ ہے جو آیاتِ قدرت کو دل لگی کی چیز سمجھتا ہے، اللہ کے پیغمبروں کا مذاق اُڑاتا ہے (کاہن، شاعر، مجنون اور ساحر کہتا ہے) اپنے بزرگوں کے عقائد، اعمال و اقوال کو حق سمجھتا ہے۔ بظاہر صدقہ خیرات بھی دیتا ہے، غریبوں کی سرپرستی بھی کرتا ہے، لیکن تمام کارہائے خیر سے اس کا مقصود نیک نامی، شہرت، جاہ شخصی اور خاندانی وجاہت کی طلب ہوتی ہے۔ اس کا ایمان آخرت پر نہیں، اس لئے اس کو اخروی ثواب کی اُمید نہیں۔ جو کچھ ہے وہ دنیا ہے۔ دنیا ہی کے حصول کے لئے وہ سب کچھ کرتا ہے۔ اس گروہ کے تمام اعمالِ خیر بے سود ہیں۔ قیامت کے دن کسی نیکی کا اجر نہ ملے گا۔ جو نیکی لوجہ اللہ نہ ہو وہ نیکی نہیں بلکہ حصول دنیا کا ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا ایسی نیکی قابلِ قبول نہیں۔ قیامت کے دن تمام کیا کرایا برباد جائے گا اور دوامی جہنم سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے جو مصنوعات شرع پر ایمان رکھتا ہے۔ جن چیزوں کو ماننا شرعاً ضروری ہے اُن کو مانتا ہے۔ تعلیم رسولؐ کے موافق اس کے عقائد صحیح ہیں، ہر نیکی اور اچھائی پر اس کا عمل ہے۔ اس گروہ کی جزا جنت ہے۔ اس کا ثواب لازوال ہے۔ قیامت کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کو عیش ملتا رہے گا۔

تحلیل اجزاء اور تفسیری مطلب

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا یعنی حساب کے لئے سب کو جمع کیا جائے گا۔ اس مطلب کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ مفسر سراج نے کہا شاید یہ مطلب ہو کہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے تمام خلائق مرجائے گی۔ گوشت پوست رگ پٹھے ہڈیاں سب خاک ہو جائیں گی۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو از سرِ نو منتشر ذرات جمع ہو کر پیدائش ہوگی۔ گویا جمع سے مراد ہے منتشر اجزا کا جمع کر کے از سرِ نو پیدا کرنا۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یعنی کافروں کے سامنے دوزخ نمایاں ہوگی یا داخل ہونے سے پہلے اُس کی ہیبت اور ہول انگیزی کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے صحیح مسلم میں ابن مسعود کی مرفوع روایت ہے کہ دوزخ کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔

اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ۔ یہ کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کی علت کا دن ہے یعنی اللہ نے تمام کائنات میں قدرت کی جو نشانیاں پیدا کی ہیں اور خود انسان کے اندر وحدانیت کے جو شواہد موجود کئے ہیں۔ نیز قرآن پاک میں جو آیاتِ ہدایت مذکور ہیں ان سب کو سطحی نظر سے کفار دیکھتے تھے۔ غور و خوض کر کے اصل مغز تک نہیں پہنچے اور جب قدرت کا غیبی منادی اور حق کا داعی یعنی رسول اقدسؐ اور مومن مخلص ان کو حق کی دعوت دیتے تھے تو گوش ہوش سے نہیں سنتے تھے۔ غرض یہ کہ عقل و فہم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اسی بنا پر مجاہد نے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کا ترجمہ لَا يَعْقِلُوْنَ کیا ہے۔

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے مقابلے میں خاص بنانے کے لئے پرستش کرنا بالکل حماقت ہے۔ جب وہ بندے ہیں اور بندگی ہی ان کی عزت کا سبب ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ معبود ہونے پر راضی ہوں اور بالفرض اگر وہ راضی بھی ہوں تو اللہ کے مقابلے میں حمایت کیسے کر سکتے ہیں۔ عابد و معبود اور مخلوق و خالق کا مقابلہ کیسے ممکن ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا۔ ہر شخص کی مہمانی اس کے احوال کے مناسب ہوتی ہے۔ کافروں کے عقائد، اعمال، اقوال، غرض زندگی کا ہر کارنامہ چونکہ عذاب اور سزا کا موجب تھا، اس لئے ان کی جو ضیافت و مہمانی ہوگی وہ بھی اُنہی کے لائق ہوگی۔

بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۔ اہل کفر اپنے معبودوں کی عبادت میں کوشش کرتے ہیں، ان کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ اپنے مذہب کی طرفداری میں جان و مال صرف کرتے ہیں، حق کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اس کو فلاح اُخروی کا سبب جانتے ہیں، لیکن واقع میں ان

toobaafoundation.com

کی یہ تمام کوششیں بے سود ہیں۔ خلاف حق روپیہ صرف کرنا اور ہر قسم کی سعی کرنی موجب خسران ہے۔ باطنی نجاست کو دور کرنے سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کر کے گنگا اشنان کو جانا، مورتیوں کے سامنے جانی اور مالی بھینٹ چڑھانا، ہاتھ پاؤں خشک کر کے سادھو بن جانا کوئی کام سودمند نہیں۔ باطل رسوم اور بے بنیاد رواج پر کاربند ہونا اور اس کی پابندی کے لئے مصائب برداشت کرنا، دنیوی رسوم کو احکام الٰہی سمجھنا اور طاغوتی رواجوں کو عبادت جاننا بجائے مفید ہونے کے آخرت میں ضرر رساں ہوگا۔

ابن عباس اور سعد بن ابی وقاصؓ کا قول ہے کہ اَلْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ فتح البیان میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک تارک الدنیا راہب مراد ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان بزرگوں نے صرف تمثیل کے لئے یہود و نصاریٰ وغیرہ کا تذکرہ کیا۔ حصر مقصود نہیں، مجوسی ہوں یا ہندو، یہودی ہوں یا مسیحی، خوارج ہوں یا روافض کوئی فرقہ ہو بلکہ اہل سنت میں سے وہ لوگ جو رسوم و بدعات کو مستحب اور سنت سمجھتے ہیں سب کو آیت کا حکم شامل ہے۔ ہر شخص اور ہر فرقہ جو جہل مرکب میں مبتلا ہو، اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھتا ہو وہ فاسد الاعمال ہے۔

بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ۔ آیت کا لفظ عام ہے۔ حوادث و انقلابات زمانہ اور فصول کے تغیرات، اقوام و ممالک کا مدوجزر، سلطنتوں کا عروج و زوال قرآن پاک کی آیات، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات یہ تمام نشانہائے قدرت ہیں۔

وَلِقَآئِهٖ لقاء سے مراد ہے اللہ کے سامنے جانا، اس سے ملنا، حساب کے لئے پیش ہونا خواہ مجرمانہ حالت میں یا اعزاز و اکرام کے ساتھ ہو۔ بعض لوگوں نے لقاء سے دیدار مراد لیا ہے۔ اس تقدیر پر معتزلہ کے عقیدہ کی غلطی پر نص ہوگی جو دیدار الٰہی کو قیامت کے دن بھی محال جانتے ہیں۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ وزن قائم نہ ہونے سے مراد ذلت و حقارت ہے۔ یعنی کافروں کے اعمال بہت ہی حقیر و ذلیل ہوں گے اللہ کے نزدیک ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا۔ امام بخاری نے بروایت حضرت ابوہریرہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ بعض موٹے تازے لمبے چوڑے آدمیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا، مگر اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کی برابر بھی نہ ہوگا۔ حضورؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمانے کے بعد یہی آیت تلاوت فرمائی (وقدروا اقلم فی صحیحہ) بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن تو ہوگا، مگر ان کے اعمال میں ثقل نہ ہوگا۔ قیامت کے میزان عدل فقط اہل ایمان کے اعمال حسنہ و سیئہ معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوگی بلکہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا قیامت کے دن بعض لوگوں کے اعمال سامنے لائے جائیں گے جو حجاز کے پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری ہوں گے، مگر وزن کشی کے وقت ان کا کچھ وزن نہ ہوگا (کذا فی السراج)

جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ۔ ابن جریر نے کہا کہ مجاہد کے نزدیک فردوس رومی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی باغ کے ہیں۔ عکرمہ کے قول کے موافق حبشی زبان کا لفظ ہے۔ کعب، ضحاک اور سدی نے کہا فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس میں انگور کی بیلیں ہوں۔ حضرت ابو امامہ باہلی نے صرف جنت ترجمہ کیا ہے۔ قتادہ نے کہا وسط جنت کو فردوس کہتے ہیں۔ بہرحال فردوس کا لفظ رومی ہو یا حبشی نزول قرآن کے وقت عربی میں مستعمل تھا اور اہل بلاغت اس کو استعمال کرتے تھے۔ گویا منتقل یا معرب بن گیا تھا۔

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ یعنی اہل جنت کا وہاں عیش و آرام دیکھ کر ایسے مانوس ہو جائیں گے کہ تبدیل حالت کی ان کی خواہش ہی نہ ہوگی۔ آدمی کی طبعی خاصیت ہے کہ دوامی آسائش سے بھی گھبرا جاتا ہے۔ لذیذ کھانا، بیش بہا لباس اور راحت بخش مسکن سے بھی تیری طبیعت کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے تغیر کا خواستگار ہو جاتا ہے۔ مگر اہل جنت کی یہ حالت نہ ہوگی وہ اسی حالت میں ہمیشہ خوش رہیں گے۔

مقصود بیان

قیامت کا منظر بہت ہولناک ہوگا۔ جن و انس باہم گڈمڈ اور مخلوط ہوں گے۔ کسی کو کسی کا خیال نہ ہوگا۔ صور پھونکنے کے ساتھ ہی منتشر ذرات جمع ہو کر تخلیق ثانی ہو جائے گی۔ تخلیق جہنم اصل میں کافروں کے لئے ہوتی ہے (اگرچہ عارضی مدت کے لئے اس میں گنہگار مسلمان بھی داخل ہوں گے) چشم بینا اور گوش ہوش علم کے ذرائع ہیں۔ جب یہ دونوں ذرائع معطل ہو جاتے ہیں تو دل سے نور ادراک زائل ہو جاتا ہے اور آدمی ایقان و ایمان سے محروم رہ جاتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو حاجت روا، دیوتا اور معبود بنانا شرک ہے۔ جہل مرکب بری بلا ہے۔ بری بات کو اچھا جان کر کرنا سخت ترین جرم ہے۔ ریاکاری، جاہ طلبی، شہرت پسندی اور تحصیل وجاہت کے لئے نیک کام کرنا مفید نہ ہوگا۔

toobaafoundation.com

سب کیا کرایا برباد ہو جائے گا۔ اللہ کے سامنے جانا اور اس سے ملنا حق ہے۔ احکامِ شریعت اور انبیاء کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ جنت کی نعمتوں سے کبھی نفرت پیدا نہ ہوگی۔ فردوس کسی ایک جنت کا نام نہیں بلکہ مختلف باغات کے مجموعہ کا نام ہے۔

خلاصہ یہ کہ کفر و شرک سے ترہیب، دوزخ کی ہولناکی کی تصویر کشی کا آیات مذکورہ میں اظہار کیا گیا ہے اور آخر میں نیکو کار و اطاعت شعار اہلِ ایمان کی جزائے خیر کا بیان ہے وغیرہ۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ

(اے نبی) کہہ دو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کو سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے قبل سمندر ختم

رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ

ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کی مثل ہم ایک سمندر اور زیادہ کر دیں کہہ دو کہ میں تو تمہاری طرح صرف انسان ہی ہوں (ہاں) میرے پاس وحی کی گئی ہے

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

کہ تمہارا رب معبود یکتا معبود ہے لہٰذا جو شخص اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھتا ہو وہ نیک کام کرے

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝ ع

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے

تفسیر جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ روح کی حقیقت کامل طور پر رسول پاک نے ظاہر نہیں کی اور آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا میں صراحت کر دی گئی کہ تم کو علم کا تھوڑا حصہ ملا ہے تو یہودی کہنے لگے وہ ہمیں توریت ملی ہے جس کے اندر ہر چیز کا بیان و صراحت کے ساتھ ہے۔ جب ہم کو توریت مل گئی تو ہر چیز کا علم مل گیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (معالم) اللہ کی صفات تین قسم کی ہیں۔ صفات ذاتیہ، صفات فعلیہ اضافیہ، صفات فعلیہ غیر اضافیہ۔ صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ غیر اضافیہ کا سمجھنا اور ان کی حقیقت کا ادراک کرنا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ اللہ کا وجود، اس کی حیات، علم، حکمت، بقا وغیرہ کا کون کا حقہ ادراک کر سکتا ہے۔ جو مفہوم انسان کے دماغ میں آتا ہے وہ محدود ہے۔ متناہی ہے حادث ہے محصور ہے اور صفات الٰہیہ غیر محصور غیر محدود غیر متناہی اور قدیم ہیں۔ رہے اوصاف فعلیہ اضافیہ تو یہ وہی صفات ہیں جن کو نعمات کہا جاتا ہے۔ یہی فیضانِ الٰہی ہے جس کے دامن سے عالم خلق و امر کا ذرہ ذرہ وابستہ ہے۔ معانی ہوں یا اعیان، حقائق ہوں یا ارواح سب فیضانِ ازلی کے منت کش ہیں ایک ایک ذرہ پر جو احسان الٰہی ہے اس کو کون شمار کر سکتا ہے۔ کس میں طاقت ہے کہ قلبی الہام، اندرونی خطاب اور باطنی انعام کا احاطہ کر سکے۔ اگر بالفرض کل سمندروں کو روشنائی بنا لی جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ چند در چند حصے پانی کو روشنائی کی شکل میں تبدیل کر کے اس سے اللہ کے احسانات انعامات، آیات قدرت اور نشانہائے ربوبیت کو لکھا جائے تو سمندر خشک ہو جائیں، کل پانی ختم ہو جائے، مگر کلمات الٰہیہ کے بحر ناپید کنار کی انتہا نہ ملے۔ آخر سمندر بھی اسی کے فیض کے مرہونِ منت ہیں۔ ہر قطرہ کا وجود بقا، تغیر، انقلاب ہیئت، رنگ، کیفیت، مزہ، بو وغیرہ صنعت قدرت کی کرشمہ سازی اور صناعی کا آئینہ دار ہے۔ پھر کون سا دریا ایسا ہو سکتا ہے جس کی روشنائی سے اس کی ہستی اور اجزائے ہستی کے انعامات کو لکھا جائے۔ دوسری کائنات کا احاطہ تو بجائے خود رہا۔ سچ فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

toobaafoundation.com

مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ .... اسی مضمون کو لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىۡ ..... الخ تک فرمایا ہے۔ اس سے آگے نبوت کی حقیقت، توحید الوہیت کی ماہیت اور عدم شرک فی العبادت کی وضاحت فرمائی ہے۔ ہم تفصیل کے ساتھ توضیح کرتے ہیں۔

رسول پاکؐ نے ہدایت عامہ کے لئے قرآن مجید پیش کیا۔ قرآن کامل کا مقصد صرف ایک ہے۔ یعنی عقائد و اعمال کی اصلاح اور سعادت دارین کا حصول، مگر ایک مقصد کو تنوع بیان کے اعتبار سے تین شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے ان ضوابط عامہ اور قواعد کلیہ کا بیان جن پر کاربند ہو کر آدمی فائز المرام ہو سکتا ہے اور جن کی تکمیل کے بغیر نجاتِ ابدی ناممکن ہے۔ اس کے ذیل میں مبدء و معاد، اللہ کی صفات و ذات، ملائکہ، انبیاء اور کتب سماویہ کے متعلق تفصیل ایمان معاشرت، مدنیت، اخلاق، سیاست وغیرہ کے کلیات پر عمل اور تمام عبادات و معاملات داخل ہیں۔ یہ کلیات و اصول وہ ہیں جو ازل سے ابد تک ہر قوم، ہر ملک اور ہر شخص کے لئے یکساں مفید ہیں۔ بادشاہ ہو یا فقیر، عالم ہو یا جاہل، وحشی بربری حیوان ہو یا مہذب انسان، جنگلی ہو یا شہری، بدوی ہو یا حضری کوئی ان اصول کی فرضیت سے مستثنیٰ نہیں اور ان قواعد کی اصلاحی حیثیت اور افادی حقیقت سب کے لئے ایک طرح کی ہے۔ ذکی الدماغ حکماء اور فلاسفروں کے قائم کئے ہوئے قوانین اصلاح بدل جائیں، جمہوریتوں اور جمہوریوں کے نافذ کئے ہوئے اصول و فیصلے ٹل جائیں، سلطنتوں اور حکومتوں کے ضوابط غیر مفید اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے منسوخ کر دیئے جائیں، مگر یہ قوانین الٰہیہ ناقابلِ نسخ اور ناقابلِ ترمیم ہیں۔ سطح زمین پر رہنے والے ازل سے ابد تک ان میں تغیر نہیں پیدا کر سکتے۔ آسمانی اور فضائی مخلوق ان کی تنسیخ نہیں کر سکتی، اس لئے کہ یہ انسانی دماغ کی اختراع نہیں۔ جمہوری مشوروں کے ممنونِ کرم نہیں۔ فلاسفروں کے غور و خوض اور ریفارمروں کے تاملِ ذہنی کا نتیجہ نہیں۔

(۲) قرآن نے اُن واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو دنیا کی تاریخ میں معمے بنے ہوئے تھے۔ نسلِ انسانی میں ان کی تحقیقات کی بدولت پھوٹ پڑ گئی تھی، ہر گروہ جدا انکشاف کا مدعی تھا اور ہر مورخ اپنی تنقیح کو صحیح سمجھے بیٹھا تھا۔ مثلاً ذوالقرنین کا قصہ، اصحاب کہف کا واقعہ، اقوامِ بائدہ کی تفصیل حالت، فراعنۂ مصر اور نمارودۂ بابل کی سرگذشت وغیرہ۔ قرآن نے جتنا تحقیقی مادہ پیش کیا، اہل نظر انتہائی تحقیق کے بعد بالاتفاق اُسی نتیجہ پر پہنچے۔ کہیں سرمو تفاوت نظر نہیں آتا۔ بعض وہ اسرار تھے جن کو بلا شرکت غیرے جاننے کے مدعی اہلِ کتاب تھے۔ قرآن نے ان پر بھی بصیرت افروز روشنی ڈالی اور کما حقہٗ ان کا انکشاف کیا۔

(۳) نزولِ قرآن کے بعد سے قیامت تک جو واقعات پیش ہونے والے تھے ان میں سے بہتوں کے متعلق قرآن نے قبل از وقت اطلاع کر دی۔ واقعات اور پیشین گوئیوں میں بعض کا ظہور حضور اقدسؐ کے زمانے میں ہو گیا۔ بعض کا وقوع بعد میں ہوا۔ بعض کا انتظار ہے جو یقینی ظہور پذیر ہوں گے۔

روشن نظر رکھنے والے جب قرآن کے ان تینوں مباحث پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں اور پھر اس بات پر بھی غور کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو پیش کرنے والے حضور اقدسؐ ہیں جو رسمی تعلیم و تعلم سے ناآشنا، رواجی نوشت و خواند سے بے بہرہ اور علمائے عالم کی صحبت سے بے نیاز تھے تو اُن کو حضور اقدسؐ کی ذات میں الوہیت کا پرتو نظر آتا ہے۔ وہ آئینۂ نبوت کو نورِ الٰہی کا جلوہ کش نہیں سمجھتے بلکہ الوہیت کا مظہر حلول قرار دینے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ اس گمراہی کے غار میں گر بھی پڑے۔ کچھ مبالغہ و افراط کے جال میں گرفتار ہو گئے (حالانکہ اسی گمراہی کی بیخ کنی کرنے کے لئے اسلام آیا تھا) اس لئے قرآن پاک نے صاف اعلان کر دیا کہ رسول پاکؐ انسانی کدورت سے پاک نہیں۔ کھانا، پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، نکاح کرنا، صاحبِ اولاد ہونا، لباس پہننا بہرحال مادہ اور مادیات کا جو اقتضا ہے اُس سے رسول اقدسؐ منزہ نہیں۔ خواص بشری ان کے اندر بھی وہی موجود ہیں جو دوسرے انسانوں میں ہیں۔ ہاں ان کو ایک مخصوص امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ دوسروں کے پاس اللہ کی طرف سے تبلیغ وحی نہیں آتی اور رسول اللہ کے پاس وحی آتی ہے، علمی طریق پر آتی ہیں اور یہ پیام موصول ہوتا ہے کہ اللہ الوہیت و معبودیت میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ خلوص کے ساتھ لوجہ اللہ اچھے کام کرنا قربِ الٰہی تک پہنچاتا ہے۔ شرک فی العبادت حرام ہے۔ پس یہ امتیاز ہے

toobaafoundation.com

رسول اقدسؐ اور دوسرے انسانوں میں اور یہ خصوصی شرف ہے جو حضور ہی کو حاصل تھا۔ گویا آئینۂ نبوت نورِ الٰہی کا جلوہ کش اور مخلوق پرتو انداز ہے۔ یہی وہ درمیانی زینہ ہے جس کے بغیر قرب الٰہی کی سطح تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جندب بن زہیر عامری نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں عمل تو لوجہ اللہ کرتا ہوں، لیکن کسی کو اس کی اطلاع ہوتی ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں کوئی دوسرا شریک ہو جائے۔ اسی وقت حضورؐ کے قول کی تصدیق میں فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا سے اختتام سورۃ تک آیۃ نازل ہوئی۔

تحلیل اجزاء

طبرانی نے بروایت معاویہ بن ابوسفیان بیان کیا ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ الخ۔ بظاہر یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ سب سے آخری آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ الخ ہے، اس لئے راوی کا مطلب یا یہ ہے کہ سورۂ کہف میں سب سے آخری آیت یہی ہے یا یہ مراد ہے کہ اعلانِ نبوت کے متعلق یہ سب سے آخری آیت ہے۔

آیت مذکورہ میں مماثلت و مشابہت انسانی مراد ہے۔ حوائج ضروریہ اور ضروریات بشریہ میں مساوات ظاہر کرنی مقصود ہے اور الوہیت کے شبہ کو رفع کرنا غرض ہے۔ اس سے کمالات نبوت کی نفی اور حضور پاکؐ کی عظمت شان کا سلب لازم نہیں آتا نہ اور کسی قسم کی تنقیص و توہین مترشح ہوتی ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا۔ رجاء کے دو معنی ہیں۔ خوف اور امید۔ آیت میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے عذاب کا خوف اور رحمت کی امید جس شخص کو ہوگی وہ لوجہ اللہ عمل صالح کرے گا۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ اس میں صرف شرک ہی کی نفی نہیں بلکہ ریاکاری کی بھی ہے۔ کیونکہ ریاکار جب غیر کے دکھانے اور سنانے کو عبادت کرتا ہے تو گویا اس نے غیر اللہ کی یا غیر اللہ کے لئے عبادت کی اور غیر خدا کو شریک فی العبادت کیا۔ یہی شرک خفی ہے۔

ابوسعید بن ابی فضالہ صحابی راوی ہیں کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا جب قیامت کے دن اللہ اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا تو ندا ہوگی کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسا عمل جو محض اللہ کے لئے ہونا چاہیئے کسی اور کو شریک کر کے کیا ہو تو اس عمل کا ثواب بھی وہ اسی غیر سے طلب کر لے۔ اللہ شرکاء سے بے نیاز ہے۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، مگر اس کو مال کا لالچ ہوتا ہے۔ فرمایا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ لوگوں پر یہ حکم شاق گزرا۔ واپس آکر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضورؐ نے پھر وہی قول فرمایا (رواہ البیہقی الحاکم وصححہ)

حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دکھانے کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھانے کی نیت سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھانے کی نیت سے خیرات کی اس نے شرک کیا۔ پھر حضورؐ نے آیت مذکورہ پڑھی (رواہ احمد والطبرانی والحاکم والبیہقی)

شداد بن اوس کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے نزدیک دجال سے زیادہ خوفناک شرک خفی ہے وہ یہ کہ کسی (کو دکھانے) کے لئے آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہو (رواہ احمد الحاکم وصححہ والبیہقی)

عبداللہ بن قیس خزاعی کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دکھانے اور سنانے کو (نماز میں) کھڑا ہو وہ اس وقت تک غضب الٰہی میں رہتا ہے جب تک بیٹھ نہ جائے یعنی دکھاوٹ کی نماز موجب رحمت ہونے کی بجائے باعث غضب ہے (رواہ ابن کثیر)

الحاصل آیت میں شرک جلی اور شرک خفی دونوں کی ممانعت ہے۔ احادیث میں ریاکاری کو شرک خفی کہا گیا ہے۔

مقصودِ بیان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی صراحت اور درپردہ آپ کی الوہیت کی نفی۔ حضورؐ کی خصوصی عظمت شان کا بیان۔

toobaafoundation.com

شرک جلی اور شرک خفی کی پرزور ممانعت، غیر خدا کے لئے عبادت کرنے سے باز داشت۔ الغرض توحید، نبوت اور عدم شرک کے مضامین پر سورت کا اختتام

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ مریم مکہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

اس سورت کے آغاز کے قریب ہی حضرت عیسیٰ کی ولادت اور حضرت مریم کے واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس لئے اس کا نام مریم رکھا گیا۔
اس سورت میں سات سو باسٹھ کلمات اور تین ہزار آٹھ سو دو یا تین ہزار نو سو چھیاسی حروف ہیں اور اٹھانوے آیات ہیں۔
ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روایات سے ثابت ہے کہ پوری سورت مکی ہے۔ بیضاوی نے آیت سجدہ کو مدنی قرار دیا ہے۔ شیخ جلال محلی نے آیت سجدہ کے ساتھ آیت فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ تک کو بھی مدنی کہا ہے۔
حضرت مریم کا (بقول ابن کثیر) قرآن میں تینتیس جگہ نام آیا ہے۔ سوائے مریم کے اور کسی عورت کا نام قرآن میں نہیں آیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اس سورت میں چند انبیاء اور صلحاء کا تذکرہ ہے جس کو پڑھنے سے غیب لامحدود قدرت کی ہمہ گیریاں اور کرشمہ سازیاں معلوم ہوتی ہیں۔ نیک لوگوں پر عنایت و نوازش اور بدشعاروں پر نزول عذاب کی کیفیت معلوم ہو کر ایمان و عمل صالح کی رغبت اور کفر و عصیاں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝

یہ تذکرہ ہے تمہارے پروردگار کی مہربانی کرنے کا اپنے بندے زکریا پر جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ

بولا اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور پڑ گئیں اور سر بڑھاپے سے سفید ہو گیا اور اے میرے رب میں تجھ سے مانگنے میں

رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ

کبھی محروم نہیں رہا مجھے اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کا اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے لہٰذا تو اپنی طرف

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

سے ایک ولی عطا فرما جو میرا اور خاندان یعقوب کا وارث ہو اور اے پروردگار! اس کو پسندیدہ بنا

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ

اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی نہیں پیدا کیا زکریا نے کہا

toobaafoundation.com

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ

اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے میری بیوی تو بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں (فرشتہ نے کہا) ایسا ہی ہوگا

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَل

تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ کام ہم پر آسان ہے میں نے اس سے پہلے بھی تو پیدا کیا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا زکریا نے کہا پروردگار میرے

لِّي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ

لئے کوئی علامت مقرر کر دے فرمایا تیری علامت یہ ہے کہ تین رات و دن بھلے چنگے ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہ کر سکے گا اس کے بعد حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے

الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝

پاس آیا اور اشارہ سے اُن سے کہہ دیا کہ صبح و شام اُس کی پاکی بیان کیے جاؤ

تفسیر حضرت زکریا ابن آذربن مسلم ایک اسرائیلی نبی تھے۔ نجاری کا پیشہ کیا کرتے تھے۔ اپنے زمانے میں تمام بنی اسرائیل کے پیشوا اور بیت المقدس کے متولی تھے۔ آپ کے زمانے میں یہودی برسرِ حکومت نہ تھے بلکہ سلطنت روم کے محکوم تھے۔ حکومت روم کی طرف سے ایک گورنر یروشلم میں رہتا جس کا خاندانی لقب ہیرودوس تھا۔ ہیرودوس کے زمانے میں ہی بیت المقدس کی از سرِ نو تعمیر ہوئی تھی۔ حضرت زکریا کی بیوی کا نام الیبات تھا۔ بعض مفسرین نے اشاع بنت فاقوذ بن ہیل لکھا ہے۔ اشاع حضرت مریم کی والدہ حنہ کی بہن تھی۔ اس صورت میں حضرت یحییٰ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی ہوئے۔ مگر قتیبی نے ذکر کیا ہے کہ اشاع عمران کی بیٹی تھی اور مریم کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ خالہ زاد بھائی ہوئے۔ یہی صحیح بھی ہے۔ صحیح حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زکریا کی عمر جب ١٢٠ سال کی ہوگئی تو لاولد ہونے کی وجہ سے آپ کو اندیشہ ہوا کہ قوم کی حالت ویسی ہی ابتر ہو رہی ہے۔ بڑی مشکل سے کچھ تنظیم ہوچلی ہے میرے بعد قوم کا کیا حال ہوگا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں میں کسی کے اندر امامت کی صلاحیت نہیں۔ اگر کوئی خود غرض دنیا پرست امام ہوگیا تو اسرائیلیوں کی حالت اور تباہ ہوجائے گی۔ انتہائی فکر کے بعد جب عالم اسباب میں کوئی ساز و سامان درست ہونے کی اُمید نہ رہی تو ایک رات کو بارگاہِ الٰہی میں مناجات و دعا کی اور کل دنیا سے الگ ہو کر پروردگار سے عرض کیا کہ الٰہی کبھی تو نے مجھے محروم نہیں کیا میری التجا کو پورا کیا، پروردگار اب میں بوڑھا ہوگیا، سر سفید ہوگیا، قوت نے جواب دے دیا۔ مجھے اعزاء و اقارب کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ انتظام ملت درست نہ رکھ سکیں گے۔ میرے کوئی اولاد نہیں اور ظاہری حالت دیکھتے ہوئے اولاد کی اُمید نہیں۔ بیوی بانجھ ہے۔ میں بوڑھا ہوں۔ تو اپنے کرم سے مجھے ایک فرزند عطا فرما جو میری امامت و نبوت کا وارث ہو اور نسل یعقوب سے سلسلۂ علم منقطع نہ ہو۔ فرشتہ نے اللہ کی طرف سے بشارت دی کہ تمہاری دعا قبول ہوئی۔ خدا تعالیٰ تم کو ایک فرزند عطا کرے گا۔ حضرت زکریا کو فرزند کی بشارت سن کر تعجب ہوا کہ خدایا نے میں جوان ہوجاؤں گا یا دوسرا نکاح کرنے کا حکم ہوگا یا بلا توسط اولاد بوڑھے باپ اور ناقابل حمل ماں کے بطن سے بچہ پیدا ہوگا؟ جواب ملا تعجب کی کوئی بات نہیں تغیر کچھ نہ کیا جائے گا یونہی بچہ پیدا ہوگا۔ نیست سے ہست کرنے کی مثال ہوچکی ہے۔ تم خود پہلے معدوم تھے۔ خدا نے تم کو بنایا۔ خالق اسباب کو بلا سبب کسی شے کا موجود کرنا کون مشکل کام ہے۔ حضرت زکریا نے استقرار حمل کی علامت دریافت کی۔ فرشتہ نے بحکمِ الٰہی جواب دیا۔ علامت یہ ہے کہ تم تین شبانہ روز کسی سے بات نہ کر سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چونکہ نماز کی امامت حضرت زکریا کرتے تھے، اس لئے جب قوم والے نماز کے لئے جمع ہوئے اپنے عبادت خانہ سے برآمد ہوئے۔ طاقت گویائی نہ تھی۔ اشارہ سے کہا تم لوگ صبح شام نمازیں پڑھے جاؤ

toobaafoundation.com

میرا انتظار کرو۔ غرض لونڈت میں گزرنے کے بعد یحییٰ پیدا ہوئے۔ جن کو بچپن ہی سے دانائی، رقت قلب، طہارت نفس، پرہیزگاری، والدین کی فرماں پذیری اور نیکوکاری عطا کی گئی تھی۔

تحلیل اجزاء

کٓھٰیٰعٓصٓ۔ تمام حروف مقطعات متشابہات میں داخل ہیں۔ جن کا منشا اور اصل مفہوم سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں تفسیری احتمالات علماء نے بیان کئے ہیں۔ کٓھٰیٰعٓصٓ کے متعلق ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کاف سے کبیرہ سے ہادی۔ الف سے امین عین سے عزیز اور صاد سے صادق کی طرف اشارہ ہے۔ ابن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ کا قول ہے کہ ہجاء ہیں اور ہر حروف سے ایک اسم کی طرف اشارہ ہے۔ کاف سے ملک۔ ہا سے اللہ۔ عین و یا سے عزیز اور صاد سے مصور مراد ہے۔ گویا کہیعص کا مجموعہ ہوا

ام ہانی کی روایت ہے کہ کہیعص کافی، ہادی، عالم، صادق کا مخفف ہے۔ ایک روایت میں ابن عباس کا قول ہے کہ تمام حروف مقطعات اسمائے الٰہی ہیں۔ قتادہ کا قول ہے اسمائے قرآن ہیں۔ کلبی نے کہا یہ اللہ کی ثنا ہے۔ اُم المؤمنین صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ متشابہات کے پیچھے پڑنے والے کو سزا دی گئی تھی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم بھی جلالین اور سراج کا اتباع کرتے ہوئے کہہ دیں کہ اللہ اعلم بمراد ہٖ۔

وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ۔ اعضاء و اجزائے انسانی میں ہڈیاں سب سے مضبوط اور سخت ہیں۔ انتہائی کمزوری یہی ہوسکتی ہے کہ ہڈیاں بھی کمزور پڑجائیں۔ عضلات، شرائین، وریدیں، اوتار اعصاب کا ضعف تو عام طور پر ہوجاتا ہے، مگر آخری عمر میں انتہائی کمزوری کے وقت ہڈیاں بھی کمزور ہوجاتی ہیں۔ حضرت زکریا کا اپنی جیش از بیش کمزوری کا اظہار کرنا مقصود تھا، اس لئے ہڈیوں کا ضعف ظاہر کیا۔

خِفْتُ الْمَوَالِيَ۔ موالی سے مراد عام اعزا و اقارب اور رشتہ دار ہیں۔ خواہ عصبات ہوں یا ذوی الفروض یا ذوی الارحام۔ حضرت زکریا کو اندیشہ تھا کہ میرے بعد قوم کی حالت تباہ ہوجائے گی۔ تمام خاندان میں سے کسی میں امامت کی قابلیت نہیں۔ خود غرضی اور خود پرستی کی وجہ سے کوئی قوم کی اصلاح نہ کرسکے گا۔

يَرِثُنِيْ۔ میراث سے مراد مالی میراث نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ زکریا نبی تھے اور کسی نبی کے لئے آئندہ مال کی فکر کرنا سزاوار نہیں۔ کوئی پیغمبر مالی میراث کا اہتمام نہیں کرسکتا۔ پھر مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کا لفظ تو صاف دلالت کرتا ہے کہ میراث سے مراد امامت و نبوت ہے کیونکہ ان الفاظ سے اس وعدہ کو ظاہر کرنا مقصود تھا جو خدا تعالیٰ نے کیا تھا کہ ہم اپنی نعمت (نبوت) کامل طور پر اولادِ یعقوب کو دیں گے۔

اِسْمُهٗ يَحْيٰى۔ یحییٰ عربی نام ہے اصلی نام یوحنا ہے یا بالعکس۔

مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ یعنی بنی اسرائیل میں اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں ہوا۔ یہ قول قتادہ، ابن جریج اور ابن زید کا ہے۔ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن کثیر نے بروایت مجاہد و علی بن ابی طلحہ ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ سمیّ سے مراد ہم نام نہیں بلکہ مثل اور مشابہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یحییٰ کی طرح اس سے پہلے کسی کو نہیں پیدا کیا۔ اگرچہ یحییٰ سے پہلے بڑے جلیل القدر انبیاء گزر چکے ہیں، مگر اس شان سے مایوس الولد ماں باپ سے پیدا ہونا اور بچپن ہی سے حلیم، طاہر النفس، متقی، نیکوکار اور باورع ہونا ان صفات کا مجموعہ کوئی نبی نہیں گزرا۔ مرتبہ کی عظمت دوسری چیز ہے اور مخصوص احوال کا مجموعہ ہونا علیحدہ بات ہے۔

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ۔ حضرت زکریا کو قدرتِ الٰہی میں کوئی شک نہ تھا وہ الٰہی طاقت کی ہمہ گیری پر حق الیقین رکھتے تھے۔ تعجب تھا تو نوعیت ولادت سے تھا کہ خدا جانے لڑکا کس طرح ہوگا۔ میں شیخ فانی، میری بیوی مایوس الولد ناقابل حمل۔ معلوم نہیں میں دوبارہ جوان بنایا جاؤں گا اور میری بیوی عقیم نہ رہے گی یا دوسرا نکاح کرنے کا حکم ہوگا یا یونہی بغیر قربت نفس اور تعلقات ازدواجی کے لڑکا ہوجائے گا۔

قَالَ كَذٰلِكَ۔ یہ فرشتہ کا قول ہے۔

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسائل و اسباب پر عمل کرنا مقتضائے عبودیت ہے لیکن جہاں بغیر ظاہری اسباب کے کسی چیز کے حصول کا حکم ہو وہاں انکار کرنا جہالت ہے۔

toobaafoundation.com

رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً۔ حضرت زکریا نے یا تو استقرار حمل کی نشانی کی درخواست کی تھی جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یا مزید اطمینانِ قلب کے لئے یہ التجا کی تھی۔

اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے حضرت یحییٰ چھ ماہ بڑے تھے۔

ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، وہب، سدی، زید بن اسلم وغیرہ نے کہا کہ زکریا تین شبانہ روز بغیر کسی مرض کے بات نہ کر سکے۔ البتہ نماز اور تسبیح وغیرہ پڑھتے رہے۔ دعا و استغفار سے ان کی زبان گونگی نہ تھی۔

مِنَ الْمِحْرَابِ۔ محراب سے مراد مسجد ہے۔ بنی اسرائیل صرف مساجد میں نماز پڑھ سکتے تھے اور جگہ نماز پڑھنی جائز نہ تھی۔

فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ۔ یعنی اشارہ کر دیا (وہب و قتادہ) یا زمین پر لکھ دیا۔ یہ قول مجاہد و سدی کا ہے۔

مقصودِ بیان

نیک بخت خوش اعمال مومن لڑکا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اللہ کا خاص بندہ ہوتا ہے اور اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی کارسازی خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔ نِدَآءً خَفِیًّا کے لفظ سے یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ حاضر ناظر ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ بندہ کو چاہیئے کہ انتہائی سچے دل سے زاری اور عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرے۔ وَهَنَ الْعَظْمُ الخ سے یہ تلقین کرنی مقصود ہے کہ دعا کے وقت سب سے پہلے بندہ پر لازم ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔ پھر اپنی کمزوری، بے بسی، اسباب کا منقطع ہو جانا اور ظاہری ساز و سامان کا مفقود ہونا ظاہر کرے۔ آخر میں اپنا مطلب کہے۔ خِفْتُ الْمَوَالِیَ سے یہ امر ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ احکام الٰہی کی شکست، گناہ کی اشاعت، شریعت کی نافرمانی اور فسادِ عالم کا خوف ہو تو اگرچہ تدبیر کرنی ضروری ہے مگر اللہ سے دعا کرنی لازم ہے۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا۔ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ سے اولاد کی تمنا کی جائے تو اولاد صالح کی کی جائے۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ سے اس طرف ایماء ہے کہ اللہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری ضرور فرماتا ہے۔ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ انبیاء کی ظاہری نظر بھی قدرت کے پیدا کئے ہوئے اسباب پر ہوتی ہے اور نظامِ فطرت کی کڑیاں وہ بھی ایک دوسرے سے وابستہ جانتے ہیں۔ اگرچہ مؤثر حقیقی وہ سوائے اللہ کے کسی کو نہیں جانتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آدمی کو اسباب کا فراہم کرنا اور قدرت کے فراہم کئے ساز و سامان کو درست کرنے کی کوشش کرنا ضرور چاہیئے، لیکن اس کے باوجود اسباب پر تکیہ اور بھروسہ کرنا جائز نہیں ہے۔ وَقَدْ خَلَقْتُكَ سے یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ خدا اسباب کا محتاج نہیں نہ اسباب مؤثر ہیں نہ خدا مجبور ہے۔ وہ ان ظاہری اسباب کے علاوہ بھی باطنی اسباب پیدا کر کے کارسازی کر سکتا ہے۔ اسباب اس کی مشیت کے تابع ہیں مشیت اسباب کی پابند نہیں۔ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ یہ ہدایت کرنی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آدمی کو وعظ و نصیحت اور اصلاح خلق کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر ہاتھ پاؤں سے ممکن نہ ہو تو زبان سے کرے اور زبان سے ممکن نہ ہو تو تحریر یا اشارات سے ہی کرے۔

پوری آیات کا اجمالی مقصود ہے کہ جب ظاہری اسباب مفقود ہو جائیں، کوئی سہارا نہ رہے، ہر طرف سے اُمید منقطع ہو جائے، کوئی کارساز اور سرپرست نظر نہ آئے تب بھی آدمی کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ وہ کارساز حقیقی ہے اس سے زاری اور عاجزی کے ساتھ اگر سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال رد نہیں کرتا، مگر نیت بخیر ہونی ضروری ہے۔

نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دعا کرنی بے سود ہے وغیرہ۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ					
اے یحییٰ	کتاب کو	مضبوطی سے	پکڑ لے	لڑکپن ہی سے	یحییٰ کو ہم نے دانائی
وَكَانَ تَقِیًّا ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ					
اور وہ پرہیزگار	اور اپنے والدین	کا فرمانبردار تھا	سرکش	نافرمان	نہ تھا

toobaafoundation.com

ع ۵

وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ع

اور مرنے کے دن اور اس دن جبکہ زندہ کرکے اس کو اٹھایا جائے گا

تفسیر خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ عاقلہ اور عاملہ۔ ہر قوت کی شاخیں احاطۂ شمار سے خارج ہیں، لیکن آل سب کا خیر و شر کی طرف ہوتا ہے۔ علم خیر اور علم شر، عملی خیر اور عملی شر۔ خدا تعالیٰ کے جو خاص بندے ہیں ان کی علمی اور عملی قوتیں خیر کی جانب متوجہ ہوتی ہیں اور بدکردار اشرار کی تمام طاقتیں شر کی طرف راغب رہتی ہیں۔ حضرت یحییٰ ذی وقار انبیاء میں سے تھے، اس لئے آپ کی علمیہ و عملیہ قوتیں شر سے خالی اور خیر سے معمور تھیں۔ آیاتِ مذکورہ میں خدا تعالیٰ نے آپ کے چھ صفات بیان فرمائے۔ ایک کا تعلق قوت علمیہ سے ہے اور پانچ کا تعلق قوت عملیہ سے ہے۔ جب انسان کی عقل شہوانی اور غضبی قوتوں سے مغلوب نہ ہو بلکہ سب پر حاکم ہو اور عقائد صحیح ہوں، افکار و خیالات درست ہوں، شیطانی علوم دماغ پر مسلط نہ ہوں، تمام نفسانی وسوسوں اور اوہام سے ذہن پاک ہو تو ایسا شخص صاحبِ حکمت کہلاتا ہے۔ اللہ نے ایامِ طفولیت ہی سے حضرت یحییٰ کو صاحبِ حکمت بنایا تھا۔ آپ کی دانش و فکر روشن تھی، بے ہودہ اور لغو اوہام سے پاک تھی، عقائد صحیح تھے، حق و باطل میں امتیاز کرنے کی واضح قوت تھی اور اللہ کے اوامر و نواہی (توریت وغیرہ) کا کماحقہ علم آپ کو تھا۔ اس وصف کو خدا تعالیٰ نے وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ میں بیان فرمایا۔ جب انسانوں کی قوت غضبی حدِ اعتدال سے آگے بڑھ جاتی ہے تو خود پنداری، رعونتِ نفس اور غرور و تکبر پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنی مثل کسی کو نہیں جانتا۔ اس کا نفس طاغوتی کل دنیا کو اپنے مقابلے میں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے، جا و بیجا ظلم کرتا ہے، عام مخلوق خدا پر جور و ستم کرتا اور کسی کا اپنے نفس پر کوئی حق نہیں جانتا ہے۔ جن لوگوں میں یہ شیطانی خصلت بہت ہی قوی ہو جاتی ہے تو وہ والدین کا حق بھی ادا نہیں کرتے۔ ان کو بھی پائے استحقار سے ٹھکراتے ہیں؛ ان کے ساتھ نیکی کی جگہ بدی اور حسنِ سلوک کی بجائے ظلم و تعدی کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر آدمی آدمی نہیں رہتا۔ مالک کے فطری قوانین سے بھی سرکشی کرتا ہے۔ اللہ کے کسی حکم کو نہیں مانتا۔ اس کے نزدیک خدا کی ہستی یا تو موہومی چیز ہوتی ہے یا موجود بھی جانتا ہے تو خدا کو اپنے سے کمزور اور بے بس، اس کی خودی خودی کے درجہ سے بڑھ کر خدائی کی مدعی ہو جاتی ہے۔ پھر خدا کی فرماں پذیری اس کو کس طرح گوارا ہو سکتی ہے، لیکن اگر آدمی کی غضبی قوت اعتدال سے گری ہوئی ہو طبعی قوت مدافعت بہت ہی کمزور ہو تو اس سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ہاں اگر افراط و تفریط دونوں نہ ہوں تو مخلوق خدا پر شفقت پیدا ہوتی ہے۔ رقتِ قلب اور رحمت کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ وہ اپنے عزیزوں دوستوں اور غیروں کے ساتھ نرمی کرتا ہے، خوش خلقی برتتا ہے، ہر شخص کی ہمدردی کرتا ہے۔ حضرت یحییٰ میں قوت غضبی کے افراط کے تینوں درجے نہ تھے۔ نہ تو آپ مغرور اور خود پندار تھے نہ والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے نہ خدا کے نافرمان تھے۔ ان تینوں اوصاف کا اظہار خدا تعالیٰ نے وَبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا میں فرمادیا۔ نفی جبر نے عدم غرور اور جود عمومی کے سلب کو ظاہر فرمایا۔ نفی عصیان سے اللہ کی فرماں پذیری کی صراحت کی اور بَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ سے والدین کے ساتھ نیکوکار ہونے کا بیان فرمایا۔ رہا قوت غضبیہ کی تفریط کا پہلو تو اس کی نفی لفظ حَنَانًا سے فرمادی۔ باقی رہا قوت شہوانیہ کا اعتدال تو اس کا اظہار لفظ زَكٰوةً سے کر دیا۔ یعنی حضرت یحییٰ کا نفس طاہر تھا۔ پرایا مال کھانا، شیطانی حرکات صنفی کی طرف میلان خاطر ہونا اور شترِ بے مہار کی طرح مطلق العنان ہو جانا یہ تمام خرابیاں حضرت یحییٰ میں نہ تھیں۔ الغرض یحییٰ کی غضبی اور شہوانی قوتیں معتدل تھیں۔ جبلی اور طبعی طور پر آپ ہر بدی سے متنفر اور نیکی کی طرف راغب تھے۔ اس خلاصۂ وصف کا اظہار خدا تعالیٰ نے لفظ تَقِيًّا سے فرمادیا۔ جب علمی و عملی قوتوں میں طفولیت ہی سے اعتدال تھا تو اب ذی شعور ہونے اور جوانی کی عمر کو پہنچنے کے انتظار کی ضرورت نہ تھی، اس لئے بچپن ہی میں توریت کے احکام پر کاربند ہونے کا حکم دے دیا۔

تحلیلِ اجزاء

خُذِ الْكِتٰبَ جلال محلی کا قول ہے کہ دو برس کی عمر ہونے پر حضرت یحییٰ کو توریت پر عمل کرنے کا حکم ہوا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ حکم سے مراد ابن عباس کے نزدیک نبوت، مجاہد کے نزدیک فہم و دانش، مالک بن دینار کے نزدیک لب یعنی حقیقی عقل اور دوسرے مفسرین کے نزدیک فہم توریت ہے۔ ابن کثیر نے ان سب معانی کے مجموعہ کی صراحت کی ہے۔ ہمارے نزدیک حکم سے حکمت مراد ہے۔

toobaafoundation.com

جس کی صراحت ہم اوپر کر آئے ہیں۔ خطیب نے سراج میں لکھا ہے کہ جلال ملی نے باتباع محی السنۃ لکھا ہے کہ نبوت ملنے کے وقت یحییٰ کی عمر تین سال کی تھی۔ مفسر فتح البیان نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس وقت یحییٰ کی عمر سات برس کی تھی۔ ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ بچوں نے یحییٰ سے کھیلنے کے لئے کہا۔ آپ نے جواب دیا ہم کھیل کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ چلو نماز پڑھیں۔ اسی کی طرف اللہ نے اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا میں ارشاد فرمایا (رواہ الحاکم فی تاریخہ)

وَحَنَانًا۔ علی ابن ابی طلحہ، عکرمہ، قتادہ، الضحاک، مجاہد، ابن زید، عطاء الخراسانی وغیرہم کے نزدیک حَنَانًا کا ترجمہ ہے رحمت، شفقت، نرم دلی، محبت۔ ابن العربی نے حنان کے لغوی معنی عطوفت، رزق اور برکت کے لکھے ہیں۔ خطیب نے ہیبت، وقار، رحمت، رزق، برکت وغیرہ ترجمہ کیا ہے۔ رحمت من جانب اللہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حضرت یحییٰ کے دل میں بندگان خدا کی ہمدردی اور شفقت خدا داد تھی۔ وہ طبعی طور پر خواستگار تھے کہ کوئی شخص کفر و گناہ نہ کرے۔ ابن عباسؓ نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔ بعض مفسرین نے صرف اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ کا حکم اور حنان دونوں سے بیان کیا ہے یعنی اللہ نے حضرت یحییٰ کو نبوت کا علم اور شفقت قلبی از جانب خود بغیر کسی تعلیم و تعلم کے عطا فرمائی تھی۔ (یہ مطلب اس صورت میں ہوگا جب کہ حکم سے مراد علم توریت لیا جائے)

زَكٰوةً یعنی ہر گناہ سے پاکی یہاں تک کہ گناہ کی طرف میلان خاطر کا بھی عدم تھا۔ حضرت انسؓ نے یہی مطلب بیان کیا ہے (مسند احمد) ابن عباسؓ نے بیان فرمایا گناہ کی آلائش سے پاک ہونا زکوٰۃ ہے۔ قتادہ، الضحاک اور ابن جریج نے زکوٰۃ کا ترجمہ عمل صالح کیا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا۔ جبر کے معنی ہیں اپنے نفس کو سب سے بڑا جاننا اور دوسروں کو ذلیل سمجھنا۔ احادیث میں تکبر کی بہت زیادہ مذمت آئی ہے کہیں فرمایا تکبر کرنے والے قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح پیروں سے روندے جائیں گے۔ کسی جگہ فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانے کی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

جبر نہ ہونے سے کوئی خاص مدح نہیں پیدا ہوتی۔ کیونکہ عدم جبر کا مفہوم سلبی ہے اور سلب صفت کسی صفت کا نام نہیں۔

جواب یہ ہے کہ جبر و تواضع میں تقابل عدم ملکہ یا نفی و ایجاب ہے۔ ایک کے عدم سے دوسرے کا وجود لازم ہے۔ جس طرح علم کی نفی سے جہالت اور جہل کی نفی سے علم لازم ہے۔ اسی طرح جبر کی نفی سے تواضع ضروری ہے اور مقصود تواضع ہی کا ثبوت ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر لفظ متواضع ہی کیوں نہ استعمال کیا جس سے مطابقۃً تواضع کا ثبوت ہو جاتا۔ تواضع کے مفہوم کو التزاماً ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کو سمجھنے کے لئے اول یہ جان لینا ضروری ہے کہ جن دو صفتوں میں تقابل تضاد یا نفی و اثبات یا عدم ملکہ ہوتا ہے ان دونوں میں ایک حالت میں اجتماع حقیقی تو قطعاً محال ہوتا ہے۔ سیاہی ہوگی تو سفیدی نہ ہوگی۔ وجود ہوگا تو عدم نہ ہوگا۔ آنکھیں روشن ہوں گی تو اندھا نہ ہوگا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صفت بہت زیادہ قوی ہوتی ہے اور دوسری صفت بہت زیادہ کمزور اور اتنی کمزور کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کیا جاتا۔ مثلاً سفیدی میں اگر برائے نام سیاہی ملی ہوئی ہو جو غیر محسوس ہو تو اس کو سفیدی ہی کہا جاتا ہے۔ سیاہی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ قوت و ضعف کا ایسا اجتماع ممکن ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ جبر و تکبر کی کامل نفی کر دی جائے۔ اب اگر متواضع کا لفظ استعمال کیا جاتا تو وہم باقی رہ جاتا کہ ممکن ہے تکبر کا بھی کوئی شائبہ ہو جس کو ناقابل اعتبار سمجھا گیا ہو۔ لیکن جب عدم تکبر کی صراحت کر دی تو کمال تواضع کا اثبات ہو گیا۔

ایک اور شبہ

جَبَّارًا مبالغہ کا صیغہ ہے اور مبالغہ کی نفی سے اصل صفت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت یحییٰ جبار نہ ہوں، صرف جابر ہوں۔ جبر کا سلب لازم نہیں۔

ازالہ مبالغہ کی نفی کی دو صورتیں ہیں (۱) وصف زائد کی نفی اور اصل صفت کا بقاء (۲) کامل طور پر اس صفت کی نفی۔ مثلاً اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ میں ظلم کامل کی نفی ہے۔ ایسا نہیں کہ ظَلَّامٌ (بڑا ظالم ہونے) کی نفی ہو اور ظالم ہونے کی نفی نہ ہو۔ یہی صورت آیت مذکورہ میں ہے۔ گویا مبالغہ کی نفی کرنے سے ہر فرد کی نفی ہو جاتی ہے۔ جبر کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ الخ۔ آدمی جس وقت پیدا ہوتا ہے تو بالکل بے شعور اور جاہل ہوتا ہے۔ دنیا کی بدیہی اور ظاہر ترین اشیاء کا علم بھی اس کو نہیں ہوتا۔ کچھ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ کسی چیز کی حس رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ بدیہات کا علم ہوتا ہے۔ پھر نظریات و فکریات کو جانتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے

toobaafoundation.com

حکیم، فلاسفر اور خدا جانے کیا کیا ہوتا ہے۔ درجۂ جہالت سے نکل کر عقل ہیولانی کے مرتبہ میں آتا ہے پھر عقل ہیولانی سے آگے بڑھ کر عقل بالملکہ، عقل بالفعل، عقل مستفاد وغیرہ کے درجات طے کرتا ہے۔ لیکن جب سانس کا آخری ڈورا بدن سے نکلتا ہے اس وقت پھر ہوش حواس معطل، عقل ناکارہ اور فہم و دانش تاریک ہو جاتے ہیں۔ جیسا پیدا ہوا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ وہ آغاز تھا یہ انجام ہوتا ہے۔ درمیانی درجات حسب اختلاف عمر، علم، ارادہ، اختیار کے درجات ہیں۔ ابتدائی اور آخری درجات جہالت اور اضطرار کے ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں آدمی مضطر ہوتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کا صحیح طور پر محتاج۔ پھر (اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق قطعی طور پر) محض مجبوری کا ایک وقت اور بھی آئے گا جس میں کوئی اختیار و ارادہ کام نہ دے گا۔ وہ آخری حیات کا دور ہے۔ قیامت کے دن جب دوبارہ تخلیق ہوگی اس وقت بھی آدمی بالکل ناچار اور مجبور ہوگا۔ آیت مذکورہ میں ان تینوں اوقات میں نزول رحمت کی صراحت حضرت یحییٰ کے متعلق فرمائی ہے۔ شیخ ابن عیینہ نے اسی بنا پر فرمایا ہے کہ خلق کو وحشت تین موقعوں پر ہوتی ہے۔ ایک پیدائش کے دن جبکہ آدمی اصل مقام کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں آتا ہے اور نئے لوگوں کو دیکھتا ہے۔ دوسرے مرنے کے دن جبکہ نامانوس مخلوق سامنے آتی ہے۔ تیسرے حشر کے دن۔ خدا تعالیٰ نے ان تینوں مواقع پر حضرت یحییٰ کو سلام (امان) سے مشرف فرمایا (رواہ ابن جریر)

مقصود بیان

احکام شرعیہ پر عمل کرنا اگرچہ بلوغ کے بعد واجب ہوتا ہے، لیکن بعض مخصوص بندے ایسے بھی ہیں جن کو آغاز عمری سے احکام الٰہیہ کی تعمیل کا پابند کر دیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت یحییٰ کو شروع ہی سے توریت پر مکلف کر دیا گیا تھا۔ حُکم سے مراد اگر حکمت یا عقل یا دانش و فہم یا علم توریت ہو تو ظاہر ہے کہ بعض نیک بندے آغاز عمر ہی سے بقدرت الٰہیہ فہیم، عقیل، دانشمند، ذی شعور اور حکیم ہوتے ہیں۔ گویا حکمت و دانش کا حصر عمر پر نہیں بلکہ عطائے الٰہی پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض بچے بھی حقائق کونیہ، احکام فطریہ اور نوامیس الٰہیہ سے واقف ہو سکتے ہیں اور اگر حُکم سے مراد نبوت ہو تو حضرت یحییٰ کا سہ سالہ یا ہفت سالہ عمر میں نبی ہونا ثابت ہوگا اور در پردہ یہ بات بھی مترشح ہوگی کہ بعض لوگ ذی شعور اور بالغ ہونے سے پہلے ہی بانعام الٰہی ولی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بچے کا نبی ہونا بھی واقع ہے۔ آیات مذکورہ میں حضرت یحییٰ کے چند اوصاف کا صراحۃً تذکرہ ہے اور ضمناً ہدایت ہے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کی، علوم شرعیہ اور معارف کتبیہ حاصل کرنے کی، مخلوق خدا کے ساتھ رقت، شفقت اور محبت کا برتاؤ کرنے کی، آلائش گناہ اور کدورت مادیہ سے پاک رہنے کی، اللہ کے سوا تمام مخلوق سے منہ موڑ کر صرف ایک خدا کا ہو جانے کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے اور ہر قسم کا تکبر، جبر، رعونت اور فرعونیت و سرکشی کو دل سے نکال دینے کی۔ آخری آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو نیکوکار، خوش اطوار، صحیح گفتار اور اللہ کا فرماں بردار ہو جاتا ہے اللہ تمام آڑے وقتوں میں اس کی کارسازی اور دستگیری فرماتا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب آدمی کا کوئی علم و ارادہ، کوئی اختیار و اقتدار سود مند نہیں ہوتا وغیرہ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ

(اے نبی) کتاب میں مریم کا ذکر کرو جس وقت وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر پورب رُخ کے مکان میں جا بیٹھی اور ایک پردہ کی آڑ کر لی

حِجَابًا ۚ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ

اور ہم نے اس کے پاس جبرئیل کو بھیجا اور وہ مکمل آدمی کی شکل میں ہو کر اس کے سامنے گیا مریم نے کہا اگر تو پرہیزگار ہے تو تجھ سے

مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ

اللہ کی پناہ چاہتی ہوں جبرئیل نے کہا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشنے آیا ہوں مریم نے کہا

الربع
قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ

میرے لڑکا کس طرح ہوگا مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ بولا اسی طرح تیرے رب نے فرمایا

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ

ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور اس لیے ہے کہ ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی قدرت بنائیں اور اپنی رحمت قرار دیں اور یہ امر طے شدہ ہے الغرض مریم

فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ

کو لڑکے کا حمل ہوا تو وہ اس کو لے کر الگ دور جگہ میں چلی گئی اور درد زہ اس کو ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں لے گیا بولی کاش

يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ۝ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي

میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی پائیں سے فرشتے نے ندا دی کہ رنجیدہ مت ہو

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا

تیرے رب نے تیرے پائیں ایک چشمہ بنا دیا ہے اور اس کھجور کی جڑ کو اپنی طرف ہلا پکی پکائی کھجوریں تیرے اوپر

جَنِيًّا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ

گریں گی لہٰذا کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی کر اور اگر کوئی آدمی تجھے نظر پڑے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کی

لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ

منت مان رکھی ہے اس لیے آج کسی آدمی سے بات ہرگز نہیں کروں گی پس مریم اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی قوم والے بولے

لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ

مریم تو نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار

بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ

تھی مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا وہ لوگ بولے ہم گود کے بچے سے کیونکر بات کریں بچہ

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ

بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا میں جہاں کہیں ہوں اس نے

toobaafoundation.com

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا

اور تابقائے حیات اُس نے مجھے نماز زکوٰۃ کا حکم دیا اور اپنی والدہ کا مجھے تابعدار بنایا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں

شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

کیا ہے اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس زندہ کرکے اُٹھایا جاؤں گا

تفسیر تخلیق انسانی چار طور پر ہوئی ہے اور ہر ایک میں قدرت الٰہی کا واضح نشان موجود ہے۔ (۱) مرد عورت کے اختلاط سے۔ (۲) بغیر ماں باپ کے جس طرح حضرت آدم کی پیدائش ہوئی۔ (۳) بغیر ماں کے جس طرح حضرت حوّا کی تخلیق ہوئی۔ (۴) بغیر باپ کے جس طرح حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ گزشتہ قصہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کا تھا، اس میں بھی اللہ کی قدرت کی نشانیاں موجود تھیں۔ ناقابل اولاد بوڑھے ماں باپ کے بچّہ کا پیدا ہوجانا اللہ کی ہمہ گیر قدرت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ کی پیدائش تو اپنے اندر گوناگوں عجوبہ زائیاں رکھتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت زکریا برائے خطیب حضرت مریم کے بہنوئی تھے اور صحیح بھی یہی ہے۔ حضور اقدسؐ نے حدیث معراج کے ذیل میں فرمایا تھا کہ یحییٰ و عیسیٰ خالہ زاد بھائی تھے، اس لئے مفسر حقانی اور بعض دوسرے اہل تاریخ نے جو زکریا کو مریم کا خالو قرار دیا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ مریم کی والدہ کا نام حنّہ اور باپ کا نام عمران تھا۔ حضرت موسیٰ و ہارون کے والد کا نام بھی عمران ہی تھا۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا کہ انہوں نے مریم کو ہارون کی حقیقی بہن قرار دیتے ہوئے آیت یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ کو حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے، لیکن واقع میں مریم و ہارون کے زمانے میں سیکڑوں برس کا فصل ہے۔ ان کے والد عمران وہ نہیں جو ہارون کے والد تھے۔ آیات مذکورہ کے متعلق تحقیقی نوٹس ہم تحلیل اجزا کے ذیل میں بیان کریں گے۔ سب سے پہلے واقعہ کا خلاصہ لکھ دینا مناسب ہے۔

مریم کی والدہ حنّہ نے نذر مانی تھی کہ پروردگارا! اگر میرے اولاد ہوگی تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے اس کو وقف کردوں گی۔ مسیح کے دور سے پہلے یہودیوں میں دستور تھا کہ خانۂ خدا کی عبادت کے لئے اپنی اولاد کو وقف کر دیتے تھے۔ پھر اس کی معاشرتی زندگی ختم ہوجاتی تھی۔ شبانہ روز عبادت، یادِ الٰہی اور عبادت خانہ کی خدمت کے علاوہ اس کو کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ حضرت سموائل کو بھی ان کی والدہ نے بطور نذر وقف کیا تھا۔ اسی دستور کے مطابق حنّہ نے اپنے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچّہ کو وقف کیا۔ جب وضع حمل کا وقت آیا تو لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی چڑھانے کا دستور نہ تھا اس لئے حنّہ دل شکستہ ہوئیں۔ نذر مانی جا چکی تھی، اس لئے حضرت مریم کو اپنے داماد (یا بقول بعضے بہنوئی) کے سپرد کر دیا جن کا نام زکریا تھا اور بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔ ایام طفولیت سے ہی کچھ عجیب واقعات مریم سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔ ایک بار غیر فصلی میوے اُن کے پاس رکھے تھے۔ زکریا نے دریافت کیا تو مریم نے جواب دیا مجھے میرے پروردگار نے یہ پھل بھیجے ہیں۔ غرض زہد و تقویٰ عبادت اور رہبانیت کے حضرت مریم کی عمر تیرہ سال کی ہوئی۔ ایک روز کسی ضرورت سے بیت المقدس کے شرقی حصّہ میں سب سے علیٰحدہ ہوکر گئیں اور ایک پردہ ڈال کر اپنی ضرورت میں مصروف ہوئیں (غالباً غسل کرنے کے لئے ایک گوشہ میں مشرقی جانب پردہ ڈالا ہوگا) فوراً ایک حسین نوجوان جو درحقیقت فرشتہ تھا رونما ہوا۔ مریم کو اپنی دری کا اندیشہ ہوا اور نوجوان کو اپنے سامنے دیکھ کر اپنے بچاؤ کے لئے بولیں میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے تو ہٹ جا۔ نوجوان بولا میں آدمی نہیں اللہ کا فرشتہ ہوں اور بحکم الٰہی تجھے پاکیزہ اطوار والا فرزند دینے آیا ہوں۔ مریم کو تعجب ہوا۔ بولیں میرے لڑکا کس طرح ہو سکتا ہے نہ اب تک کسی سے میرا ازدواجی تعلق ہوا نہ میں حرام کار ہوں۔ فرشتہ نے کہا خدا کا حکم یونہی ہے وہ اسی طرح اپنی قدرت سے پیدا کر سکتا ہے۔ غرض مریم بشانِ ایزدی حاملہ ہوگئیں۔ آثار حمل نمودار ہوئے تو بنی اسرائیل کی بدگوئی کا خوف ہوا، اس لئے سب سے یکسوئی اختیار کر لی اور کہیں دور تنہا مکان میں گوشہ گیر ہوگئیں۔ مدت حمل پوری ہوئی۔ وضع حمل کا وقت آیا۔ نہ پانی تھا نہ دانہ، نہ مونس نہ غمخوار، تنہائی، بیکسی اور بے بسی۔ ادھر درد کی شدت ہوئی، یا تقاضائے بشری گھبرا اُٹھیں۔ بولیں کاش میں اس دن سے پہلے مرجاتی

toobaafoundation.com

اور میرا نام نشان بھی نہ رہتا۔ عیسیٰ پیدا ہو گئے۔ پائین کی جانب سے فرشتہ نے آواز دے کر کہا آزردہ خاطر نہ ہو۔ مصیبت کے وقت خدا اپنے نیک بندوں کی چارہ گری کرتا ہے۔ دیکھو تمہارے پائین خدا نے چشمہ جاری کر دیا ہے۔ (اس کا پانی پیو) الس خاطر اور دل ٹھنڈا کر لے کیونکہ بچہ موجود ہے۔ (کھانے کی ضرورت ہو تو کھجور کا یہ خشک درخت جس میں شاخیں بھی نہیں ہیں تم کو تر و تازہ پھل دے گا، اس کو پکڑ کر ذرا ہلاؤ۔ (رہا بدنامی کا اندیشہ) تو جب تمہارے سامنے کوئی آئے اور لڑکے کی بابت دریافت کرے تو تم اشارہ سے کہہ دینا کہ میں نے آج روزہ رکھا ہے کسی سے بات نہیں کروں گی لڑکے سے دریافت کر لو۔ یہ پیام غیبی سن کر مریم کو تسکین ہوئی۔ چند روز کے بعد یہودی دستور کے موافق لڑکے کو ختنہ کے لئے بیت المقدس لائیں۔ بچہ کو دیکھ کر ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ہر طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھار شروع ہو گئی۔ لوگوں نے دریافت کیا مریم یہ بچہ کہاں سے لائی۔ تیرے ماں باپ بدکار نہ تھے اور تو بھی آوارہ نہ تھی۔ زہد و پرہیز گاری میں تو تیرا درجہ ہارون کی طرح تھا اب یہ کیا ہو گیا؟ مریم نے مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کر لو۔ لوگوں نے کہا ہم اس بچہ سے کیا بات کریں یہ گفتگو کے قابل ہی کب ہے۔ اتنے میں مسیح بول اٹھے میں اللہ کا بندہ ہوں (یہ اس لئے کہا کہ بغیر باپ کے پیدا ہونے اور شیر خوارگی میں بولنے سے لوگ کہیں خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں) مجھے اللہ نے کتاب دی ہے، نبی بنایا ہے، برکت عطا فرمائی ہے، نماز اور طہارت نفس کا حکم دیا ہے، والدہ کا فرمانبردار کیا ہے۔ یوم ولادت، یوم وفات اور یوم حشر میں وہی میرا کرم فرما اور مہربان ہے۔ کتاب و نبوت اور احکام شرعیہ کی تعمیل کا حکم اگرچہ بچپن میں حضرت عیسیٰ کو نہیں ملا بلکہ تیس سال کی عمر میں نبوت اور کتاب ملی اور اسی وقت تعمیل احکام فرض ہوئی، مگر بطور معجزہ اپنی والدہ کی پاک دامنی ظاہر کرنے کے لئے بحکم الٰہی آپ نے یہ تمام باتیں ظاہر فرمائیں۔ کیونکہ یہ سب قطعی طور پر ہونے والی تھیں۔ بچہ کا مہذب، پُر حکمت اور فصیح کلام سن کر سب لوگوں کو حیرت ہو گئی۔ زنا کی تہمت تو مریم کے سر سے گئی۔ مگر طبیعتیں چونکہ محسوس پرست تھیں اس لئے بجائے اس کے کہ غیبی قدرت کا اقرار کرتے اور اللہ کی ہمہ گیر طاقت کا اعتراف کرتے موحد حقیقی بن جاتے لگے تاویلیں کرنے۔ کسی نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا کسی نے خدا۔ کسی نے مسیح کی ماں کو بھی خدا کی بیوی کہہ دیا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

کلام مسیح کے وقت تو تمام یہودی متفق الرائے ہو کر مریم کو پاک دامن کہنے لگے تھے۔ لیکن جب بنی اسرائیل کے دو فرقے ہو گئے نصاریٰ اور یہود۔ تو یہودیوں نے تعصب کا پردہ آنکھوں پر ڈال کر عفیفہ معصومہ کو زانیہ کہنا شروع کر دیا اور مریم کے چچا زاد بھائی کا نطفہ قرار دیا جو مریم کا منگیتر تھا۔ اس شخص کا نام یوسف تھا اور حضرت مریم کے ساتھ عبادت خانہ میں رہا کرتا تھا۔ یہ بیچارا بھی بڑا نیک اور عابد زاہد تھا۔ تولد مسیح کے بعد حضرت مریم کی نسبت اس سے ہوئی تھی یہودیوں کے خوف سے جب حضرت مریم ترک وطن پر مجبور ہوئیں اور بچہ کو لے کر مصر گئیں تو یہی یوسف ساتھ تھا۔ جب مسیح کی عمر بارہ سال کی ہوئی اور یوسف کا بھی انتقال ہو گیا تو مریم بچہ کو لے کر مصر سے واپس آ کر ناصرہ گاؤں میں رہنے لگیں۔ پھر کچھ زمانے کے بعد بیت المقدس چلی آئیں۔ عیسیٰ نے وعظ و پند شروع کی۔ یہودیوں نے گورنر روم کو ہم نوا بنا کر قتل مسیح کی سازش کی۔ عیسیٰ کو آسمان پر جسد خاکی کے ساتھ اٹھا لیا گیا۔

تحلیل اجزاء اور تفسیری مطلب

مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ مفسر سراج نے بیان کیا کہ اهل سے مراد خالہ ہے، مگر یہ غلط ہے کیونکہ ہم نے بیان کر دیا کہ زکریا مریم کے خالو نہ تھے بلکہ بہنوئی تھے۔ واللہ اعلم۔ ابن کثیر، خطیب وغیرہ نے بیان کیا کہ بیت المقدس کا شرقی حصہ مراد ہے۔ جلال محلی نے مکان کا مسکونہ مشرقی حصہ مراد لیا ہے۔ نوف بکالی نے عبادت خانہ کا شرقی حصہ بیان کیا ہے۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بیت اللحم میں ہوئی تھی، اس لئے مکان شرقی سے بیت اللحم مراد ہے، مگر یہ غلط ہے کیونکہ بیت اللحم کو مریم اس وقت گئی تھیں جبکہ آثار حمل ظاہر ہو گئے تھے۔ تنہا مکان میں مریم نے سب سے الگ ایک اوٹ بنالی۔ نوف بکالی کے قول کے موافق عبادت کے لئے تنہائی اختیار کی تھی۔ خطیب نے کہا غسل کرنے کو بیٹھی تھیں کیونکہ آپ کا قاعدہ تھا کہ ناپاکی کے ایام میں مسجد مقدس کے باہر چلی جاتی تھیں۔

رُوْحَنَا روح سے مراد جبرئیل ہیں۔ مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن جریج، وہب، سدی وغیرہم کا یہی قول ہے۔ ممکن ہے جبرئیل کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ہو۔

اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ یہاں یہ شبہ کرنا چاہئے کہ بدکردار ہونے والا نوجوان اگر متقی اور خدا ترس ہوتا تو خود ہی بدی کا ارادہ نہ کرتا پھر خدا کی پناہ مانگنے کا کیا مطلب۔ پناہ تو بدکردار کی بدی سے مانگنی مناسب تھی اور بجائے تقیا کہنے کے شقیا کہنا چاہئے تھا۔

یہ شبہ قطعاً بے بنیاد ہے کیونکہ حضرت مریم جانتی تھیں کہ جو شخص پرہیز گار ہوگا وہ پناہ الٰہی سے بھی واقف ہوگا۔ گویا مریم نے اپنے بچاؤ کی

صورتیں نکالیں ، اور شخص حاضر کو بدخلقی سے باز رہنے کی دو طرح سے تلقین کی ۔ اول تو خدا کی پناہ سے اپنی ذات کو وابستہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اللہ کی پناہ میں دست اندازی زیبا نہیں ۔ دوسرے اس شخص کو پرہیزگار بننے کی ہدایت کی ۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس زمانے میں کوئی مشہور بدکردار تھا جس کا نام تقی تھا ، مگر یہ بالکل بے ثبوت قول ہے ۔

لَمْ اَكُ بَغِيًّا ۔ بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب مرد کے چھونے (یعنی مقاربت کرنے) سے انکار کر دیا تھا تو پھر زناکاری سے برات کی کیا ضرورت تھی ! اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ مَسّ کا اطلاق اگرچہ زنا اور نکاح دونوں پر ہوتا ہے ، مگر سیاق عبارت کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے قربت ازدواجی مراد ہے ۔ قربت شوہر کی نفی لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ سے ہوگئی اور زنا کی نفی لَمْ اَكُ بَغِيًّا سے ۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔ اللہ کی قدرت لامحدود ہے ۔ کل کائنات اس کی قدرت و حکمت کا بین ثبوت ہے ۔ منجملہ دیگر آیات کے ایک تخلیق انسانی بھی ہے ، اور انسانی پیدائش کی اعجوبہ ترین صورت حضرت آدمؑ کی تخلیق تھی جو بغیر کسی نطفہ اور تخم کے تھی ، لیکن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں ۔ بطن دوشیزہ سے بغیر باپ کے انسان کا پیدا ہونا تاریخ دنیا میں عدیم النظیر ہے ۔ اس کی صراحت آیت مذکورہ میں فرمائی ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت سے مراد آیت ہدایت لی جائے ۔ یہودیوں کی گمراہی ، تیرہ باطنی ، فساد انگیزی ، تباہ کاری اور فسق و فجور کی کوئی انتہا نہ رہی تھی جو نبی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوکر پیام ہدایت دیتا اور وعظ و نصیحت کرتا ، یہودی اس کی تکذیب کرتے ، اس کی نصیحت نہ سنتے ۔ بلکہ بعض اوقات تو ازلی بدبختوں نے اللہ کے معصوم نبیوں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا ۔ حضرت زکریا کو پارہ پارہ کیا ۔ حضرت یحییٰ کو ته تیغ کیا ، اس لئے ہدایت عامہ کیلئے کسی ایسے جلیل القدر نبی کی ضرورت تھی جس کو معجزات عظیمہ کے علاوہ اور بھی کوئی برہان عطا کی گئی ہو ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کو جو کچھ معجزات باہرہ مرحمت کئے گئے وہ تو مشہور رہی ہیں ۔ معجزات کے علاوہ آپ کی ماں کا معصومہ ہونا اور پھر عفیفہ کے بطن سے آپ کا عجیب ترین بے مثال طریقہ سے پیدا ہونا سب سے بڑا پیام ہدایت اور شان موعظت تھا ۔

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۔ جب حمل کو نو یا آٹھ ماہ گزر گئے اور بنی اسرائیل میں اس کا چرچا ہونے لگا تو حضرت مریم بدنامی کے خوف سے بیت المقدس سے نکل کر مصر کو جانے کے ارادہ سے چل دیں ۔ راستہ میں درد زہ ہونے لگا ۔ فوراً کھجور کے ایک خشک درخت کے پاس جا کر بیٹھ گئیں ۔ درخت کی شاخیں بھی نہ تھیں بالکل سوکھا ہوا تھا اور اس کے پاس کوئی دوسرا درخت بھی نہ تھا ۔ سرد ممالک میں درخت کھجور بہت کم یاب ہے ۔ یروشلم میں بھی کھجور کے درخت نہ تھے ۔ مشہور یہ ہے کہ کھجور کے درخت میں نر و مادہ ہوتے ہیں ۔ دونوں کے اتصال کے بغیر پھل نہیں آتا ۔ اب تو فلسفۂ طبعیات نے ثابت کر دیا ہے کہ کسی درخت پر بغیر نر و مادہ کے اتصال کے پھل نہیں ہو سکتا ۔ خدا تعالیٰ کو اپنی قدرت ظاہر کرنی اور مریم کو تسکین دینی مقصود تھی کہ دیکھ بغیر قربت مرد کے اللہ تعالیٰ نے تیرے ہی بطن سے بچہ پیدا نہیں کیا بلکہ اس درخت سے تر و تازہ پھل بھی بغیر کسی تخم اور بغیر کسی مدت پختگی کے تیرے اوپر برسا دئے ۔ یہ درخت کہاں تھا ؟ محل وقوع میں علماء کا اختلاف ہے ۔ سدی کا قول ہے کہ بیت المقدس کے شرقی محراب کے پاس تھا ۔ وہب بن منبہ نے کہا مریم بدنامی کے اندیشہ سے مصر کی طرف بھاگ گئی تھیں مصر و شام کے راستہ پر بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک قریہ بیت اللحم نام کا تھا ۔ وہاں پہنچ کر درد زہ شروع ہوا اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے قیام کیا ۔ ابن کثیر کے نزدیک وہب کا قول صحیح ہے ۔ کیونکہ احادیث معراج میں نسائی کی روایت جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں اور بیہقی کی روایت جس کے راوی شداد بن اوس ہیں اس قول کی تائید کرتی ہے ۔ ابوحیان کی کتاب البحر سے مؤلف فتح البیان نے جو قول نقل کیا ہے وہ بھی اسی کا مؤید ہے ۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ ۔ ندا دینے والے جبرئیل تھے ۔ سعید بن جبیر ، ضحاک ، قتادہ ، عمرو بن میمون اور سدی کا یہی قول ہے ۔ بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ نے خود آواز دی تھی ۔ یہ قول حسن بصری کا مفسر سراج نے ظاہر کیا ہے ۔ سعید بن جبیر بھی بقول مفسر سراج اسی کے قائل ہیں ۔ پہلی روایت ابن کثیر کی تھی اور وہی صحیح بھی ہے ۔ کیونکہ بروایت صحیحہ حضرت عیسیٰ نے سب سے پہلی مرتبہ اس وقت کلام کیا ۔ جب قوم نے مریم کو طعن و تشنیع شروع کی اور حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا ۔

تَحْتَكِ سَرِيًّا ۔ سری کے معنی ہیں چھوٹی نہر ۔ حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے ۔ اکثر مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے ۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سَرِيّ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے ؟ مجاہد ، ضحاک نے اس لفظ کو سریانی کہا ہے ۔ سعید بن جبیر نے نبطی ، قتادہ نے عربی بتلایا ۔

toobaafoundation.com

حسن بصری، ربیع بن انس، محمد بن عباد بن جعفر اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے سری سے مراد حضرت عیسیٰ کی ذات لی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں سری کے معنی شریف سردار، عظیم المرتبہ رفیع القدر کے بھی ہیں۔

فَقُولِي قول سے مراد اشارہ ہے۔ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام طہارت تک مریم وہیں رہیں۔ صَوْمًا سے مراد خاموشی ہے حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک نے یہی بیان کیا ہے یعنی مریم کا روزہ نہ تھا۔ صرف خاموش رہنے کی نذر ماننے کا حکم تھا۔ سدی، قتادہ اور ابن زید وغیرہ کا قول ہے صوم سے مراد ہے روزہ مع سکوت۔ کیونکہ شریعت موسوی میں نذر کا روزہ عموماً اسی طرح رکھا جاتا تھا۔ کھانے پینے اور صنفی تعلقات کو ترک کرنے کے ساتھ خاموش رہنا بھی ضروری تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو روزہ کی حالت میں سکوت ترک کرنے کا حکم دیا اور حضرت مریم کے متعلق فرمایا وہ ایک عورت تھی اس کو معلوم تھا کہ میں کچھ بھی کہوں، مگر کوئی یقین نہ کرے گا کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے، اس لئے اس کو نذرِ سکوت کا حکم دے دیا گیا تھا تاکہ اگر کوئی اس سے دریافت کرے تو معذرت ہو جائے۔ (رواہ ابن حمید و ابن ابی حاتم)

نوٹ:- شریعت اسلامیہ میں خاموش رہنے کی نذر ماننی ممنوع ہے۔ خواہ روزہ ہو یا نہ ہو۔ ابن مسعودؓ اور صدیق اکبرؓ نے یہی حکم دیا تھا۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ وضع حمل کے دن ہی مریم عیسیٰ کو لے کر بیت المقدس آگئیں۔ ابن کثیر کا بظاہر یہی قول ہے۔ لیکن ابن عباس کا قول مروی ہے کہ ایام نفاس کے بعد لائی تھیں۔ ابن کثیر نے نوف بکالی کی روایت بیان کی ہے کہ جب مریم بہ اندیشۂ بدنامی اپنے گھر کو چھوڑ کر نکلیں تو چونکہ مریم کا خاندان شرافت و نبوت کا مرکز تھا، اس لئے قوم والے تلاش میں نکلے۔ ایک روز راستہ میں ایک چرواہے سے دریافت کیا۔ چرواہے نے کہا اور تو مجھے معلوم نہیں۔ ہاں آج رات میری گائیوں نے ایسی حرکت کی جو کبھی نہ کی تھی۔ تفصیل دریافت کرنے پر چرواہے نے کہا میں نے اس وادی میں ایک روشنی بلند ہوتے دیکھی اور وادی کی طرف رخ کر کے میری گائیوں نے سجدہ کیا۔ قوم والے وادی کی طرف چلے۔ مریم نے جب لوگوں کو آتے دیکھا اور بچے کو گود میں لے کر تو قوم نے تشنیع شروع کر دی۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ہارون بن عمران جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے مریم ان کی بہن نہ تھیں پھر ان کو ہارون کی بہن کیوں کہا گیا؟ اس کی چار وجوہ ہیں (۱) اسرائیلیوں میں کوئی شخص ہارون نام کا تھا جو بہت ہی بدکار تھا۔ مریم کو غیرت دلانے کے لئے ہارون کی بہن کہہ کر خطاب کیا۔ مطلب یہ ہے کہ تو بدکاری میں ہارون کی بہن ہے۔

(۲) ہارون نامی کوئی شخص نیک پرہیزگار باورع تھا۔ مریم کی نیکی اور پرہیزگاری بھی مشہور تھی، اس لئے نیکی میں ہارون کی بہن قرار دیا۔ یہ دونوں احتمالات کمزور اور بے ثبوت ہیں۔

(۳) أُخْت کا لفظ نسبت کو ظاہر کر رہا ہے۔ مریم درحقیقت ہارون برادر موسیٰ کی نسل سے تھیں۔ اس صورت میں يَا أُخْتَ هَارُونَ کا مطلب ہوگا اے نسلِ ہارون کی عورت۔ جس طرح تمیمی عورت کو يَا أُخْتَ تَمِيمٍ اور ہمدانی عورت کو يَا أُخْتَ هَمْدَان کہا جاتا ہے۔ لغوی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ تاویل بہتر ہے۔

(۴) مریم کا ایک علاتی بھائی تھا جس کا نام ہارون تھا۔ یہ بہت نیک اور پرہیزگار تھا۔ اس کی طرف مریم کی نسبت کی گئی۔ امام رازی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ حقیقت پر محمول کرنا مجازی معنی مراد لینے سے اولیٰ ہے۔ امام احمد کی روایت کردہ حدیث سے بھی اس کی کسی قدر تائید ہوتی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس نے مجھے نجران (یمن) کے عیسائیوں کے پاس بھیجا۔ وہاں عیسائیوں نے مجھ سے دریافت کیا تم قرآن میں يَا أُخْتَ هَارُونَ کس طرح پڑھتے ہو۔ موسیٰ کا زمانہ تو عیسیٰ سے بہت پہلے تھا۔ میں نے واپس آکر حضور اقدسؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ ارشاد فرمایا تو نے کیوں نہ کہہ دیا کہ لوگ انبیاء اور صلحا کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں۔ (وقد رواہ مسلم والترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وغیرہم) اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہارون سے ہارون پیغمبر مراد نہیں بلکہ مریم کا کوئی بھائی ہارون نامی تھا۔

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۔ نقل ہے بیت المقدس لا کر جب صخرہ پر حضرت مریم نے بچہ رکھنا چاہا تو وہ پتھر خود بخود نیچے جھک گیا اور گہوارہ کی طرح ہو گیا۔ مس

toobaafoundation.com

وقت لوگوں نے مذکورہ الفاظ کہے، لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وہ مذکورہ بالا فقرہ محض محاورہ ہے۔ جو بچہ بہت ہی چھوٹا ہو اس کو گہوارہ کا بچہ کہا جاتا ہے۔ گویا ان کا یہ مقصد تھا کہ بچہ تو اتنا چھوٹا ہے کہ گہوارہ میں رہنے کے قابل ہے اس سے ہم کیا بات کریں۔

اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ۔ کتاب سے مراد ابومسلم و بیضاوی کے نزدیک انجیل ہے۔ حسن بصری کے نزدیک توریت ہے۔ بقائی نے توریت، انجیل، زبور وغیرہ تمام صحیفوں کو مراد لیا ہے۔ بظاہر توریت وانجیل کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ عام طور پر مشہور ہے اور غیر مذاہب کی کتابوں سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی تھی اور نبوت ملنے کے بعد تین سال اس زمین پر اور رہے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے اس قول کی تغلیط کی ہے اور صراحت کی ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے کسی کو نبوت نہیں ملی۔ میرے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔

جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا۔ مبارک کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ مفسر سراج وغیرہ نے صاحب برکت ترجمہ کیا ہے۔ مؤلف فتح البیان نے حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ مبارک کے معنی ہیں لوگوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچانے والا (رواہ الاسمٰعیلی فی معجمہ وابونعیم فی الحلیہ) ایک حدیث مرفوع میں معلم ادب فرمایا ہے۔

مقصود بیان

حضرت مریم نے جب اپنی کسی ضرورت یا عبادت کے لئے گوشۂ تنہائی اختیار کیا تو حضرت جبرئیل بشکل بشری ان کے پاس آئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول جبرئیل فقط انبیاء کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو پیام ہدایت پہنچانے کے لئے یا اپنے مخصوص انعام سے سرفراز کرنے کے لئے جبرئیل کو بھیج دیتا ہے۔ گویا روح امین سے تعلق فقط انبیاء ہی کا نہیں ہوتا بلکہ اولیائے کرام اور مخلصان ذوی الاختصاص کا بھی ہوتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ پیام ہدایت کی تبلیغ، کتابوں اور صحیفوں کا نزول، امت کو ایمان و نیکوکاری کی دعوت عامہ یہ کام صرف انبیاء کا ہے۔ صرف انبیاء کے پاس اس قسم کے احکام لے کر جبرئیل نازل ہوتے ہیں۔ حضرت مریم نے اپنے سامنے اجنبی نوجوان کو دیکھ کر اللہ کی پناہ مانگی۔ اس امر سے یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ کسی مصیبت یا ناگوار امر کے وقت خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے پناہ جوئی کرنی لازم ہے۔ جب حضرت جبرئیل نے مریم کو فرزند کی بشارت دی تو ان کو تعجب ہوا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آدمی کتنا ہی پختہ مومن ہو اللہ کی قدرت کی ہمہ گیری پر اس کا ایمان بھی ہو، مگر چونکہ قانون فطرت اور ظاہری نظام کائنات کے مشاہدہ کا عادی ہے اور خلاف مشاہدہ ہر امر سے اس کو تعجب ہوتا ہے، لیکن یہ ایمان کی کمزوری کی علامت نہیں۔ کیونکہ ایمان کے چار درجات ہیں:۔ اوّل درجہ ایمان استدلالی کا ہے۔ دوسرا درجہ ایمان بالغیب کا ہے جس کو علم الیقین کہا جاتا ہے۔ تیسرا درجہ ایمان بالمعائنہ کا ہے جس کو عین الیقین کہا جاتا ہے۔ چوتھا درجہ ایمان ذوقی کا ہے جس کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہم کو دلائل اور ذہنی افکار کے اختیار سے یقین ہو جائے کہ دروازہ کے باہر پانی ہے اور واقع میں وہاں پانی بھی ہو تو یہ یقین استدلالی ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر اگر کوئی سچا خبر دینے والا ثقہ آدمی آکر اطلاع دے کہ دروازہ کے باہر پانی موجود ہے اور اس کے کہنے کا یقین بھی آجائے تو یہ ایمان بالغیب اور علم الیقین کا درجہ ہے۔ اس کے بعد اگر دروازہ پر جا کر خود اپنی آنکھوں سے پانی کو دیکھ لیا تو ایمان بالمعائنہ اور عین الیقین ہے، لیکن اگر اس کے بعد خود جا کر کچھ پانی پی لیا تو ایمان ذوقی اور حق الیقین ہے۔ یہی حالت اہل ایمان کی ہے کہ کوئی اوّل درجہ میں ہے، کوئی دوسرے میں، کوئی تیسرے میں، اور کوئی چوتھے میں درجہ بدرجہ ترقی ہوتی ہے۔ مریم کا ایمان بالغیب تھا وہ عین الیقین کی طالب تھیں۔ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ مریم کو درجۂ ایمان کی ترقی حاصل ہو اور عام لوگ بھی ایمان بالغیب حاصل کر سکیں، اس لئے ﴿اٰیَةً لِّلنَّاسِ﴾ فرمایا۔ حضرت مریم نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر ﴿یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ﴾ الخ کہا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی کہ ہر انسان اقتضائے بشریت سے مجبور ہے۔ مصائب و تکالیف کا احساس ہر ایک کو ہوتا ہے اور احساس حوادث سے وہ کچھ دیر کے لئے سراسیمہ بھی ہو جاتا ہے۔ مریم کی تسکین آسائش اور دفع تکلیف کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کو بھیجا، چشمہ جاری کیا اور خشک بے برگ شاخ درخت کو بار آور کیا اور پھل بھی ایسے کہ ان کو پکنے کی ضرورت نہ تھی پختہ تھے، تر و تازہ تھے، لذیذ اور شیریں تھے۔ ان واقعات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اپنے فرماں بردار بندوں کی ہر وقت کارسازی فرماتا ہے اور مصیبت کے وقت غیبی فرشتے بھیج کر امداد کرتا ہے۔ اہل تقرب کو نظم عام کے خلاف مخصوص عنایات سے بھی سرفراز

toobaafoundation.com

کرتا ہے ۔ خداتعالیٰ نے مریم کو درخت کے ہلانے کا حکم دیا تھا ۔ حالانکہ بچپن میں جنت کے پھل بغیر کسی کاوش اور محنت کے عطا فرمائے تھے ۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر خدا سے قلبی تعلق نہ رکھا جائے اور دل کو ماسوا کی محبت سے پاک کر دیا جائے تو براہ راست بغیر کسی محنت کے اور بلا کسی جنبش کے آدمی عنایت الٰہی سے سرفراز ہوتا ہے جس طرح ایام طفولیت میں حضرت مریم سرفراز ہوئیں اور اگر آدمی کے دل کو کسی غیر سے ادنیٰ درجہ کا تعلق بھی پیدا ہو گیا تو اگرچہ تعلق الٰہی کے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، مگر اس وقت اللہ کی طرف سے نوازش قدرے محنت برداشت کرنے کے بعد ہوتی ہے ۔ جس طرح مریم کا تعلق اپنے بچے سے جب کسی قدر ہو گیا تو دنیوی پھل بھی بغیر ہاتھ ہلائے نہ ملے ۔ گویا مریم کو درخت ہلانے کا حکم دے کر اہل اسلام کو یہ تعلیم دینی غرض ہے کہ دل کے اندر غیر خدا کی محبت نہ رکھو اور یگانہ و بے مثل اولاد سے بھی دل کا تعلق منقطع کر لو ۔ حضرت مریم کو خداتعالیٰ نے روزہ میں خاموش رہنے کا حکم فرمایا تھا، اس کے اندر ایک خاص راز ہے ۔ روزہ نام ہے تمام اعضاء کی خواہشات کو مقررہ مدت کے لئے ترک کر دینے کا ۔ کھانا پینا اور صنفی تعلقات کا ترک کرنا معمولی روزہ ہے ۔ ہاتھ پاؤں اور زبان و قلب کے گناہ کو ترک کر دینا خواص کا روزہ ہے، لیکن خواص میں سے جو بلند درجہ رکھتے ہیں ان کا روزہ اور بھی سخت ہے ۔ اللہ کے سوا ہر خیال کو دل سے نکال دینا، یاد الٰہی کے علاوہ ہر کلام سے زبان کو خاموش رکھنا، عبادات و ادائے فرائض کے بغیر اعضائے جسمانی کی کوئی حرکت نہ کرنا یہ مخصوص ترین روزہ ہے ۔ گزشتہ شرائع کے احکام بھی سخت تھے خصوصاً شریعت موسوی کی گرفت تو بہت ہی شدید تھی، اس لئے روزہ کی نوعیت بھی سختی میں انتہائی تھی ۔ امت محمدیہ کو شریعت عادلہ ملی ہے، اس لئے روزہ کی شدائد میں بھی تخفیف کر دی گئی ۔ تاہم دل میں ہر وقت یاد الٰہی رکھنا، زبان کو ذکر الٰہی سے پر ذوق رکھنا، اعضائے جسمانی کو شریعت کے مطابق حرکات و سکنات میں مشغول رکھنا اسلامی روزہ میں ضروری ہے ۔ شرط سکوت ساقط کر دی گئی تو حضرت مریم کے روزہ کا تذکرہ کرنے سے اسی طرف لطیف اشارہ ہے کہ شریعت اسلامیہ شریعت موسویہ سے آسان ہے ۔ فَأَتَتْ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ مریم خود اپنے بچہ کو لے کر آئی تھیں قوم والے جا کر نہیں لائے تھے ۔ الفاظ کے اندر لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ وہ عیسیٰ جو مریم کے بطن سے پیدا ہوا اور پیدائش کے بعد اتنا مجبور رہا کہ خود چل پھر نہ سکتا تھا، ماں گود میں اٹھائے پھرتی تھی ۔ ایسا مجبور و بے بس آدمی کس طرح مستحق الوہیت ہو سکتا ہے۔ قَالُوا كَيْفَ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ ظاہر پرست طبقہ کور باطن اور نابینا البصیرت رکھتا ہے ۔ اس کی نظر ظاہری اسباب، عادات اور رسم و رواج پر ہوتی ہے وہ نہیں جانتا کہ غیبی قدرت کس قدر ہمہ گیر ہے جس کے دائرہ تسخیر میں محسوس غیر محسوس اور تمام محسوس اسباب کی تمام قوتیں داخل ہیں ۔ قَالَ إِنِّي سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ کائنات و مخلوقات میں سے کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی جلیل القدر ہو، یہاں تک عظیم الشان نبی ہو بہرحال اللہ کی بندگی سے انکار نہیں کر سکتا ۔ عبدیت اس کے لئے مایۂ افتخار ہے بلکہ تمام محاسن صفات سے مقدم و افضل بندہ کا بندہ ہونا ہے ۔ ان آیات سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض مخصوص ہستیوں کو آئندہ واقعات کا علم منجانب اللہ ہو جاتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ کو اپنے نبی ہونے اور کتاب ملنے کا ہو گیا ۔ اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مادی دنیا کا تفاوت زندگی اور عمر کا چھوٹا بڑا ہونا روحانیات کے عالم میں کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہے ۔ اللہ کے مقرب ترین بندوں کا علم مادی حواس اور جسمانی ادراکی قوتوں سے بالاتر ہوتا ہے ۔ ان کا تعلق عالم قدس سے ہوتا ہے جہاں سے ان پر علمی فیضان ہوتا ہے خواہ ان کی عمر مادی آنکھیں رکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی کم ہو ۔ انہی آیات میں حضرت عیسیٰ کو جن باتوں پر مکلف و مامور ہونے کی خبر دی گئی ہے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقرار توحید، اعتراف عبودیت، ایصال خیر، ادائے صلوٰۃ و زکوٰۃ، حسن سلوک اور نیکوکاری سے کوئی شخص تمام زندگی سبکدوش نہیں ہو سکتا ۔ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، کیسا ہی عارف باللہ، خدارسیدہ اور مقرب درگاہ خداوندی ہو فرائض شرعیہ سے مستغنی نہیں قرار پا سکتا، لیکن ادائے فرائض کے باوجود زندگی، موت اور حشر میں ہر شخص رحمت الٰہی اور امداد خداوندی کا محتاج ہے وغیرہ ۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ○

یہ عیسیٰ ابن مریم کا سچا قصہ ہے جس کے بارے میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں

toobaafoundation.com

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

اللہ کی یہ شان نہیں کہ اولاد رکھے وہ پاک ہے جب وہ کوئی کام ٹھان لیتا ہے تو اُس سے

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا

صرف وہ یہ کہتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہو جاتا ہے اور (عیسیٰ بن مریم کا قول تھا کہ) اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اُس کی عبادت کرو یہ سیدھا

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

راستہ ہے مگر فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے پس کافروں کے لئے

كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

ایک بڑے دن کے آنے سے خرابی ہے کیسا کچھ سُنتے اور دیکھتے ہوں گے جس دن ہمارے سامنے حاضر ہونگے لیکن یہ

الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ

ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں (اے نبی) تم انھیں پشیمانی کے دن سے ڈراؤ جب کام کا فیصلہ کردیا جائیگا یہ لوگ غفلت

غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (ع)

میں ہیں اسی سبب سے ایمان نہیں لاتے ہم ہی زمین کے اور زمین کے اوپر رہنے والوں کے وارث ہونگے اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہوگا

تفسیر عیسائی مسیح کو درجۂ نبوت سے بلند اور عبدیت و انسانیت سے بالاتر جانتے ہیں۔ کوئی فرقہ خدا کا بیٹا کہتا ہے کوئی خدا۔ یہودی مسیح کو تخم انسانی کی پیداوار اور ناجائز طریقۂ تولید کا نتیجہ جانتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ افراط و تفریط اور مبالغہ و تنقیص میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گئے۔ اصل تولید، طریقۂ پیدائش غرض ولادت اور صحیح واقعۂ حیات قرآن پاک نے بیان کر دیا۔ جس سے گمراہ قوموں کی تکذیب اور اللہ کی تقدیس و تنزیہ کی مکمل وضاحت ہوگئی۔

آیات مسطورۂ بالا میں خدا تعالیٰ نے چند امور بیان فرمائے ہیں :-

(۱) مسیح کے واقعۂ ولادت کا صحیح نتیجہ اور اس پر ریمارک۔

(۲) اللہ کے واحد لاشریک اور لم یلد ہونے کی عقلی دلیل جس سے مسیح کے اللہ اور ابن اللہ ہونے کی تردید ہوجاتی ہے۔

(۳) مسیح کے اقرار عبدیت کا اظہار اور انہی کے قول سے اللہ کی ربوبیت عامہ کی وضاحت۔

(۴) مسیح کے بعد عیسائی فرقوں کا عقائد میں اختلاف اور مسیح کے متعلق تمام گروہوں کا باہم تفرقہ۔

(۵) حقانیت قیامت کی صراحت اور عقیدۂ اسلام کی مخالفت کرنے والوں کا حسرت ناک انجام۔ ہم ہر نمبر کی توضیح ذیل میں کرتے ہیں۔

۱۔ یہودی کہتے تھے کہ (العیاذ باللہ) عیسیٰ یوسف نجار کے بیٹے تھے اور ناجائز تولید کا نتیجہ تھے۔ گہوارہ میں مسیح نے جو کلام کیا وہ جادو کا اثر تھا۔ نصاریٰ کا قول تھا کہ مسیح خدا کے بیٹے تھے نبی نہ تھے یا خدا نے ان کے اندر حلول کر لیا تھا۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کے یہ جھگڑے مدت سے چلے آتے تھے۔ قرآن نے اس کا ناطق فیصلہ کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ بس یہی عیسیٰ ابن مریم کی حقیقت ہے جس کے متعلق بنی اسرائیل میں جھگڑے چلے آتے ہیں۔

ابن مریم کہنے سے یہ صراحت کرنی غرض ہے کہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا نہ یوسف نجار نہ کوئی اور آدمی نہ فرشتہ نہ جن نہ خدا۔ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

۲. اللہ کمزور نہیں، عاجز نہیں، فانی نہیں، تغیر پذیر نہیں، حادث نہیں پھر اس کو ولد کی کیا ضرورت۔ معبود برحق، خلاق کائنات، مسجود حقیقی اور رب کل کی اولاد کس طرح زیبا ہے۔ اس کی قدرت غیر متناہی ہے، ہمہ گیر ہے، محیط کل ہے، وہ تخلیق کائنات میں کوئی سبب اور مادہ کا محتاج نہیں اس کی قدرت کے لئے سلسلۂ توالد کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مسیح اس کا بیٹا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مسیح کا خالق ہے اور بغیر باپ کے خالق ہے۔

۳. مسیح نے خود کہا تھا اور تمام اسرائیلیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اللہ میرا تمہارا سب کا رب ہے۔ لہٰذا اسی کی پرستش کرو۔ مجھے معبود نہ جانو، راہِ توحید ہی سیدھا راستہ ہے۔ اس کے علاوہ تمام گمراہیاں ہیں۔ انجیلوں میں مختلف الفاظ آتے ہیں جن سے مسیح کے ابن اللہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ مسیح نے اللہ کو اب کہا تھا۔ عیسائیوں نے اب سے باپ سمجھ لیا۔ حالانکہ عیسیٰ کی مراد رب کہنا تھا۔ اب کا ترجمہ رب بھی ہے۔ مگر عقل کی کج روی کا ٹھکانا نہیں۔ گمراہ گروہ والے اللہ کو مسیح کا رب سمجھنے لگے۔ حالانکہ مسیح نے اللہ کو فقط اپنا ہی اب نہیں کہا تھا بلکہ سب کا اب کہا تھا۔ پھر اگر اب کا ترجمہ باپ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ فقط مسیح کا ہی باپ نہیں بلکہ تمام اسرائیلیوں کا بھی باپ ہے اور اس کا قائل دنیا کا کوئی صاحب فہم نہیں۔

۴. جب مسیح آسمان پر تشریف لے گئے اور یہودیوں کا جذبۂ انتقام پورا نہ ہو سکا تو مسیح کے پیروؤں میں خود پھوٹ پڑ گئی، عقائد میں اختلاف ہو گیا۔ شیخ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن میمون، ابن جریج اور قتادہ وغیرہم علماء کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کے چار ہزار عالم جمع ہوئے اور چار ہزار میں سے چار عالموں کا انتخاب کیا گیا۔ ان چاروں میں سے ہر عالم کا عقیدہ دوسرے سے جدا تھا۔ ایک کا قول تھا کہ مسیح خدا تھا جو زمین پر اترا جس کو چاہا زندہ کیا اور جس کو چاہا موت دی پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے۔ دوسرے گروہ نے کہا یہ خدا نہ تھا بلکہ خدا کا بیٹا تھا۔ یہ فرقہ نسطوریہ کہلاتا ہے۔ تیسرے گروہ نے کہا مسیح محض خدا نہ تھا نہ خدا کا بیٹا تھا بلکہ تین اقانیم کے مجموعہ کا نام خدا ہے۔ تین خداؤں میں سے ایک مسیح تھا۔ یہ فرقہ ملکانیہ یا اسرائیلیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ چوتھا گروہ اہل حق کا تھا جو مسیح کو اللہ کا بندہ اور رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہتا تھا۔ چاروں گروہوں میں خوب مناظرات ہوئے۔ مناظرہ سے مکابرہ، مکابرہ سے مجادلہ، مجادلہ سے مضاربہ اور مضاربہ سے مقاتلہ تک نوبت پہنچی۔ بالآخر اہل حق شکست کھا کر پہاڑوں میں بھاگ گئے اور اہل باطل برسر اقتدار آئے۔ ابن کثیر نے بیان کیا کہ شاہ قسطنطین کے دربار میں دو ہزار ایک سو ستر عالموں کا اجتماع ہوا۔ ہر گروہ نے اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے پرزور دلائل کو پیش کیا، لیکن کسی بات پر اتفاق نہ ہو سکا۔ سب سے بڑا گروہ ۳۱۸ علماء کا تھا جو مسیح کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ قسطنطین نے اسی گروہ کے عقیدہ کو قبول کیا۔ ایک محضر نامہ تیار کیا۔ تمام علماء کے دستخط اس پر کرائے۔ کسی نے خوشی دستخط کئے کسی نے بجبر۔ جس نے انکار کیا اس کو قتل کر دیا گیا یا اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس گروہ نے دین مسیح کو برباد کر ڈالا۔ طرح طرح کی بدعتیں نکالیں۔ شام، روم اور جزائر میں بارہ ہزار سے زائد گرجا بنائے۔ وہ مقام جہاں بزعم یہود مسیح کو صلیب دی گئی تھی متبرک قرار پایا اور قسطنطین کی ماں ہیلانہ نے وہاں ایک گنبد بنوا دیا۔

۵. مسیح کے متعلق افراط و تفریط کرنے والے سب کے سب کافر ہیں۔ اُن کو حق کی روشنی نظر نہیں آتی۔ صداقت کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان کے باطن کی آنکھیں اندھی ہیں اور گوش ہوش بہرے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن جب ان کو سامنے بلایا جائے گا، میدان حشر میں آنا ہوگا، اُس وقت ان پر عظیم الشان مصیبت آئے گی، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، صداقت کی آواز خوب سنائی دے گی، لیکن دنیا میں ان کو نہ کچھ سوجھائی دیتا ہے نہ سنائی، راہِ اعتدال سے ہٹ کر ادھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں، قیامت کا دن ان کے لئے حسرت آفریں ہوگا کیونکہ ہر معاملے کا فیصلہ ہوگا، ہر عمل کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ یہاں تو دلوں پر پردے پڑے ہیں، غافل ہیں، آخرت کا یقین نہیں، مگر مرنے کے بعد ہی جب دوسرے عالم میں پہنچیں گے تو وہاں دنیا کی کوئی طاقت، دولت، صحت، عزت، حکومت اور شرکت کام نہ آئے گی نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار نہ چپہ بھر زمین پر قبضہ ہوگا۔ کل زمین اور اہل زمین براہِ راست خدا کے زیر تسلط ہوں گے، جہاں سے چلے تھے وہیں لوٹ کر جانا ہوگا۔ آغاز کی طرف انجام کی واپسی ہوگی۔

مقصودِ بیان: مسیح کے متعلق افراط و تفریط کرنے والے گمراہ ہیں۔ حق فیصلہ وہی ہے جو قرآن نے کر دیا۔

toobaafoundation.com

آیت فاَیَّکَانِ سے اللہ کی توحید کی دلیل اور وعدہ اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے جو اس عالم کو پیدا کیا وہ کسی مادہ یا مدت کے زیر احتیاج نہیں کیا نہ مادی دنیا کی طرح اس کو ہاتھ پاؤں سے کام کرنے کی ضرورت ہے بلکہ فقط اس کی مرضی و مشیت ہی تخلیق کے لئے کافی ہے۔ مشیت اور تخلیق کے درمیان کوئی زمانہ یا وقت حائل نہیں ہوتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ مسیح کے توحیدی مشن میں لوگوں نے ترمیم و تنسیخ کرلی، باہم پھوٹ پڑ گئی، گروہ گروہ ہو گئے وغیرہ۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کرو وہ بلاشبہ سچے نبی تھے جب انھوں نے اپنے باپ

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ

سے کہا ابا آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تمہارے کام آسکتی ہے ابا واقعی

اِنِّيْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝

جو علم میرے پاس آیا ہے وہ تمہارے پاس نہیں آیا لہٰذا تم میری راہ پر چلو میں تم کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ

ابا شیطان کی پوجا نہ کرو بلاشبہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے ابا مجھے

اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

اندیشہ ہے کہ رحمٰن کا عذاب تم پر آجائے گا پھر تم شیطان کے ساتھی ہو جاؤ گے

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِـهَتِيْ يٰٓـاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

باپ نے کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں پتھروں سے تجھے مار ڈالوں گا مدت تک

مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝

کے لئے تم مجھ سے دور ہو جا ابراہیم نے کہا اچھا سلام علیک، میں تمہارے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا بلاشبہ وہ مجھ پر مہربان ہے

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ

میں تم سے اور ان چیزوں سے جو کہ اللہ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب ہی کی عبادت کروں گا امید ہے کہ میں اپنے

toobaafoundation.com

بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ

سب کو کار کر محروم نہ رہوں گا ۝ غرض جب ابراہیم اُن لوگوں سے اور اُن چیزوں سے جن کی اللہ کے سوا وہ عبادت کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے اُن کو اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ ع۳

یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو اپنی نعمت بخشی اور اُن کے لئے ذکرِ خیر بلند کیا

تفسیر

ان آیات میں خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے آغازِ شباب کا واقعہ ذکر فرمایا اور باپ کے دین کو چھوڑ کر آپ نے جس سچائی اور حقانیت کے ساتھ دینِ الٰہی کی طرف رجوع کیا تھا اس کو ظاہر فرمایا۔ آیت کی تفسیر کے قبل ہم تین نکتے بیان کرتے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم کے قصے کی اصل غرض پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

(۱) رسول پاکؐ کے زمانے میں عرب کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ تو علی الاعلان توحید الوہیت کا منکر تھا اور ایک خدا کو چھوڑ کر چند معبودوں کی پرستش کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو کہنے کو تو توحید کا مدعی تھا، مگر اس کی توحید شرک آمیز تھی۔ اوّل الذکر گروہ بُت پرستوں کا تھا جو ہزاروں پتھروں کے سامنے سر نیاز جھکاتے تھے اور توحید الوہیت سے بیزار تھے۔ مؤخر الذکر گروہ اہلِ کتاب کا تھا جو بظاہر توحید کا مدعی تھا، مگر واقع میں دو یا تین خداؤں کا ماننے والا تھا۔ خداتعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اہلِ کتاب کی تردید عقلاً اور نقلاً جب بیان فرما دی تو اب اہلِ شرک اور بُت پرستوں کے موروثی عقیدہ کا استیصال کرنا چاہا۔ بُت پرستوں کے عقیدہ کے استیصال کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ اپنے اندر گوناگوں سامانِ عبرت رکھتا تھا، اس لئے واقعہ ابراہیمی بیان فرمایا۔

(۲) حضرت ابراہیمؑ تمام عرب کے جدِ اعلیٰ تھے۔ عرب آپ کی عظمت اور علوِ شان کے معترف بھی تھے اور آپ کے دین کو حق بھی سمجھتے تھے۔ گراپنی جہالت کے سبب بُت پرستی اور بے ہودہ رسم و رواج کو دینِ ابراہیمی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ خداتعالیٰ نے ان مشرکوں کو توحید کی تعلیم دینے کیلئے انہی کے مورثِ اعلیٰ کا قصہ بیان فرمایا۔ گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم محض تقلیدِ آباء کے شیفتہ ہو تو اپنے جدِ اعلیٰ کی تقلید کرو جو موحد تھا مشرک نہ تھا اور اگر دلائل کی روشنی میں مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو تو اُن دلائل پر غور کرو جو تمہارے اعلیٰ بزرگ نے شرک کے خلاف قائم کی تھیں۔ غرض یہ کہ تقلید ہو یا درایۃ بہرحال راہِ توحید پر گامزن ہو۔

(۳) دینِ اسلام کی تعلیم کے مقابلے میں اکثر اہلِ مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے اسلاف کے مذہب کو کیسے چھوڑیں اور کس طرح ان کے رسم و رواج سے مُنہ موڑیں، وہ بے وقوف نہ تھے ہم ان سے زیادہ عقل مند نہیں۔ خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان فرما کر یہ تعلیم دی کہ دیکھو تمہارے جدِ اعلیٰ نے کس طرح دلائل کی روشنی میں اپنے باپ کا دین چھوڑا بلکہ اپنے باپ کو بھی چھوڑا اور دلیلِ حق سے اس کے قول کو باطل کیا۔ پھر کیا وجہ کہ جب تم تقلیدِ آباء کے شائق ہو تو کیوں ابراہیمؑ کی تقلید نہیں کرتے اور دلائل کی روشنی میں مذہب کا مطالعہ نہیں کرتے۔ ابراہیمؑ بھی تو تمہارے مورثِ اعلیٰ تھے اُن کی پیروی کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو اور بصیرت کے ساتھ کیوں راہِ توحید پر نہیں چلتے۔

تفسیری ابحاث

(۱) حضرت ابراہیمؑ اور صدیق اور نبی تھے۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ ہر نبی صدیق ضرور ہوتا ہے، لیکن ہر صدیق کا نبی ہونا ضروری نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے، مگر نبی نہ تھے۔ نبوت کا درجہ صداقت سے بالاتر ہے۔ آغازِ شباب میں حضرت ابراہیم نے آسمان کے ستاروں کی ضیاء پاشیوں سے روگردان ہو کر اور فضائے کائنات کی رنگینیوں سے اظہارِ نفرت کر کے اُس رب العالمین کی طرف اپنا رُخ کیا تھا جو فاطر السمٰوات والارض ہے۔ مخلوق کے رشتہ کو توڑ کر غیر اللہ سے منہ موڑ کر ایک اللہ سے تعلق جوڑا تھا۔ اس وقت نہ اُن کا کوئی معلم اور مربی تھا نہ ہادی اور مرشد، صرف طبیعت اور سرشت اُن کی رہبر تھی اور توفیقِ الٰہی رہنما۔ یہی آپ کے افکار، خیالات، عقائد، اقوال اور اعمال کی صداقت

toobaafoundation.com

تھی اور یہی فطری سچائی تھی۔ اس اعتبار سے آپ کو خدا تعالیٰ نے صدیق کے لقب سے ذکر فرمایا، لیکن فطری صداقت اور طبعی ہدایت کے ہوتے ہوئے بھی ضرور نہیں کہ ہر صدیق کو نبوت سے سرفراز کیا جائے اور حضرت ابراہیم حامل نبوت بھی تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ کے دونوں اوصاف ذکر فرما دیئے۔

(۲) حضرت ابراہیم کے باپ کا کیا نام تھا؟ قرآن پاک نے آزر بتایا ہے۔ بعض اہلِ تاریخ کا قول ہے کہ آپ کے باپ کا نام تارح یا تارخ تھا اور آزر چچا کا نام تھا۔ قرآن میں جو باپ کا نام آزر بتایا ہے وہ مجازی معنی پر محمول ہے، اہلِ عرب چچا کو بھی باپ کہہ لیا کرتے تھے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ باپ موجود نہ ہو اور چچا ہی مربی ہو۔ لیکن اصحاب تاریخ کا یہ وہم ہی وہم ہے۔ اگر تارخ نام تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ تارخ کسی اور آدمی کا نام تھا اور آزر کوئی جدا ہستی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک لقب ہو اور دوسرا نام۔ تاریخ ایسا مواد پیش کرنے سے قاصر ہے جس سے دو جدا جدا شخصیتیں ثابت ہو سکیں۔ رہا مجازی معنی پر محمول کرنا تو یہ بھی غلط ہے۔ مختلف آیات میں لفظ اَب کا ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ الخ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ الخ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ الخ تمام آیات میں باپ سے چچا مراد نہیں لیا جا سکتا۔ پھر اگر آیات میں لفظ اَب کے معنی عم کے تسلیم بھی کر لئے جائیں تو مسجد حرام کے پاس کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے جو دعا کی تھی اور کہا تھا اَغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ الخ۔ اس دعا میں والدین سے مراد والدہ اور چچا ہو ہی نہیں سکتے۔ لفظ اَب کا اطلاق اگرچہ چچا پر ہوتا ہے، مگر عربی میں لفظ والد کا اطلاق چچا پر نہیں ہوتا خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ والدین کو بحیثیت مجموعی بیان کیا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ابراہیم کے والد کا نام آزر تھا تارخ ہو یا نہ ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کو چار طور پر خطاب کیا ہے اور ہر خطاب ایک خاص نیرنگی کا حامل ہے، لیکن واضح رہے کہ شفقت پدری اور تہذیب کو کہیں جانے نہیں دیا۔ ہر خطاب کے وقت میرے باپ کہہ کر کلام کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے باپ کو بت پرستی سے روگرداں ہونے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دلائل کی روشنی میں دی اور فرمایا ابا یہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ پھر آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ عقلاً قابلِ پرستش وہی ہو سکتا ہے جو پرستار سے اعلیٰ اور افضل ہو اور چونکہ آپ سنتے دیکھتے اور نفع نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں اور بت ان تمام چیزوں سے بے بہرہ ہیں، اس لئے وہ ادنیٰ اور آپ اعلیٰ ہیں۔ پھر اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ اس کے علاوہ قابلِ پرستش وہی ہو سکتا ہے جو عالم کل اور قادر مطلق ہو۔ بت نہ عالم ہیں نہ قادر بلکہ ان کے تو ظاہری حواس بھی نہیں، پھر وہ کس طرح معبودیت قرار پا سکتے ہیں۔ مزید برین معبود کی عبادت کرنے کا تو حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ عابد کی دعا کو سنتا، اس کی حالتِ عبادت کو دیکھتا اور کارسازی کر سکتا ہو۔ جو معبود دیکھنے سننے اور کارسازی کرنے سے عاری ہو وہ کیا مستحقِ الوہیت ہو سکتا ہے۔

باپ کا درجہ عمر، تجربہ اور جذبۂ دینی میں بیٹے سے عموماً زائد ہوتا ہے، اس لئے آزر کو اپنے بیٹے کے کہنے سے آبائی مذہب کو ترک کرنا اور اولاد کی اتباع کرنا گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے کو بیٹے سے زیادہ دانا تجربہ کار اور ہوشیار سمجھے ہوئے تھا، اس لئے دوسرے خطاب کے وقت ابراہیم نے اپنی برتری، دانائی اور بلند نظری کو پیش کرنے کے لئے فرمایا۔ ابا جو علم مجھے عطا کیا گیا ہے اس سے آپ محروم ہیں یعنی وجہ فضیلت صرف علم ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں فطرتاً اور الہاماً جو نور علمی جگمگا رہا ہے وہ آپ کے دل میں نہیں ہے۔ حقانیت وصداقت کا پرتو مجھے نظر آ رہا ہے اور آپ اس سے محروم ہیں۔ لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ میرا کہنا مانیں میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھے راستے پر لے چلوں گا۔

آزر بت پرستی کو حق سمجھا ہوا تھا۔ آبائی طریقہ پر کاربند ہونے کو صداقت جانتا تھا اور طریق سلف سے روگردانی کو نفس کا فریب اور اغوا الیقین کئے ہوئے تھا، اس لئے تیسرے خطاب میں حضرت ابراہیم نے فرمایا ابا شیطان کی پرستش نہ کرو شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ یعنی بتوں کی پرستش اور طریقۂ سلف پر بلا دلیل قائم رہنا شیطانی اغوا ہے۔ یہ بتوں کی پرستش کیا شیطان کی پرستش ہے اور ظاہر ہے شیطان رحمان کا مخالف ہے۔ اللہ اپنی رحمت سے بندوں کو سرفراز کرنا چاہتا ہے اور شیطان شیطنت کر کے ابدی ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ لہٰذا دشمن کی پرستش اور مہربان دوست سے روگردانی کسی طرح زیبا نہیں۔

آزر کو بیٹے کی بات کا یقین آنا دشوار تھا۔ وہ جانتا ہی نہ تھا کہ شیطان کیسا ہوتا ہے اور رحمٰن کون ہے۔ شیطان کی دوستی کس کو کہتے ہیں اور رحمٰن

toobaafoundation.com

کی دعوت کے کیا معنی ہیں، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے چوتھے خطاب کے ذیل میں فرمایا ابا مجھے اندیشہ ہے کہ اگر رحمٰن کی طرف سے تم پر کوئی عذاب آیا توشیطان کے تم ساتھی ہو جاؤ گے یعنی شرک کرنے اور رحمٰن کی نافرمانی کرنے کا نتیجہ عذاب ہے۔ اب اگر تم شرک کرو گے تو اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان تمہاری حمایت نہ کر سکے گا بلکہ وہ خود مبتلائے عذاب ہوگا، اس لئے تم کو بھی اس کے ساتھ عذاب میں ڈال دیا جائے گا گویا حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی طاقت کی ہمہ گیری اور شیطان کی کمزوری و بے بسی کو ظاہر فرما کر باپ کے سامنے اس حقیقت کا انکشاف کیا اور وہ طرز گفتگو اختیار کیا جس سے دشمن و دوست اور مجبور و قادر ہستیوں کا امتیاز ہو جائے۔ آزر کو جب دلائل ابراہیمی کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو جہالت پر اتر آیا اور قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

رَجْم کے معنی ہیں سنگسار کرنا۔ عام مفسرین نے یہی ترجمہ کیا ہے، مگر ابن عباس، سدی، ابن جریج اور ضحاک وغیرہ نے قصاص اور بدلہ لینے کے معنی لکھے ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آزر نے کہا اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور مجھے ملامت کرتا رہا تو میں بھی بطور انتقام تجھے سخت سست کہوں گا۔ تو مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے کہیں چلا جا اب منہ مت دکھانا۔

مَلِیًّا کا ترجمہ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن اسحاق وغیرہ نے مدت کیا ہے۔ حسن بصری نے مدت دراز لکھا ہے۔ سدی نے ہمیشہ کا لفظ تحریر کیا ہے۔ مراد سب کی ایک ہے یعنی عمر بھر، لیکن عوفی اور علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کا جو تفسیری قول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مَلِیًّا کا ترجمہ ہے۔ تندرست اور صحیح سلامت۔ یعنی آزر نے کہا خیریت اسی میں ہے کہ میرے پاس سے صحیح سلامت چلا جا کہیں میری طرف سے تجھ کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ ضحاک، قتادہ، عطیہ اور مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب ہر نصیحت و پند بے سود دیکھی سلام وداع کر کے رخصت ہوئے اور چلتے وقت باپ سے وعدہ کر لیا کہ میں پروردگار سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ وہ مجھ پر مہربان ہے امید ہے کہ میری دعا قبول فرمائے گا اور محروم نہ رکھے گا چونکہ اس وقت حضرت ابراہیم کو باپ کا ازلی کافر ہونا معلوم نہ تھا، اس لئے ایسا وعدہ فرما لیا ورنہ پیغمبر کسی رشتہ اور نسب اور دوستی کی پرواہ اللہ کی مخالفت کے موقعہ پر نہیں کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر گھر بار، دوست احباب، اعزا و اقارب اور شہر وطن چھوڑ کر چل دیئے۔

سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب کہ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال کر دیکھ لیا کہ آپ کا بال بیکا نہ ہوا مزید ایذاء دینی مناسب نہ سمجھی بلکہ ملک سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا اور حضرت ابراہیمؑ بھی بحکم الٰہی ترک وطن پر راضی ہو گئے اپنی بی بی کو ساتھ لے کر چل دیئے۔ چلتے وقت باپ کو بھی ساتھ لینا چاہا، ہر طریقہ سے فہمائش کی، مگر اس نے ایک نہ مانی مجبوراً آپ چل دیئے۔

(۴) اعلانِ حق، اشاعت صداقت، تبلیغ توحید، تحمل مصائب اور ترک تعلقات کا عوض خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو یہ دیا کہ (ایام پیری میں جبکہ خود ناقابل اولاد ہو چکے تھے اور بیوی بانجھ تھی) جلیل القدر بیٹا اور عالی مرتبہ پوتا عنایت کیا۔ یعقوب اسحاق کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں پوتے کو بھی دیکھ لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان دونوں کو نبی بھی بنایا اور قبولیت عامہ بھی عطا کی۔ آیات میں حضرت اسماعیل یا دوسری اولاد کا تذکرہ نہیں ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کو حضرت ابراہیم نے اپنے وطن میں چھوڑا تھا ان کے عوض خدا تعالیٰ نے یہی دونوں بیٹے عنایت کئے تھے۔ رہی دوسری اولاد تو وہ گزشتہ اعزا و اقارب کا عوض نہ تھی بلکہ محض فضل الٰہی تھا۔ اس کے علاوہ حضرت اسحاق و حضرت یعقوب جس رہتے تھے آپ ہی کی زیر نگرانی دونوں نے پرورش پائی اور دونوں صاحبوں کو دیکھ کر ہر وقت خنکی چشم اور سرور دل حاصل کرنے کا موقع ملتا رہا۔ بیچ حضرت اسماعیل تو ان کو شیر خوارگی کی ہی حالت میں جدا کرنا پڑا اور بحکم الٰہی کعبہ کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔ ان کی تربیت، نمو، ترقی اور طفلانہ حرکات کا مزہ نہ پایا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس موقع پر ان کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

(۵) خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور آپ کی اولاد کو بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، لیکن ایک عمومی نعمت ایسی تھی جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں عطا فرمائی گئی تھی۔ شہرت اور قبولیت عامہ دنیا میں وحدہٗ اسرائیل سے پہلے کسی نبی کو اتنی حاصل نہیں ہوئی جتنی ان بزرگوں کو حاصل ہوئی بلکہ اب کسی کو اتنی عالمگیر پسندیدگی سے نہیں دیکھا جاتا جتنا ان حضرات کو دیکھا جاتا ہے۔ تقریباً دنیا کے دو تہائی آدمی اب تک ان تینوں بزرگوں کو مانتے

toobaafoundation.com

بیٹے (یعقوب) یہودی اور عیسائی عظمت سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام پنج وقتہ نمازوں میں اپنے نبی آخرالزماں کے ساتھ ان پر درود بھیجتے ہیں۔
عرب کے مشرک بھی حضرت ابراہیم کو اپنا مرشد اور مقتدا مانتے تھے اور ملتِ ابراہیمی پر کاربند ہونے کے مدعی تھے۔ اسی لئے خداتعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کو
بلند شہرت اور سچی عزت عطا فرمائی۔

مقصودِ بیان

خوردی اور بزرگی کا مدار تفاوتِ عمر پر نہیں ہے۔ علم و ہدایت اور عمل صالح پر ہے۔ معبود کو ذی علم و ذی ہوش قادرِ مطلق ہونا چاہئیے۔
فاضل مفضول کی اور اعلیٰ ادنیٰ کی عبادت نہیں کر سکتا۔ مقتدا کا علم مقتدی سے زائد ہونا لازم ہے۔ جب جاہل آدمی دلائل کا
مقابلہ نہیں کر سکتا تو جاہلانہ دھمکیوں پر اُتر آتا ہے جس طرح آزر نے کیا۔ اس میں درپردہ اشارہ ہے اس طرف کہ اہلِ حق کا شیوہ محض یہ ہے کہ دلائل پیش کریں۔
عقل و بصیرت کی روشنی میں اپنے مدعا کو ثابت کریں۔ دھمکیاں دینا جاہلوں کا شیوہ ہے۔ راہِ حق میں اعزا و اقارب، ماں باپ، وطن، دھن دولت
غرض ہر عزیز کو ترک کرنا اور چل کھڑا ہونا لازم ہے۔ کافر کا مسلمان سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ کی راہ میں جو شخص نکل کھڑا ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی
کی خاطر دنیا کے تعلقات کو توڑ دیتا ہے اللہ اس کی کارسازی فرماتا اور اپنے غیبی انعام سے سرفراز کرتا ہے۔ نیک اولاد بھی ماں باپ کے لئے اللہ کا بڑا انعام
ہے۔ شہرت اور قبولیت عامہ اللہ کی زبردست نعمت ہے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے جو ہزاروں عبرت انگیز اسباق
کا حامل ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ واقعہ ہم کو صحیح ایثار اور کامل قربانی کی تعلیم دیتا ہے۔ کاش مسلمان بلند ہمت، بلند نظر اور بلند خیال ہو جائیں اور راہِ خدا میں
پیش آنے والی کسی مصیبت کی پرواہ نہ کر کے اعلانِ حق کے لئے کمرِ ہمت باندھ لیں وغیرہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰىۤ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ

اور (اے نبیؐ) کتاب میں موسیٰ کا تذکرہ کرو وہ بلاشبہ منتخب اور نبی مرسل تھے ہم نے اُن کو طور کے

جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

دائیں جانب ندا دی اور راز دار بنا کر قریب بلایا اور اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا

نَبِيًّا ○ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا

کیا اور (اے نبی) کتاب میں اسمٰعیل کا تذکرہ کرو بلاشبہ وہ وعدے کے سچے اور نبی مرسل

نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○

تھے اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○

اور کتاب میں ادریس کا تذکرہ کرو وہ بلاشبہ بڑے سچے نبی تھے ہم نے اُن کو ایک بلند مکان میں اُٹھایا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ

ان سب انبیاء پر اللہ نے انعام فرمایا تھا یہ لوگ آدم کی نسل سے اور اُن لوگوں کی نسل سے

toobaafoundation.com

حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا

جن کو نوح کے ساتھ ہم نے سوار کیا تھا اور ابراہیم و اسرائیل کی نسل سے اور اُن لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور منتخب کیا

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ السجدة

جب اُن کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے تھے

تفسیر ان آیات میں تین نامور پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ کی پیروی کے مدعی تھے۔ مشرکین عرب حضرت اسماعیل کو اولوالعزم بزرگان ملت میں سے شمار کرتے تھے، اور حضرت ادریس فلسفہ و حکمت کی دنیا میں امام مانے جاتے تھے۔ تینوں حضرات کے مخصوص اوصاف اور ذاتی محاسن بیان فرما کر اس انعام کو ظاہر فرمایا جو بطور جزا خدا نے ان کو عنایت کیا تھا۔

چند مباحث (۱) حضرت موسیٰ کے تین اوصاف بیان کئے۔ مخلَص ہونا، رسول ہونا اور نبی ہونا۔ مخلَص کا ترجمہ ہے منتخب۔ حضرت موسیٰؑ کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام سے سرفراز کیا اور نبی و رسول بنا کر فرعون کے مقابلے پر مامور فرمایا۔ یہی انتخاب و برگزیدگی تھی جس کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ مخلَص استعمال کیا۔ حضرت موسیٰ اسرار غیب سے واقف تھے، حقیقت کے شناسا تھے، معرفت الٰہی سے سرشار تھے۔ آپ کے پاس غیبی مقدس فرشتہ آتا تھا اور حقائق احکام کی اطلاع دیتا تھا۔ پس یہی آپ کی نبوت تھی اور چونکہ کتاب بھی ملی تھی صاحب اُمت بھی تھے جبار و قہار بادشاہ کے مقابلے پر مامور بھی ہوئے تھے، اس لئے آپ رسول بھی تھے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر نبی رسول ضرور ہوتا ہے۔ جو واقف حقیقت نہ ہو اس کو پیغمبر کیسے بنایا جا سکتا ہے لیکن ہر نبی کا رسالت و تبلیغ پر مامور ہونا ضروری نہیں۔ اس صراحت کے موافق رسول کے بعد نبی کا تذکرہ بطور تاکید ہوگا۔

میں کہتا ہوں رسالت و نبوت دونوں جدا جدا مراتب ہیں۔ ایک میں ہبوط ہے دوسرے میں صعود۔ ایک سعادت محض روحانی اور عقلی ہے اور سعادت دماغی حواس اور جسمانی اعضا کی وساطت کی منت کش ہے۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ منتخب فرما لیتا ہے اس کی شفاف روح اور روشن عقل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو کے اعتبار سے اس کو نبی کہا جاتا ہے اور دوسرے رُخ کے لحاظ سے وہ رسول ہوتا ہے۔ وہ آفتاب قدس کے چہرے پر نور کے ستر ہزار پردے ہیں اور حس کی کرنوں کو براہ راست کوئی دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا۔ جب انسانی دنیا کے دلوں پر جلوہ پاش اور پرتو انداز ہوتا ہے تو چونکہ براہ راست بلا واسطہ یہ کثیف مادی انسان اُس سے نور چین نہیں ہو سکتا اس لئے کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہوتی ہے جس کا الحاق عالم بالا سے بھی ہو اور مادی دنیا سے بھی وہ جدا نہ ہو تاکہ آفتاب قِدم سے کسب فیض کرنے کے بعد وہ زیریں دنیا کو منور بنا سکے۔ مثال کے طور پر اس طرح سمجھو کہ آفتاب کی شعاعیں براہ راست کھلے میدانوں، بلند پہاڑوں اور اونچے اونچے درختوں پر پڑتی ہیں۔ چٹیل ریگستان، سنسان بیابان سب ہی پر دھوپ پڑتی ہے، مگر کسی کوٹھی یا کمرے کے اندر دھوپ نہیں پہنچتی کیونکہ مضبوط چھت یا کوئی آڑ حائل ہوتی ہے جو براہ راست سورج کی کرنوں کو کمرے کے اندر پہنچنے سے روکتی ہے۔ اب اگر آفتاب کی روشنی اندر پہنچانی مقصود ہو تو اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی صاف آئینہ سورج کے مقابل رکھا جائے، لیکن ذرا ترچھا ہونا چاہیے۔ سورج کی شعاعیں اس آئینہ پر پرتو انداز ہوں اور پھر اس آئینہ کا انعکاس کمرے کے اندر ہو۔ گویا آئینہ آفتاب کی کرنوں کو بلا واسطہ جذب کرے اور پھر خود کمرے کی اندرونی فضا پر ضوافگن ہو، لیکن یاد رہے کہ آئینہ کی پشت پر کوئی مصالحہ ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا ایک رُخ کثیف ہو اور اس قابل ہو جائے کہ سورج کی شعاعوں کو جذب کر کے کمرے کی اندرونی فضا پر عکس ریزی کر سکے۔ اگر پشت پر کوئی کثیف مصالحہ نہ لگا ہوگا تو خود شعاعوں کو جذب کرے گا، مگر عکس ریزی نہ کرے گا۔ کرنیں پار ہو جائیں گی۔ بعینہٖ یہی حال آئینۂ نبوت کا ہے۔ آفتاب ازل کی شعاعوں نے براہ راست استفاضہ کرنے کی اس تاریک کرہ (یعنی کائنات انسانی) میں قابلیت رکھی۔ قدیم لم یزل کی نور پاشیاں اور پرتو اندازیاں بلا واسطہ عام انسانوں کے لئے بے سود ہیں، مادی کثیف چھت وسط میں حائل ہے لہٰذا اس آڑ کے ہوتے ہوئے کسب نور ناممکن ہے، اس لئے آئینۂ نبوت کی ضرورت ہے۔ یہ درمیانی ہستی خود عالم

toobaafoundation.com

قدس سے کسبِ فیض کرتی ہے، نور کو جذب کرتی ہے، اسرارِ غیب اور قوانینِ الٰہیہ کو حاصل کرتی ہے، عقائدِ صائبہ اور اعمالِ صحیحہ کا علم رکھتی ہے اور جذب کرنے کے بعد عام انسانوں کو مستفیض کرنے کے لئے سب پر نور پاشی کرتی ہے۔ جو اسرارِ دینی اور رازہائے مخفی عالمِ غیب سے اس کو معلوم ہوتے ہیں اور عبادات و معاملات و عقائد کے جو اصلاحی اصول و قواعد اس کو پہنچتے ہیں وہ دنیا کو اس سے فائدہ پہنچاتی ہے، لیکن ہر نبی کا آدمی ہونا ضروری ہے۔ یعنی حیثیت بہ معاملہ کی کثافت لازم ہے ورنہ آدمیوں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس تقریر کو جاننے کے بعد آئینہ کی دونوں حیثیتوں پر غور کرنا چاہئے۔ ایک حیثیت نور حاصل کرنے کی ہے، جذبِ شعاع کرنے کی ہے، اکتسابِ فیض کی ہے۔ دوسری حیثیت ضیا افگنی، نور پاشی اور فیضِ رسانی کی ہے۔ اول الذکر درجہ نبوت کا ہے جس میں ترقی اور صعود کا اعتبار ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ رسالت کا ہے جس میں ہبوط و نزول کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے۔ نبی واقفِ اسرار ہوتا ہے۔ علومِ وحی کا شناسا ہوتا ہے، رازِ درونِ پردہ کا اس کی روح پر انکشاف ہوتا ہے، اعضائے جسمانی اور مادی حواس کا اس اخذِ معارف میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ نہ کسی بیرونی وساطت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جب حاصل کردہ علوم و معارف کو انسانی طبقہ تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو مادی حواس اور جسمانی اعضاء برسرِ کار آتے ہیں۔ زبان سے ہاتھ سے پاؤں سے اور دیگر اعضاء سے تبلیغ کرتا ہے، اس کے پاس جو وحی آتی ہے وہ سرِ عام اس کا اعلان کرتا ہے۔ اس تفصیلی تبصرہ سے ظاہر ہو گیا کہ نبی اور رسول جدا جدا شخصیتیں نہیں ہوتیں صرف اعتبارات کا اختلاف ہوتا ہے۔ تاثر و تحیّر، انفعال و فعل اور استفاضہ و افاضہ کا فرق ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی رسول ایسا نہیں جو نبی نہ ہو اور نہ کوئی نبی ایسا ہے جو رسول نہ ہو۔ جن اہلِ تفسیر نے دونوں کے درمیان عموم خصوص کی نسبت قرار دی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ صاحبِ کتاب کو رسول اور دوسرے نبی کی شریعت کی پیروی کرنے والے کو نبی کہنا خلافِ صراحتِ قرآنی ہے۔ حضرت لوطؑ اور حضرت اسماعیلؑ رسول تھے، مگر صاحبِ کتاب نہ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پیرو تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق صرف نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۲) طور کے دائیں جانب سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو ندا دی۔ اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا۔ طور سے کون سا پہاڑ مراد ہے اور دائیں جانب کس کی تھی اور یہ واقعہ کس کا ہے؟ مفسر سراج نے کہا کہ طور ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جب موسیٰ مدین سے آ رہے تھے تو وہ پہاڑ دائیں جانب تھا وہیں سے موسیٰ کو ندا ہوئی تھی، وہیں توریت نازل ہوئی تھی اور اسی جگہ بنی اسرائیل کے نمائندوں کو ابر کے اندر سے خطابِ الٰہی کی لذت ملی تھی۔ خطیب کی اس صراحت سے واضح ہوتا ہے کہ طور سے طورِ سینا مراد ہے جو نہر سویز کے قریب واقع ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ طور لغت میں ہر سبز پہاڑ کو کہتے ہیں۔ آیت میں طورِ سینا مراد نہیں بلکہ کوہِ زبیر مراد ہے جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ کیونکہ اگر طورِ سینا مراد لیا جائے گا تو مدین سے مصر کو جاتے ہوئے یہ پہاڑ دائیں جانب واقع نہیں ہوتا بلکہ بائیں جانب ہوتا ہے۔ ابن کثیر اور قتادہ کی تصریحات سے بھی ثابت ہے کہ طورِ سینا مراد نہیں بلکہ کوئی پہاڑ مراد ہے اور جانبِ ایمن سے موسیٰ کا داہنا جانب مراد ہے۔

میرے نزدیک ان دونوں اقوال میں مفسر سراج کا قول اصح ہے کیونکہ جس زمانے میں حضرت موسیٰ مدین سے مصر کو واپس آئے تھے۔ اس زمانے میں بیت المقدس بلکہ تمام ملکِ شام میں عمالقہ کا تسلط تھا اور مدین سے مصر کو جاتے ہوئے ادھر راستہ نہ تھا پھر کس طرح موسیٰ کوہِ زبیر کی طرف آئے۔ لامحالہ طورِ سینا ہی مراد ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ مدین سے مصر کو جانے والے کے بائیں جانب طورِ سینا پڑتا ہے۔ دائیں جانب نہیں پڑتا تو یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ آیت فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ میں صاف صراحت ہے کہ وادی ایمن کے کنارے یہ ندا ہوئی تھی، یہ کہیں ثابت نہیں کہ سرِ راہ موسیٰ جا رہے تھے۔ بات یہ ہوئی کہ جب حضرت شعیب کے پاس حضرت موسیٰ واپس آئے اور مصر کے ارادے سے چل دیئے تو وادیٔ سینا میں اترے قیام کیا۔ بائیں جانب دور سے آگ روشن نظر آئی۔ آگ یعنی اسی رخ پر چل دیئے۔ وہاں نعمتِ رسالت سے سرفراز ہوئے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت بھی آپ کا رخ مصر کی جانب تھا۔ بلکہ اس وقت آگ کی طرف توجہ تھی اور آگ کی طرف رخ کرنے کے وقت طورِ سینا دائیں جانب واقع ہوا تھا۔

(۳) جب وادیٔ ایمن کے کنارے سے ندائے غیبی آئی۔ موسیٰ کی روح سے مادی پردہ ہٹ گیا۔ نورِ قدم جگمگانے لگا۔ مرتبۂ قرب حاصل ہوا۔ غیبی اسرار کا انکشاف ہوا۔ موسیٰ نے مناجات کی۔ تسلی بخش جواب سے سرفراز کیا گیا۔ تبلیغِ احکام پر مامور ہوئے۔ فرعون کو ہدایت کرنے کا حکم ملا۔ موسیٰ نے اپنی زبان

toobaafoundation.com

کی گرہ کھولنے کی استدعا کی فوراً زبان آور اور فصیح اللسان ہو گئے الکنت جاتی رہی۔ اکیلے تھے مصر میں کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ بھائی کی محبت نے جوش مارا۔ عرض کیا پروردگار! ہارون کو میرے ساتھ کر دے تاکہ وہ میری ہمنوائی کرے۔ غرض قبول ہو گئی۔ ہارون کو نبوت عطا ہوئی۔ موسیٰ کی خلافت اور وزارت کا درجہ مرحمت ہوا۔ ابن جریر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ہارون موسیٰ سے بڑے تھے۔ بعض سلف نے چار سال بڑا لکھا ہے۔

(۴) حضرت اسماعیل کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ صادق الوعد تھے۔ سب انبیاء صادق الوعد ہوتے ہیں کوئی وعدہ خلافی نہیں کرتا پھر اسمٰعیل کی تخصیص کیوں کی؟ اس کی توجیہ مفسر سراج وغیرہ نے مختلف طور پر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے اسمٰعیل نے اپنے کسی دوست سے سرراہ ٹھہرے رہنے کا وعدہ کیا تھا جا کر بھول گیا اور آپ سال بھر وہیں کھڑے رہے کسی نے کچھ اور تاویل کی ہے، لیکن میرے نزدیک اگر روایۃً یہ واقعات صحیح ثابت بھی ہو جائیں تب بھی ناقابلِ اعتناء ہیں، حقیقی وجہ کچھ اور ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے (اُس حکم کی تعمیل کے لئے جو حضرت ابراہیم کو خواب میں ملا تھا اور جس کی حقیقت سربستہ تھی۔ نہ ابراہیم اس کی علت سمجھے تھے نہ اسمٰعیل) اپنی جان کو راہِ خدا میں قربان ہونے کے لئے پیش کرنے کا وعدہ حضرت ابراہیم سے کر لیا باپ کے خواب پر اٹھارہ سالہ نوجوان کا یہ ایثار قابل ستائش تھا۔ وعدہ کرنے کے بعد اس کو پورا بھی کیا۔ ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ گویا قربان ہو بھی ہو گئے۔ کیوں کہ چھری حلقوم پر پھر ہی گئی۔ مگر عالم غیب میں کوئی اور راز مخفی تھا، اس لئے بحکم الٰہی محفوظ رہے۔ صادق الوعد ہونے سے اسی طرف اشارہ ہے۔ دیگر انبیاء بھی راہِ حق میں قربان ہوئے۔ یحییٰ، زکریا، اشعیاء، ارمیاء وغیرہ سب ہی جاں نثار تھے۔ مگر جاں نثاری کی وجہ ظاہر تھی تبلیغِ حق کر رہے تھے۔ قوم دشمن ہو گئی۔ انہوں نے اعلانِ توحید اور اصلاح خلق سے ہاتھ نہ اٹھایا، قوم نے شہید کر دیا؛ مگر اسمٰعیل کی قربانی تو انوکھا انداز اور یہی کیفیت رکھتی ہے۔ خود اپنے ارادے سے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اپنے کو ذبح کرنے کے لئے پیش کیا اور حکمِ ذبح کی وجہ بھی معلوم نہیں نہ کوئی اور مقصد پیشِ نظر ہے۔ یہ قربانی دیگر انبیاء کی قربانی سے بالاتر ہے۔ صداقت وعدہ اسی کو کہتے ہیں۔

(۵) حضرت اسمٰعیل رسول اور نبی تھے جو لوگ رسول کو صاحبِ شریعت کہتے ہیں ان کے نزدیک حضرت اسمٰعیل کی شریعت کا مستقل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر وہ قائل ہیں کہ اسمٰعیل کو بعض خصوصی احکام عطا کئے گئے تھے۔ کعبہ کا طواف، حج اور شکار کے بعض مسائل آپ کے لئے مخصوص تھے اور قبیلۂ جرہم کی ہدایت کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ہم نے رسول و نبی کی جو توضیح کر دی ہے وہی صحیح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ حضرت اسمٰعیل کی خصوصیات ثبوت طلب ہیں۔ کعبہ کا طواف حضرت ابراہیم نے بھی کیا تھا۔ آپ بھی حج کو آئے تھے۔ اسمٰعیل کی کوئی خصوصیت نہیں حضرت اسمٰعیل کا ایک مدحیہ وصف یہ تھا کہ آپ اپنے اہل کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ ابن عباس کے نزدیک صلوٰۃ سے وہ طریقۂ عبادت مراد ہے جو اس وقت تھا اور زکوٰۃ سے عام خیرات صدقات مراد ہیں۔ گویا عبادت جسمانی اور عبادت مالی دونوں باتوں کی ہدایت حضرت اسمٰعیل کیا کرتے تھے۔ اھل سے مراد گھر والے اور اصفہانی کے نزدیک افرادِ امت مراد ہیں۔ ہر نبی نماز اور صدقات کا حکم دیتا اور آغازِ تبلیغ اپنے گھر والوں ہی سے کرتا ہے۔ پھر حضرت اسمٰعیل کے ان اوصاف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیوں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ نماز نام ہے انتہائی عاجزی، کمزوری، تذلل اور خضوع و خشوع کا جس کو بندہ اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں سر نیاز جھکا دیتا ہے، اپنا سر پیش کرتا ہے، روح کی نذر بغرض قبول سامنے لاتا ہے، اللہ کے سوا ہر خیال کو دل سے خالی کر لیتا ہے۔ آخری نماز یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سجدہ میں اپنی خوشی سے حلقوم پر چھری پھروا لے۔ اس کے بعد مالی قربانی کا درجہ ہے حضرت اسمٰعیل میں یہ دونوں اوصاف بدرجۂ اکمل موجود تھے۔ اس لئے آپ ہر وقت چاہتے تھے کہ گھر والوں میں یا عام قوم والوں میں ایثار مالی اور قربان نفسی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ہر وقت جان و مال کی بازی لگانے کا حکم دیتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ نے ان کو پسند کر لیا، چُن لیا، انتخاب کر لیا۔

(۶) حضرت ادریس بھی نبی تھے۔ صدیق بھی تھے۔ ادریس کا لفظ عربی ہے یا عجمی؟ آپ کا اصل نام کیا تھا۔ آپ کا لقب کیا تھا؟ یہ تمام مباحث طوالت طلب ہیں۔ ہم مختصر طور پر لکھتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک عربی لفظ ہے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ (حنوک) تھا۔ آپ حضرت نوح کے پر دادا تھے۔ حضرت آدم کے پوتے اور حضرت شیث کے بیٹے تھے۔ یونانی فلسفہ والے آپ کو ہرمس اوّل کہتے تھے اور حقائق کونیہ کا سب سے

toobaafoundation.com

بڑا ماہر جانتے تھے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ علم نجوم، علم حساب اور فن کتابت کے آپ ماہر تھے۔ آپ ہی نے ان علوم کی ایجاد کی۔ کپڑا سینا بھی آپ ہی نے سکھایا۔ بعض ہتھیاروں کی ایجاد بھی آپ ہی کی منت کش ہے۔ بقول اہل کتاب آپ پر ۳۰ صحیفے نازل ہوئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کثیر العبادت تھے۔ کثرت عبادت کے سبب تمام فرشتے دوست ہو گئے تھے ایک بار آپ نے ملک الموت سے موت کا ذائقہ چکھنے کی خواہش کی۔ فرشتۂ موت نے روح نکال کر دوبارہ جسم میں ڈال دی اور عالم برزخ میں پہنچا دیا۔ آپ زندہ ہو کر دوزخ کی سیر کے خواہاں ہوئے حسب الحکم دوزخ کی سیر کی پھر جنت کی سیر کی خواہش کی۔ جنت میں پہنچے تو وہیں رہ گئے اور فرمایا میں نے موت کا مزہ بھی چکھ لیا، دوزخ بھی دیکھ آیا اب جنت سے کیوں نکلوں۔ بالآخر بحکم الٰہی وہیں رہنے لگے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی بنا پر اسرائیلی ملفوظات پر ہے جو کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ ائمۂ حدیث و روایت نے ان کی تغلیط کی ہے، لیکن آیت قرآنیہ کا سمجھنا ان روایات پر موقوف نہیں۔ رفعت مکانی کا کوئی قصہ روایات صحیحہ سے ثابت نہیں، اس لئے وثوق کے قابل نہیں۔

رفعت سے مراد علو مرتبہ اور قرب الٰہی کا حصول ہے۔ چونکہ حضرت ادریس دنیا سے سیر ہو چکے تھے اور خود وفات کے طالب تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ خدا تعالیٰ نے صراحت فرما دی کہ ہم نے ادریس کو علو مرتبہ اور رفعت عزت عطا فرمائی (اور وفات دے کر) مقام علیین میں بھی بلند مقام عنایت کیا۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مذکورۂ بالا تمام انبیاء جو آدم کی اولاد میں سے تھے۔ ان میں سے بعض کا نسلی تعلق ان لوگوں سے تھا جو نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر بچ رہے تھے اور نیچے آکر یہ لوگ ابراہیم و یعقوب کی اولاد میں سے تھے۔ ان سب کو خدا تعالیٰ نے راہ راست بتائی تھی۔ اپنے لئے انتخاب کر لیا تھا۔ یہ سب اللہ کے فرماں بردار شکوہ کار بندے تھے، احکام الٰہی کی تلاوت اور مناظرات کے مطالعہ کے وقت روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے اور سر نیاز جھکا دیتے تھے۔

مقصود بیان حضرت موسیٰ کا تذکرہ کر کے یہودیوں کو ایمان، عمل خیر اور اطاعت و فرماں برداری کی تلقین کرنی مقصود ہے اور ضمناً اس بات کا اظہار کرنا غرض ہے کہ جو لوگ اللہ کے فرماں بردار اور اطاعت شعار ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو دنیا ہی میں اپنے انعام سے سرفراز فرماتا ہے۔ آیات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کو آواز الٰہی پہنچی تھی۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے مکالمہ بھی کیا تھا اور آپ ہی کی دعا سے حضرت ہارون کو نبی بنایا گیا تھا۔ مِنْ رَّحْمَتِنَا کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں بلکہ وہبی ہے۔ حضرت اسمٰعیل کو صادق الوعد کہنا یہ بات بتا رہا ہے کہ صدق و وعدہ جس حد تک بھی ہو قابل مدح فعل ہے۔ آخری آیات میں صراحت ہے کہ گزشتہ انبیاء میں جو خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ وہ خود بخود برگزیدہ نہیں ہو گئے تھے بلکہ عبرت اندوز نظر، بصیرت کوش فکر، پُر اثر دل، فرماں پذیر جذبات رکھتے تھے، نہ رعونت تھی۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

اُن کے بعد ایسے ناخلف آئے جنھوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے سو عنقریب

يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

وہ گمراہی کی سزا پائیں گے ہاں جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لے آئے اور نیک کام کئے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے

وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ

اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اُن دوامی جنتوں میں (داخل ہونگے) جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر لیا ہے

toobaafoundation.com

إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ○ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا

بلاشبہ اس کا وعدہ ضرور آئے گا وہاں بجز سلام کے کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور صبح و شام وہاں ان کی روزی

بُكْرَةً وَعَشِيًّا ○ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○

ان کو ملے گی یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔

تفسیر آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء و صلحا کے بعد ان کے جانشین ایسے نالائق اور نافرماں بردار لوگ ہوئے جنھوں نے عبادت الٰہی کے ادا کرنے میں سستی کی، وقت پر ادا کرنے میں تاخیر کی یا بالکل ترک کر دیا۔ خواہشات نفس کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کی سزا جہنم ہے۔ ہاں جن لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی۔ اللہ کی وحدانیت، انبیاء کی رسالت، روز قیامت اور ضروریات دین کو دل سے مانا اور شریعت کے مطابق نیک اعمال کئے وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ ذرہ برابر ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی الخ۔

تحلیل اجزاء فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔ سدی کے نزدیک خَلْف سے مراد یہود اور متبعین یہود ہیں۔ ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مذکورہ صفات کے لوگ آخر زمانے میں ہوں گے جو بازاروں میں ایک دوسرے پر کود یں گے (بعض علی الاعلان فحش پرستی میں مبتلا ہوں گے) میرے نزدیک تخصیص کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ احادیث سے یہودیوں کی تعیین ثابت نہیں نہ آخر زمانے کی خصوصیت منقول ہے، اس لئے عام معنی مراد لینا اولیٰ ہے۔ ہر نبی کے امتی جو نفس پرست خواہشات کے پرستار، فرائض الٰہیہ کی ادائیگی میں سستی کرنے والے اور قوانین الٰہی کے خلاف ورزی کرنے والے ہوں سب حکم آیت میں داخل ہیں۔

أَضَاعُوا الصَّلَاةَ۔ سدی و قتادہ کے نزدیک فرض نماز کا ترک کرنا مراد ہے۔ ابراہیم نخعی اور ابن مسعود کے نزدیک تاخیر نماز مراد ہے۔ میں کہتا ہوں لفظ اضاعت دونوں کو شامل ہے بلکہ ترک صلوٰۃ ہو یا وقت سے تاخیر یا سستی یا ارکان نماز کا عدم اعتدال اضاعت کے مفہوم میں سب داخل ہیں۔

غَيًّا حدیث میں آیا ہے کہ جہنم کے اندر غَیّ ایک وادی کا نام ہے۔ (رواہ الحاکم) ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا ساٹھ برس کے بعد نالائق لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کریں گے اور شہوات کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ یہ لوگ غَیّ (طبقۂ جہنم) کو پائیں گے۔ ان کے بعد اور نالائق لوگ پیدا ہوں گے جو تلاوت قرآن کریں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ قرآن پڑھنے والوں کے تین (گروہ) ہوں گے مومن اور منافق اور فاجر (رواہ ابن ابی حاتم) لبشیر بن ابو عمرو راوی نے ولید بن قیس سے دریافت کیا کہ قرآن پڑھنے والے تین گروہوں (کے درمیان یہ تفرقہ) کیسا؟ ولید نے جواب دیا مومن ایمان رکھتے ہوئے قرآن پڑھے گا۔ منافق کے دل میں یقین نہ ہوگا، مگر وہ بھی پڑھے گا اور فاجر کی غرض قرآن پڑھنے سے کمائی کرنی ہوگی۔ (کذا رواہ احمد)

إِلَّا مَنْ تَابَ انسانی سعادت تین امور پر موقوف ہے (۱) عقائد اعمال اور اقوال کی خرابیوں سے صداقت کے ساتھ رجوع کرنا اور اس امر کا سچے دل سے اقرار کرنا کہ آئندہ کوئی گناہ اور غلطی نہیں کروں گا۔ (۲) ضروریات شرعیہ کو سچا جاننا اور عالم غیب و شہود کے متعلق تمام منصوصات قرآنیہ کا اعتراف کرنا (۳) اوامر شرعیہ کے مطابق عمل کرنا اور احکام الٰہیہ پر کاربند ہونا۔

اس تقریر کی وضاحت کے لئے بطور تمثیل اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ کسی کثیف رنگ آلود برتن کو منظور نظر، قابل قدر اور مرغوب طبع بنانے اور اعلیٰ ترین ظروف کی فہرست میں داخل کر کے شاہی پیش کش میں لانے کے لئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ اس کا رنگ اور میل کچیل صاف کیا جائے اور ہر قسم کی کثافت سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ اس کے بعد اس پر مالش اور پالش کیا جائے۔ پھر ظاہری طور پر اس کو سجا بنا کر کشتی میں لگا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہی صورت انسان کی گناہگار روح اور کفر آلود قلب کی ہے۔ کفر و عصیان کا زنگ پہلے دھونا لازم ہے یعنی گزشتہ معاصی

toobaafoundation.com

سے توبہ ضروری ہے تخلیہ کے بعد تجلیہ اور پالش کی ضرورت ہوتی ہے یعنی عقائد صحیحہ کا ہونا لازم ہے۔ پھر تجلیہ اور آراستگی آخری چیز ہے۔ یعنی اعمال حسنہ اور اقوال طیبہ کی ضرورت ہے۔ تاکہ انسان کی کثیف روح اور سیاہ دل شہنشاہِ حقیقی کے ملاحظہ میں جانے کے قابل ہو جائے اور سعادت ابدی حاصل کر سکے۔ ہر سہ امور کی تعبیر تَابَ اور اٰمَنَ اور عَمِلَ صَالِحًا سے آیت مذکورہ میں فرمادی۔

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ۔ اس آیت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جن کو جنت اور سعادت ابدی کا غیبی یقین ہے دائرۂ احساس سے اگرچہ جنت خارج ہے نہ کبھی آنکھ سے دیکھی نہ کان سے اس کی حقیقی کیفیت سنی نہ دماغ سے اس کا تصور کیا، مگر شرعی صراحت پر ان کا ایمان ہے۔ شیطانی شکوک واوہام کو قطعاً دخل نہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے مراد دل ہے یعنی جنتی وہ لوگ ہیں جو ریاکاری کے لئے پرستش نہیں کرتے بلکہ خلوص دل سے عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دلوں کو اللہ کا پرستار بنا رکھا ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے سچے دل کے ساتھ متنفر ہیں۔

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا جنت میں نہ صبح ہوگی نہ شام بلکہ نور ہی نور ہوگا، اس لئے صبح شام سے مراد دو پہرے اوقات ہیں۔ ابن جریر نیساتہ زبیر بن محمد بیان کیا کہ جنت میں رات نہیں ہے وہ لوگ ہمیشہ نور میں ہوں گے۔ ہاں ان کے واسطے مقدار شب و روز کی ہوگی۔ ترمذی نے نوادر الاصول میں حسن بصری اور ابو قلابہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جنت میں رات ہوگی؟ ارشاد فرمایا تو نے کس باعث یہ دریافت کیا؟ عرض کیا حضور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا اس آیت سے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جنت میں صبح شام ہوگی۔ ارشاد فرمایا وہاں رات نہیں ہے روشنی روشنی ہے۔ اول وقت گیا آخر وقت آیا۔ آخر وقت گیا اوّل وقت آیا (یعنی اوقات تو کل نورانی ہیں، مگر اوقات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے) اہلِ جنت کے پاس ان اوقات میں تحفے اور ہدیے آتے رہتے ہیں جن میں دنیا کے اندر نمازیں پڑھتے تھے اور ملائکہ ان کو سلام پہنچاتے ہیں۔

مَنْ كَانَ تَقِيًّا۔ تقویٰ کے مختلف مدارج و مراتب ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کفر و شرک سے آدمی پرہیز رکھے اور اعلیٰ درجہ نبوت کا ہے۔ لہٰذا التقی کا لفظ ہر مومن کو شامل ہے۔ خواہ نیکوکار ہو یا بدکار۔ اچھا ہو یا بُرا۔

مقصود بیان اضاعتِ صلوٰۃ اور اتباعِ شہوات کی بلیغ مذمت اور نفس پرست بندگانِ ہوا و ہوس کے جہنمی ہونے کی صراحت۔ اِلَّا مَنْ تَابَ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر گناہ توبہ کے بعد معاف ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ توبہ کی تین شرائط پر عمل ہو۔ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا میں صاف صراحت ہے کہ وعدۂ الٰہی میں دروغ کی آمیزش محال ہے۔ اس کا ہر وعدہ لازم الوفا ہے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ سے یہ امر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ علاوہ روحانی اور مادی لذتوں کے اہلِ جنت کو مکالمات میں بھی کوئی ناخوشگوار اور ایذا رساں بات نہ سننی پڑے گی۔ مَنْ كَانَ تَقِيًّا میں مومن کو امیدوارِ جنت قرار دے دیا۔ خواہ وہ نیک ہو یا بدکار، گنہگار ہو یا فرماں بردار۔ البتہ در پردہ اہلِ شرک و کفر کی امید نجات توڑ دی کیونکہ ان کو تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہیں۔

کل آیات میں بدکاروں کی مذمت اور نیکوں کی مدح ہے۔ اول فرقہ ناری اور دوسرا ناجی ہے وغیرہ۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ

ہم (فرشتے) بغیر تمہارے رب کے حکم کے نہیں اُترتے اُسی کا ہے جو ہمارے آگے پیچھے اور اس کے درمیان میں

ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے آسمانوں کا زمین کا اور ان کی درمیانی چیزوں کا مالک ہے

toobaafoundation.com

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ؏

پس (اے نبی) اُس کی عبادت اور اس کی عبادت پر قائم رہو کیا تم اُس کا ہم پلہ کسی کو جانتے ہو

تفسیر خطیب نے سراج میں قتادہ وکلبی کا قول نقل کیا ہے کہ بمشورۂ یہود جب قریش نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق حضور اقدسؐ سے استفسار کیا تو حضورؐ نے ان سے وعدۂ فردا کر لیا، مگر انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا، اس لئے جبرئیل کے نزول میں ۱۲ یا ۱۵ یا ۴۰ یا تین روز کی تاخیر ہوئی پھر جب جبرئیل آئے اور حضورؐ نے وجہ تاخیر دریافت کی تو جبرئیل نے بحکم الٰہی مذکورہ بالا الفاظ کہے۔ امام احمد، بخاری، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ رسول اقدسؐ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا آپ ہمارے پاس ملاقات کے لئے اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو مذکورۂ بالا جواب دینے کا حکم دیا۔

اجزائے تحلیلی وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ اہل تفسیر نے اس آیت کے دو معنی بیان کئے۔ اوّل یہ کہ ہمارا نزول خود اختیاری نہیں بلکہ جب حکم الٰہی ہوتا ہے اس وقت ہم اترتے ہیں۔ اس سے پہلے چونکہ حکم خداوندی نہیں ملا، اس لئے ہم نہیں نازل ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم بلا وجہ نہیں اترتے ہیں جس وقت شریعتِ الٰہیہ کا کوئی حکم نازل کرنا ضروری ہوتا ہے اس وقت ہمارا نزول ہوتا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے شریعت کا کوئی جدید حکم خدا تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا تھا، اس لئے ہم بھی نہیں آئے تھے۔ اکثر مفسرین نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ۔ مَابَیْنَ ایدینا سے دنیا اور مَاخَلْفَنَا سے آخرت اور مَابَیْنَ ذٰلِکَ سے نفخۂ اول و نفخۂ دوم کا درمیانی وقت اور حال مراد ہے۔ ابن کثیر نے اس قول کو ابو العالیہ، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، سدی کی طرف منسوب کیا ہے بعض اہل تفسیر نے مابین ایدینا سے امر آخرت اور ماخلفنا سے امر دنیا مراد لیا ہے اور اس قول کو ابن عباسؓ، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بعض اہل تحقیق کا قول ہے کہ آیت میں جو تین الفاظ مذکور ہیں ان سے فقط جہات ہی مراد نہیں بلکہ سمت و مکان ہو یا زمانہ ماضی و استقبال و حال سب کو الفاظ شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم سے پہلے کا زمانہ اور موجودہ زمانہ اور آنے والا زمانہ نیز وہ مکان جو ہم سے پیچھے ہے یا ہم سے آگے ہے یا پیچھے اور آگے کے درمیان ہے غرض کل عالم اور عالم کی کل کیفیت، کمیت، زمان، مکان، حالت، ہیئت، نوعیت وغیرہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا مجاہد کے قول پر اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے نبی! تمہارا رب تم کو بھولنے والا نہیں۔ یعنی تاخیر وحی سے یہ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ تم کو بھول گیا۔ اب تمہارے پاس وحی نہ بھیجے گا۔ سدی نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ عام مفسرین کے نزدیک نسیان سے حکم کا نسیان مراد ہے۔ یعنی اللہ جو حکم نازل فرماتا ہے اس کو بھولتا نہیں ہے۔ جو حرام کر دیا وہ حرام ہو گیا جو حلال کر دیا وہ حلال ہو گیا اور جس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا وہ معاف ہے، لیکن فیصلہ نہ کرنا نسیان کی وجہ سے نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نسیان سے پاک ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری تاخیر نزول کا سبب یہ ہے کہ کوئی حکم نہیں ملا تھا اور حکم نہ ملنا نسیان کی وجہ سے نہ تھا، خدا تعالیٰ نسیان سے پاک ہے۔ بلکہ تاخیر حکم اللہ کی مصلحت و حکم پر مبنی ہے وہی محیط کل ہے اور کل کائنات کا رب ہے۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو الدرداء اور جابر نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو کچھ حلال فرمایا وہ حلال ہے، اور جو کچھ حرام فرمایا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ پس عفو الٰہی سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ اللہ کی شان نہیں کہ کسی بات کو بھول جائے (اور بھولنے کی وجہ سے کسی امر کی حرمت، وحلت کی صراحت نہ فرمائے۔ کلام مذکور فرمانے کے بعد حضور اقدسؐ نے آیت مذکورہ پڑھی۔ (رواہ البزار وابن المنذر وابن مردویہ والطبرانی والبیہقی وصححہ)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیل کی طرف سے ارشاد فرمایا ہم خود نہیں آتے بلکہ پروردگار کے حکم سے آیا کرتے ہیں۔ وہ مصلحتِ وقت

toobaafoundation.com

سے خوب واقف ہے۔ اس کو ابتدا، انتہا اور حال کا پورا علم ہے۔ تاخیر نزول سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ آپ کو باقتضائے وقت بھول گیا۔ کیونکہ وہ بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ کل کائنات کا پروردگار ہے اور ربوبیت بغیر کمال علمی کے ہو نہیں سکتا۔ تو جب کل عالم کو اس کا علم محیط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تم کو یا وحی بھیجنے کو بھول جائے۔ لہٰذا ہمارے نزول کی تاخیر سے تم ملول نہ ہو بلکہ اللہ کی عبادت پر قائم رہو اور صبر کرو۔ یہ آخری فقرہ حضورؐ کو تسلی دینے کے لئے نازل ہوا۔ کیونکہ جب وحی میں تاخیر ہوئی تو وہ جھوٹا اور حیلہ ساز کہنے لگے۔ کوئی بولا اب تمہارا خدا تم کو بھول گیا۔ حضورؐ کو ان اقوال سے فطرۃً تکلیف ہوئی اور چونکہ ہر رنج کا علاج اہل روحانیت کے نزدیک نماز ہے، اس لئے نماز پر قائم رہنے کا حکم ہوا۔

مقصود بیان فرشتے اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کا دنیا میں آنا بھی بغیر حکم الٰہی کے نہیں ہوتا، وہ تفریح کرنے یہاں نہیں آتے بلکہ خدمات مفوضہ کو ادا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اللہ نسیان سے پاک ہے۔ رسول پاکؐ بھی حکم عبادت سے مستغنی نہیں تھے وغیرہ۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ

(کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا کیا آدمی یاد نہیں کرتا

أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ

کہ ہم نے اس سے پہلے اس کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا قسم ہے تمہارے رب کی ہم اُن کو اور شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے پھر

لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ

گھٹنوں کے بل دوزخ کے آس پاس ضرور حاضر کریں گے پھر ہر فرقہ میں سے اس شخص کو علیحدہ نکال لیں گے جو سب سے زیادہ

عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِن

رحمٰن سے سرکش تھا پھر ہم اُن لوگوں سے بھی زیادہ واقف ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ قابل ہونگے اور تم میں

مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ

سے کوئی ایسا نہیں جس کا دوزخ پر گزر نہ ہو تمہارے رب پر یہ وعدہ لازمی مقرر ہے اس کے بعد ہم پرہیزگاروں کو

اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝

بچا لیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے

تفسیر کلبی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول اُبی بن خلف کے حق میں ہوا۔ ایک مرتبہ اُبی نے بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا محمدؐ کا زعم غلط ہے کہ ہم لوگ مرجانے کے بعد زندہ کئے جائیں گے (سراج) بعض مفسرین نے الانسان سے ولید بن مغیرہ یا ابوجہل کو مراد لیا ہے۔ ابن جریج کے نزدیک عاص بن وائل مراد ہے۔ ابن کثیر نے عموماً بغیر تخصیص ان کفار کو مورد آیت قرار دیا ہے

toobaafoundation.com

جو کہ حشر کے منکر تھے۔

کفار عرب وجود قیامت کی تصدیق نہ کرتے۔ کیونکہ مرنے کے بعد وہ انسان کو معدوم خیالی کر لیتے تھے اور اعادۂ معدوم محال تھا، اسلئے مرنے کے بعد دوسری زندگی ان کی نظر میں ناممکن تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں نہایت معجزانہ بلاغت کے ساتھ کفار کے شبہ کو زائل فرما دیا، جس سے اصل مدعا کا ثبوت واضح ہو جاتا ہے۔ معدوم دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) معدوم مطلق یعنی وہ معدوم جس کا مادہ اور قوامی عنصر بھی موجود نہ ہو، گویا وہ لاشئ محض اور ہیچ ہو (۲) معدوم مثبت یعنی وہ معدوم جس کا مادہ موجود ہو، مگر صورت جسمیہ کا تغیر تبدل ہوتا رہے۔ ایک صورت جسمیہ کے اعتبار سے اس کو موجود کہا جاتا ہے، جب وہ صورت زائل ہو جائے اور دوسری صورت آجائے تو اس کو معدوم کہا جاتا ہے۔ پیدائش سے قبل حسب صراحت شریعت انسان معدوم مطلق تھا، نہ اس کا کوئی قوامی مادہ موجود تھا نہ کوئی اور تخلیقی عنصر تھا۔ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو نیست سے ہست کیا، مادہ پیدا کیا، صورت بنائی، دونوں کو ترکیب دے کر انسان نام رکھا۔ مدتِ حیات پوری ہونے کے بعد یہی انسان مرجاتا ہے۔ یعنی اس کی موجودہ صورت ترکیبی زائل ہو جاتی ہے، اجزاء پراگندہ ہو جاتے ہیں، خاکی حصہ خاک میں، ہوائی اجزا ہوا میں، آتشی اجزاء آگ میں اور آبی اجزا پانی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ گویا مرنے کے بعد انسان معدوم مطلق نہیں ہو جاتا بلکہ ایک اعتبار سے موجود رہتا ہے۔ ظاہر ہے جس خدا نے معدوم مطلق کو موجود کیا، جب کہ مادہ بھی موجود نہ تھا تو ایجاد کیا۔ اب معدوم مثبت کو کیا وہ موجود نہیں کر سکتا۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ میری تکذیب اس کو روا نہ تھی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ باوجودیکہ مجھے ایذا دینا اس کے لئے جائز نہ تھا۔ اس نے میری تکذیب کی تو اس طرح کی کہ اس نے کہا کہ اللہ ہرگز دوبارہ مجھے اس طرح پیدا نہ کرے گا جس طرح پہلی مرتبہ کیا۔ حالانکہ تخلیق ثانی تخلیق اول سے آسان ہے اور اس نے مجھے ایذا اس طرح دی کہ مجھے صاحب ولد قرار دیا حالانکہ میں احد صمد، لم یلد ولم یولد ہوں (رواہ الخطیب فی السراج)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ غافل انسان اتنا نہیں سوچتا کہ جب خدا نے نیست سے ہست، اور معدوم سے موجود کیا تو کیا وہ دوبارہ کو مجتمع اور منتشر کو مرکب نہیں کر سکتا۔ کیا ترکیب ثانی اوّل سے دشوار ہے۔

اس کے بعد کفار اور ان کے گمراہ کرنے والے شیاطین کو جو حشر و انجام قیامت کے دن ہوگا اس کو تنبیہ انگیز اور وعید آمیز طرز بیان کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے تاکہ بیان کی دونوں صنفیں مکمل ہو جائیں۔ برہانی اور خطابی دونوں طریقوں سے مدعا کا ثبوت ہو جائے۔ اہل دانش غور و خوض کرنے کے بعد اور سطحی نظر رکھنے والے کوتاہ بین ڈر کر ایمان کی طرف آجائیں اور قیامت کا اقرار کرنے لگیں۔

اجزائے تحلیلی

لَنَحْشُرَنَّهُمْ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ دنیا میں طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے جن پر انسان ریجھ جاتا ہے۔ قیامت کے دن جب میدانِ حشر میں سب جمع ہوں گے تو امام و مقتدی اور گمراہ و گمراہ کنندہ کو ساتھ ساتھ جکڑا ہوا اور دونوں ایک زنجیر سے بندھے ہوں گے۔ قیامت کے میدان میں ایک مدت تک دھوپ میں کھڑے ہونے اور بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنے کے بعد جہنم کے پاس سب کو جمع کیا جائے گا تاکہ ہولناک منظر دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے رنج و غم اور اندوہ تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ اگلے گروہ کو سامنے سے روک لیا جائے گا تاکہ پچھلا گروہ بھی آجائے اور جب سب جمع ہو جائیں گے تو بڑوں میں سے علی الترتیب مجرموں کو چھانٹ لیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا ہر مذہب والوں میں سے جو شخص بدکاری کا پیشوا ہوگا اس کو چھانٹ کر آگے بڑھا جائے گا۔ ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ اس آیت میں یا تو خطاب صرف کافروں کو ہے۔ اس وقت کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ یا خطاب عام انسانوں کو ہے خواہ کافر ہوں یا مومن سب جہنم میں وارد ہوں گے۔ لیکن آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ..... دلالت کر رہی ہے کہ نیکوکار بندے دوزخ سے دور رہیں گے، اس لئے آیت مذکورہ کی علماء نے دو تاویلیں کی ہیں۔ اول تو یہ کہ کافر و مومن سب جہنم میں داخل ہوں گے، لیکن مومنوں کو جہنم میں داخل ہونے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ آگ ان کے حق میں خنکی اور سلامتی کا باعث

toobaafoundation.com

ہوگی۔ جس طرح ملائکہ جہنم کو آگ کوئی دکھ نہیں پہنچائے گی۔ اسی طرح اہل ایمان کو بھی نارِ جہنم سے کوئی ضرر نہ ہوگا۔ حضرت جابر کا یہی قول ہے۔

دوسری تاویل یہ بیان کی گئی ہے کہ ورود کے معنی داخل ہونا نہیں بلکہ پل صراط پر سے گزرنا مراد ہے۔ محاورۂ عرب میں قریب سے گزرنے کو ورود کہا جاتا ہے۔ صراط پر ہر شخص کا مرور ہوگا خواہ نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر، نبی مرسل ہو یا عامی گنہگار۔ حسن بصری، سدی، کعب احبار اور ابن عباس کا یہی قول ہے بلکہ بروایت سدی ابن مسعود یہ قول مرفوعاً منقول ہے۔ آیت کے آخری حصہ سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پل صراط پر سے سب کو گزرنا ہوگا، لیکن جو فیکوکار ہیں وہ دوزخ میں نہ گریں گے تیزی کے ساتھ عبور کر کے نکل جائیں گے اور جو کافر ہیں وہ گھٹنوں کے بل دوزخ کے اندر گر پڑیں گے۔

مقصودِ بیان برہانی اور خطابی طور پر ثبوت قیامت کا اظہار، کفار اور شیاطین کے اجتماع کی صراحت، ائمہ کفر اور پیشوایانِ بدکاری کو شدید وعید، دوزخ کے قریب ہر شخص کو پہنچنا ہوگا خواہ مومن ہو یا کافر وغیرہ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

جب اُن کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو مسلمانوں سے کافر کہتے ہیں کہ (بتاؤ) دونوں فریقوں میں سے کس کا

خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ

مکان بہتر اور کس کی مجلس اچھی ہے ہم ان سے پہلے بہتیری اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نمود

أَثَاثًا وَرِئْيًا ۝ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ

میں اُن سے بہتر تھیں (اے نبی) کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں رہتا ہے اللہ اُس کو خوب ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۚ فَسَيَعْلَمُونَ

یہاں تک کہ جب وہ چیز اُن کو نظر آجائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب ہو یا قیامت تب معلوم ہوگا

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا

کہ کس کا مکان بدتر ہے اور کس کی جماعت کمزور ہے اور ہدایت والوں کی ہدایت میں اللہ اضافہ کرتا

هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے ہاں باعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور باعتبار انجام کے بھی اچھی ہیں

تفسیر ظاہر بین محسوس پرست انسان چونکہ کوتاہ نظر ہوتا ہے، اس لئے اس کی نظر ہمیشہ دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب پر مقصور ہوتی ہے۔ اس کو حسیات خارجی سے باہر کوئی چیز نہیں نظر آتی اور اس مادی عالم کے پیچھے روحانی نازونعم دکھائی نہیں دیتا۔ اسی بنا پر کفار عرب جب ان آیاتِ قرآنیہ کو سنتے جن میں اہل اسلام کا برحق اور کافروں کا باطل پرست ہونا ظاہر کیا گیا تھا تو غریب نادار مسلمانوں کو چھیڑنے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اسلام حق پر ہیں تو بتاؤ وسیع اور بلند مکانات اور اسباب معیشت کی فراخی کس کو حاصل ہے۔ مکان کس کا

toobaafoundation.com

اور محفل کس کی اچھی ہے۔ تم نے مسلمان ہو کر کیا کیا۔ ذرا اپنا حال تو دیکھو نہ رہنے کو گوشہ نہ کھانے کو توشہ۔ اس پر بھی غور کرو کہ ہمارے مجمع میں کس قدر عالی قدر سردار اور بلند مرتبہ صنادید و اشرافِ عرب داخل ہیں اور روزانہ کس شان کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں محمد کی مجلس کو دیکھو چند بے کس بے بس، شکستہ اور خستہ حال فقیر، ذلیل اور بے نوا غلام، مفلس اور نادار گداگر۔ ان کے سوا ان کے پاس اور کون جاتا ہے۔ بے وقوف کوتاہ بین طبقے کے خیال کی تردید کرتے ہوئے خدا تعالیٰ بطور تمثیل فرماتا ہے کہ ان سے پہلے بڑے ساز و سامان اور نام و نمود والے گزر رہے ہیں، لیکن ان کی شان و شکوہ، جلال و جبروت، دولت و ثروت، عزت و جاہ، حکومت و تسلط، زور اور چیرہ دستی ہماری دستبرد ان کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ حاصل ارشاد یہ کہ دنیوی جاہ و جلال اور دولت و مال لائق تفاخر نہیں۔ یہ سب کا سب سرمایۂ فنا ہے۔ آخرت میں زینتِ دنیا کچھ کام نہ آئے گی۔ یہاں تک تو طرز بیان استدلال تمثیلی کے طور پر تھا۔ نظیر کو نظیر پر قیاس کر کے گزشتہ کافروں کا نتیجہ موجودہ کافروں کی عبرت کے لئے فرمایا تھا۔ اس سے آگے زاجرانہ طرز میں طریق بیان بدل کر فرماتا ہے کہ اس وقت جتھے کی کثرت اور مکانات کی سربلندی پر کیا ناز کرتے ہو۔ جب مرنے کے بعد یا مرنے سے پہلے اپنے کرتوت کی سزا پاؤ گے یا قیامت کے دن عذابِ الٰہی کو دیکھو گے اس وقت معلوم ہوگا کہ مسکن اور مددگاروں کے اعتبار سے کون گروہ برا ہے۔ اس سے آگے مسلمانوں کو عمل صالح پر قائم رہنے اور استقامت و استقلال اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے لئے فرماتا ہے کہ جو لوگ راہِ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور راہ یاب ہونے کی کوشش کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔ یعنی کافروں کے نزدیک اہلِ ایمان کتنے ہی خوار و ذلیل ہوں خدا کے نزدیک وہ معزز و مکرم ہیں، کیونکہ کافروں کا سرمایۂ ناز فانی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ البتہ اہلِ ایمان نیکیاں باقی رہیں گی اور انہی کا مآل اچھا ہوگا۔

مقصودِ بیان کوتاہ بین محسوس پرست کافروں کی کوتاہیٔ نظر کی مذمت اور اس امر کی صراحت کہ دنیوی ساز و سامان قابلِ تفاخر نہیں۔ یہ فانی ہے اور فانی ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔

آیت مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ بتا رہی ہے کہ کفر و عصیان کے باوجود عیش و آرام کی فراوانی اور دولت و مال کی کثرت درحقیقت اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ حاملانِ ضلالت کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے، لیکن انجام کار ایسی گرفت کرتا ہے کہ چھٹکارا ناممکن ہو جاتا ہے۔

آیت وَيَزِيدُ اللّٰهُ الخ دلالت کر رہی ہے کہ جو لوگ راہِ حق کی تلاش میں رہتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ ہدایت کرہی دیتا ہے اور مردانِ حق کی ہر وقت امداد کرتا ہے۔ گمراہی اور باطل پرستی کے پردے ان کی نظروں سے اٹھا دیتا ہے، جلوۂ حق ان کو دکھا دیتا ہے اور ایمانِ استدلالی سے ایمان شہودی حاصل ہو جاتا ہے وغیرہ۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ

بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مال و اولاد مجھے ضرور ملے گی کیا اُس کو غیب کی خبر ہو گئی

اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ

یا رحمٰن سے اُس نے کوئی وعدہ لے لیا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم اس کے قول کو لکھ لیتے ہیں اور اُس کے عذاب کو بڑھاتے

مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

جائیں گے اور جو کچھ یہ کہتا ہے ہم اس کو لیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بنا لیا ہے

toobaafoundation.com

لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ ع

تاکہ وہ اُن کے لئے سبب عزت ہوں ہرگز نہیں عنقریب وہ ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور اُن کے مخالف بن جائیں گے

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اُن کو اُکساتے رہیں سو تم اُن پر جلدی نہ کرو

إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوقُ

ہم ان کے لئے گنتی پوری کر رہے ہیں جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو

الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝

پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہنکائیں گے سو اُن لوگوں کے جنھوں نے رحمٰن سے عہد لیا ہوگا اوروں کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا

تفسیر شروع میں انسان گناہ کرتا ہے اور اس کے دل پر کسی جگہ معمولی زنگ کا داغ پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی فطری نورانیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ روح میں کثافت اور دانش میں زنگ پیدا ہو کر جلوۂ حق سے اس کو دور کر دیتی ہے۔ اگر اس وقت توبہ کر لیتا ہے تو خیر ورنہ اس کا انہماک گناہ میں بڑھ جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی پرواہ کے گناہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ پہلے گناہ کا ارتکاب اتفاقی طور پر کرتا تھا، اب گناہ کاری اس کی عادت بن جاتی ہے، لیکن پھر بھی گناہ کو گناہ جانتا ہے۔ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھتا ہے۔ زنگ بڑھتے بڑھتے سیاہی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور سیاہی قلب کو تقریباً محیط ہو جاتی ہے۔ اس سے اگر آگے بڑھتا ہے تو گناہوں کا پردہ دل پر پڑ جاتا ہے۔ اس وقت اس کو گناہ گناہ نظر نہیں آتا۔ وہ گناہ کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھ کر کرتا ہے۔ یہ وقت سخت امتحان کا ہوتا ہے۔ اگر اس وقت بھی توبہ کر لی تو امید ہوتی ہے کہ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ سے قلب کی کثافت دور ہو جائے اور حق کا پرتو اس پر پڑنے لگے، لیکن اگر ذرا اور قدم آگے بڑھا تو بس دوامی تباہی کے غار میں گرا۔ اگر ایسا آدمی انبیاء و مرسلین اہل حق و یقین اور ارباب ہدایت کا مذاق اڑانے لگتا ہے، ان اقوال و ہدایات کو ہنسی سمجھتا ہے، تمام ارشادات و مواعظ اس کے لئے مزید گمراہی کا باعث ہوتے ہیں، دل پر گمراہی کی مہر لگ جاتی ہے اور کوئی کلمۂ حق دل کے اندر نہیں پہنچ سکتا ایسا شخص جہل مرکب میں مبتلا ہوتا ہے، اسی بدطینت مایوس الرشد گروہ میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا جس کا قصہ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں مفصل مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت خباب بن الارت مسلمان ہونے سے قبل لوہار کا کام کیا کرتے تھے اور ہتھیار بنایا کرتے تھے عاص بن وائل نے ان سے کچھ ہتھیار خریدے تھے۔ جب ادائے قرض میں تاخیر ہوئی تو خباب تقاضہ کے لئے عاص کے پاس گئے۔ عاص نے جواب دیا جب تک محمدؐ کی نبوت کا انکار نہ کرو گے میں کچھ نہ دوں گا۔ حضرت خباب نے جواب دیا اگر تو مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو تب بھی مجھ سے یہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ عاص بولا کیا میں مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوں گا۔ خباب نے جواب دیا اس میں شک ہی کیا ہے سب کو مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے اور اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہے۔ خدا کے روبرو سب کے حقوق کا فیصلہ ہوگا۔ عاص بولا اچھا وہاں بھی تو مجھ کو مال و اولاد ملے گی جاؤ مجھ سے وہاں قرض وصول کر لینا۔ اس پر یہ آیت شروع سے فَرْدًا تک نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کس قدر حیرت انگیز اور تعجب آفریں ہے اس شخص کی حالت جو اللہ کی نصریحات نصوص اور آیات کا انکار

toobaafoundation.com

کرتا ہے اور نہ فقط انکار کرتا ہے بلکہ عقیدۂ حقہ کا مذاق اڑاتا ہے ۔ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا تو وہاں مجھے مال اور اولاد بھی ضرور ملے گی گویا یہ بات اس کو براہ راست عالم غیب سے معلوم ہو گئی ہے یا خدا تعالیٰ سے اس بات کا اس نے کوئی وعدہ لے لیا ہے ۔ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات ہرگز نہیں ، اس لیے اس کا خیال خام ہے ۔ ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں ۔ تمام مال و اسباب اور نسل و اولاد چھوڑ کر اس کو ہمارے پاس تنہا آنا ہوگا اور چونکہ وہ کافر بھی ہے اور اسلام کے خلاف کا فرانہ جرأت بھی رکھتا ہے ، اس لیے اس کو گوناگوں عذاب دیا جائے گا ۔

یہاں تک عاص بن وائل کا قول اور اس کا نتیجہ ظاہر فرمایا تھا ۔ اس سے آگے عام کافروں اور مشرکوں کی حالت کا اظہار فرمایا ہے انسان کے دماغ پر جب جہالت کا پردہ پڑ جاتا ہے تو وہ اپنا نوعی شرف و فضل بالکل فراموش کر دیتا ہے ۔ اشرف الکائنات ہو کر پتھروں اور درختوں کے آگے سر جھکاتا پھرتا ہے ۔ بعض لوگ جو اپنے کو صاحب ہوش و درایت خیال کرتے ہیں کھلم کھلا جماد پرستی تو نہیں کرتے ، مگر اپنی نوع کے ان افراد کو جو اخلاق ، سیرت ، اقوال اور اطوار کی وجہ سے اللہ کے مقرب بن گئے ہیں اور خاص امتیاز و شان کے مالک ہیں اس قدر بلند مرتبہ خیال کرتے ہیں کہ گویا نوعِ انسانی سے بالاتر ہستی سمجھنے لگتے ہیں ۔ بشریت اور آدمیت سے اوپر غیبی طاقتوں کا مالک جانتے ہیں ۔ اللہ کی الوہیت طرح طرح سے اس کو معزز مخلوق میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کوئی عیسیٰ کو مظہر الوہیت قرار دیتا ہے ، کوئی عزیر کے اندر خدا کے حلول کا قائل ہو جاتا ہے اور کوئی الوہیت کا مددگار اللہ کی نورانی مخلوق کو قرار دیتا ہے اور خدا کے مقابل میں ان باطل معبودوں کو اپنا حامی ، ناصر ، مددگار اور کم از کم شفیع ماننے لگتا ہے ۔ غرض انسانی اور جنی شیاطین ان کو جس باطل پرستی پر اکساتے ہیں وہ اسی طرف راغب ہو جاتے ہیں ۔ توہم کو تعقل اور تخیل کو علم سمجھنے لگتے ہیں ۔

ایسے ہی گروہ کے متعلق خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ : ۔ اللہ کو چھوڑ کر یہ باطل پرست گروہ جو دوسروں کو معبود بناتا پھرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے معبود اس کے حامی ، مددگار اور شفیع ہوں گے ۔ یہ خیال اس کا قطعاً غلط ہے ۔ عنقریب وقت آئے گا جب اس کے باطل معبود اس کی مخالفت کریں گے اور یہ گروہ خود ان کی الوہیت و پرستش سے انکار کرے گا

اس سے آگے اس سزا و جزا کا بیان ہے جو قیامت کے دن پرہیزگار اہل ایمان اور بدکار کافروں کو دی جائے گی ۔

اجزائے تحلیلی

اَفَرَءَیْتَ اس لفظ میں استفہام بطور تعجب ہے ۔ خدا تعالیٰ تو تعجب سے پاک ہے ۔ اس کے نزدیک تو کوئی تعجب انگیز نہیں ۔ ہاں سننے اور دیکھنے والوں کے لیے باقتضائے بشری و بمقتضائے عقل بعض امور ضرور حیرت آفریں ہیں ۔ عاص بن وائل کا وہ قول جس میں اس نے اخروی زندگانی میں اولاد و مال سے بہرہ ور ہونے کا اظہار کیا تھا ۔ باوجودیکہ اس کا ایمان روز قیامت پر تھا نہ اخروی زندگانی پر نہ جزا و سزا پر ، نہایت تعجب آفریں تھا ۔ ہر سننے والا اس قول سے اس کی بے بصیرتی حماقت اور کوتاہی عقل پر حیرت کر سکتا تھا ۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے خطابی صیغہ استعمال فرمایا ۔ بظاہر خطاب رسول پاک ؐ کو ہے ، مگر روئے خطاب ہر سامع کی جانب ہے ۔

اَطَّلَعَ الْغَیْبَ ۔ آئندہ کے متعلق کسی حالت کا صحیح اور یقینی علم دو ہی طریقوں سے ممکن ہے ۔ یا تو براہ راست واقعات لیں پردہ کا علم ہو جائے اور پردہ ہائے غیب نگاہوں کے سامنے سے اٹھ جائیں یا اللہ کی طرف سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی عہد و میثاق مل جائے جس کی خلاف ورزی ناممکن ہو اور چونکہ عاص کو ان دونوں امور میں سے کوئی بات حاصل نہ تھی ، اس لیے قیامت کے دن بہرہ ور اور کامیاب ہونے کا خیال غلط اور بے بنیاد تھا ۔

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ ۔ شیخ ابو السعود نے کہا کہ قول کا وارث ہونے سے مراد ہے مصداق قول کا وارث ہونا ۔ یعنی وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے مال و اولاد کے ہم وارث ہوں گے ۔ قرطبی نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم مال و اولاد سے اس کو محروم کر دیں گے اور بجائے اس کے مسلمانوں کو اس کا وارث بنا دیں گے ۔ یعنی جس طرح ہم نے اس کو مال و اولاد عطا کی ہے اسی طرح مسلمانوں کو مال و اولاد عطا کریں گے اور اس کو ہلاک کر دیں گے ۔ میرے نزدیک ابو السعود کی تشریح زیادہ مناسب ہے ۔

لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۔ صاحب معالم نے عِزًّا کا ترجمہ شفیع کیا ہے اور ابن کثیر نے باعث عزت و نصرت لکھا ہے ۔

toobaafoundation.com

سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ اس آیت کا مطلب دو طرح بیان کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ جن معبودوں کی مدد، نصرت اور شفاعت کے بھروسے قیامت کے دن وہ معبود اپنے پرستاروں سے ناراض اور ان کی پرستش کے منکر ہوں گے اور ان کے مخالف بن جائیں گے۔ دوسرا مطلب یہ کہ دنیا میں تو اہلِ کفر مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی نصرت کے امیدوار ہیں، لیکن قیامت کے دن جھوٹے معبود اُن کی مدد نہ کر سکیں گے تو کفار ان کے منکر اور مخالف ہو جائیں گے۔

تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ برقول ابن عباسؓ (بروایت علی بن طلحہ) اغوا کرنا مراد ہے۔ مجاہد نے ترجمہ کیا کہ شیاطین کافروں کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں یعنی شرک و کفر و بدکاری کی چونکہ مختلف صورتیں ہیں، اس لئے ہر قسم کی بدکاری میں مبتلا کر کے ان کے جدا جدا گروہ بناتے ہیں۔ قتادہ، ثوری، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید کے اقوال کا مطلب بھی اسی کے قریب ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ممکن ہے کہ جب کفار کی شرارت حد سے بڑھ گئی اور اس کا اندیشہ ہوا کہ اس کا ضرر متعدی ہو کر دوسروں کو پہنچے گا تو حضورؐ نے ان پر جلد عذاب نازل ہونے کی خواہش فرمائی ہو اور ایسی حالت میں تعجیل عذاب کا خیال رحمتِ عامہ اور شفقتِ تامہ کے منافی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں حضور والاؐ کی استدعائے عذاب کا اس طرح جواب دیا کہ مقصود درحقیقت ان کا امتحان ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ خود اپنے بدخواہ شیطان کے اغوا میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پس ہم ان کے کرتوت شمار کر رہے ہیں اور وہ مدت پوری کر رہے ہیں جو ان کیلئے مقرر و مقدر ہو چکی ہے۔ قیامت کے دن کو پورا عذاب ہوگا۔

ابن عباس، عطاء، مجاہد، حسن بصری اور قتادہ وغیرہ کے نزدیک الْمُجْرِمِيْنَ سے مراد کافر ہیں جن کو جہنم کی طرف نہایت ذلت کے ساتھ ہنکایا جائے گا۔

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ۔ یعنی کافروں کی کوئی شفاعت ہی نہ کرے گا نہ سہی طور پر نہ غلط طور پر۔

عَهْدًا سے عہد مراد ہے توحید یا ایمان و تقویٰ یا عمل صالح۔ مطلب یہ کہ شفاعت صرف ان ہی لوگوں کی ہو سکے گی جو اہلِ ایمان ہوں گے۔

مقصودِ بیان

عاص بن وائل کی اخروی ناکامی کی صراحت اور درپردہ تمام کافروں کی خیران حالی کی طرف اشارہ۔ اس بات کی طرف ایما کہ نتائج آخرت کے اچھا برا ہونے کا یقین دو ہی طریقوں سے ہو سکتا ہے یا تو غیب کا براہ راست علم ہو یا اللہ نے کوئی وعدہ کر لیا ہو اور اس وعدہ کی اطلاع بھی ہو گئی ہو۔ اَمِ اتَّخَذَ کا لفظ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کے وعدہ کا خلاف ہونا ناممکن ہے۔ يَاْتِيْنَا فَرْدًا میں اس امر کی صراحت ہے کہ قیامت کے دن حسابِ کتاب کے وقت اولاد، اعزا و احباب، دولت و مال اور حکومت و جاہ کچھ کام نہ آئے گا۔ ہر شخص کو تنہا خدا کے سامنے جانا ہوگا۔ سَيَكْفُرُوْنَ الخ میں کافروں کی بے بصیرتی اور کوتاہ بینی پر زور ہے کہ اس وقت چونکہ یہ لوگ میدانِ اختیار میں مطلق العنان چھوٹے ہوئے ہیں، اس لئے باطل دیوتاؤں اور جھوٹے معبودوں سے طرح طرح کی آرزوئیں وابستہ رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن جب ان کو اپنی تمناؤں میں ناکامی ہوگی اور جبری عذاب نظروں کے سامنے ہوگا اس وقت معبودوں کی تکذیب کریں گے۔ اس میں پیامِ ہدایت کا لطیف استنباط ہو سکتا ہے اُن اہلِ اسلام کے لئے جو اولیائے کرام، مرشدین عظام، پیرانِ طریقت اور رہبرانِ ملت سے اُمیدیں باندھے بیٹھے ہیں۔ نیک اعمال، صدق مقال اور تعمیر اوامر الٰہیہ کو ترک کر دیا ہے، ہر قسم کی بدکاری میں مبتلا ہیں۔ بلکہ بعض افراد نے تو بزرگوں کی قبروں کو دیوتا، اولیاء و صلحاء کو کارخانۂ قدرت کا خود مختار بادشاہ سمجھ رکھا ہے۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پیر پرستی کچھ کام نہ آئے گی۔ اولیاء صلحاء بھی اس حرکت کو پسند نہیں کرتے۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے اپنا نام لینے والوں کی اس مشرکانہ حرکت سے وہ بھی اظہارِ برأت کریں گے۔ آیت اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ بتا رہی ہے کہ کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو مقررہ مدت ختم ہونے سے پہلے کسی پر .... عذاب نہیں آتا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ میں صاف صراحت ہے کہ کسی نبی یا ولی کے مقبول الشفاعۃ ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جس کی شفاعت کی جائے وہ موحد ہو۔ یا یوں کہئے کہ جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کا قول و قرار مل چکا ہوگا وہی شفاعت کر سکے گا۔ ماذون الشفاعت کے علاوہ کوئی کسی کی شفاعت نہ کرے گا وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے تم نے بلاشبہ بڑی سخت بات کہی کہ بعید نہیں اس سے آسمان کے ٹکڑے

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

ہوجائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں کیونکہ انہوں نے رحمٰن کے لئے فرزند ثابت کیا

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا

حالانکہ رحمٰن کو شایاں نہیں کہ فرزند رکھے زمین اور آسمانوں میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ رحمٰن

آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ

کے حضور میں بندہ بن کر نہ آئے ہم نے ان سب کا احاطہ کرلیا ہے اور خوب شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

تنہا ہمارے سامنے آئے گا جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے عنقریب رحمٰن اُن کے لئے محبت پیدا کردے گا

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

بس یہی بات ہے کہ قرآن کو ہم نے تمہاری زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تم پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو قوم کو ڈراؤ۔ ان سے پہلے ہم

قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۗ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ النصف ع ۶

بہتیری قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں کیا تم اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا اُن کی بھنک سنائی دیتی ہے

تفسیر آغاز بیان میں عاص بن وائل کی کفر طرازیوں کی صراحت فرمائی تھی پھر عام بُت پرستوں اور مشرکوں کے عقیدہ کی وضاحت کرکے اُن کو شدید تنبیہ فرمائی۔ اب مشرکوں کے اس گروہ کے عقیدہ کو نقل کرکے اجمالی تردید اور پُر زور وعید فرماتا ہے جو اللہ کی اولاد ہونے کے قائل تھے۔ یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ صابی فرقہ والے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ بلکہ مشرکین عرب کا بڑا گروہ اس کا قائل تھا۔ قانون قدرت اور نظام کائنات تمام عالم کا ایک ہے۔ ذرّہ سے لے کر آفتاب تک اور فرش سے لے کر عرش تک ایک ہی ضابطہ سب کو گھیرے ہوئے ہے اور اس ضابطہ و قانون کو جاری کرنے والا اللہ ہے جو الوہیت خلاقیت، ربوبیت اور ایجاد میں یکہ و تنہا ہے۔ کوئی اُس کا شریک و معاون نہیں، لیکن کوتاہ بین انسان مشہود غیبی کو نہیں دیکھتا، واحد حقیقی کو نہیں جانتا۔

توضیح مقصد کے لئے اس طرح تقریر کرنی چاہیے کہ کوئی جماد یعنی غیر نامی مخلوق مثلاً پتھر، پہاڑ، ریگ وغیرہ اپنی جمادی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہر جماد کے اندر ثقل ہے، طول، عرض اور عمق ہے، جسامت ہے، ایسی قوت ہے جو اجزا کو پراگندہ نہیں ہونے دیتی۔ بلکہ سب کو سمیٹے رہتی ہے۔ البتہ کسی میں یہ قوت ضعیف ہے کسی میں قوی۔ چونہ وغیرہ میں یہ قوت حافظہ للترکیب اتنی کمزور ہے کہ پانی میں ڈالنے سے تمام

toobaafoundation.com

اجزا فوراً منتشر اور محلول ہو جاتے ہیں اور پتھر کے اندر یہی قوت اتنی قوی ہے کہ اس کو حل کرنے کے لئے بڑی بڑی کیمیاوی ترکیبوں کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن اختلافِ قوت کے باوجود کوئی جماد ایسا نہیں جس کے اندر نمو کی طاقت ہو اور وہ درختوں اور پودوں کی طرح چھوٹے سے بڑا ہوتا ہو۔ پھر اس کے اوپر کائنات نباتی ہے، لیکن سب کی سب ایک جابر و قاہر ضابطہ کے اندر محدود ہے۔ سب کو قانونِ فطرت گھیرے ہوئے ہے۔ تمام نباتات اور نمو کرنے والی مخلوق میں جسامت ہے، ثقل ہے، چوڑائی لمبائی ہے اجزاء کو تحلیل و پراگندگی سے روکنے والی قوت ہے اور اس کے اوپر ایسی قوت بھی ہے جس کی وجہ سے درخت، سبزے اور پودے میں نمو ہوتا ہے۔ کھاد اور پانی کو درخت کی قوت اپنے اندر کھینچ کر اس کی شکل، بُو، مزہ اور رنگ بدل دیتی ہے۔ درخت میں جب مٹی اور پانی جذب ہو کر آتا ہے تو اپنی اصلی حالت، کیفیت اور ہیئت کو چھوڑ دیتا ہے اور درخت صورتِ نوعیہ کا لباس پہن لیتا ہے۔ اسی قوت کی مختلف شاخیں ہیں۔ کسی کا کام جذب کرنا ہے اس کو جاذبہ کہتے ہیں۔ کسی کا کام ہضم کرنا ہے اس کو ہاضمہ کہا جاتا ہے۔ کسی کا کام جذب شدہ مادہ کو وقت خاص تک روک رکھنا ہے اس کو ماسکہ کہتے ہیں۔ کسی کا کام فضلات کو باہر کی طرف پھینکنا ہے اس کو دافعہ کہتے ہیں اور اس مجموعہ کا نام غاذیہ ہے۔ غاذیہ کے بعد نامیہ کا کام شروع ہوتا ہے۔ قوت نامیہ تیار غذا کو لے کر درخت کے اندر طبعی تناسب کے ساتھ لمبائی چوڑائی اور اونچائی میں پھیلاتی ہے۔ درخت کی شکل اور رنگ قوامی مادہ کو عطا کرتی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک اور قوت ہوتی ہے جو پورے درخت کا جوہر کھینچ کر اس کا تخم تیار کرتی ہے اس کو قوتِ مولدہ کہتے ہیں۔ یہ پورا کارخانہ ہے اور اس کارخانہ کا ہر کاری گر قانونِ مقررہ سے سرتابی نہیں کر سکتا اور نہ اپنے ورود اختیار سے قدم آگے رکھ سکتا ہے۔ کائنات نباتی کے اوپر حیوانی دنیا ہے جس کے اندر تمام ماتحت قوتیں اور طاقتیں موجود ہیں۔ ضروریات جمادی اور لوازم نباتی سب کے سب موجود ہیں، لیکن ان کے ساتھ شعور و احساس کی طاقت بھی ہے۔ ظاہری اور باطنی حواس بھی ہیں۔ سردی، گرمی، خشکی، تری، خشونت اور نرمی کا احساس بھی ہے۔ مرغوب اور غیر مرغوب خوف اور محبت کا وجدان بھی ہے، مگر کسی حیوان میں یہ طاقت ہرگز نہیں کہ دائرۂ حیوانیت سے باہر قدم رکھ سکے یا لوازم حیوانی کی سطح سے بالاتر چڑھ سکے۔ قانونِ حیوانی سب کو محیط ہے، ضابطۂ فطرت سب پر حاوی ہے اس سے اوپر انسانی ہستی ہے جس میں خصوصیات حیوانی سے برتر خصوصیات بشری بھی موجود ہیں جس کے ساتھ ادراک بھی ہے۔ معلومات تصوریہ و تصدیقیہ سے نامعلوم تصورات و تصدیقات کو حاصل کرنے کی قوت بھی ہے۔ حقائق و علوم اور یقینیات و معارف کی تحصیل کی طاقت بھی ہے۔ نظریات و فکریات پر غور کرنے اور ان سے صحیح نتائج کو استنباط کرنے کے لئے نفس ناطقہ بھی ہے، لیکن نورِ نفسانی اور ضیائے روحانی کے ساتھ ساتھ مادی کثافت اور جسمانی ظلمت بھی ضرور موجود ہے۔ مادی کثافت کو ایک حد تک صاف کیا جا سکتا ہے، لیکن کوئی انسان انسان رہتے ہوئے دائرۂ مادیت سے خارج نہیں ہو سکتا۔ انسانی نوع کے اوپر وہ مخلوق ہے جو خالص نور اور صرف ضیا ہی ضیا ہے جو مادی کثافت اور مادہ کے تمام خواص سے پاک ہے۔ اور پھر سب سے بالاتر خلاق مطلق ہے جس پر نور کے ستر ہزار حجاب پڑے ہیں۔ اسی کا جاری کردہ قانون تمام عالم کو مسخر کئے ہوئے ہے اور اسی کا ضابطۂ فطرت کل کائنات میں جاری اور ساری ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تمام عالم کی ایجاد اور سب کو باقی رکھنے میں اور نظام کائنات کے لئے ایک عام قانون جاری کرنے میں کسی مددگار، معاون اور پشت پناہ کا محتاج نہیں۔ کل موجودات اس کے قانون کے زیر عمل ہے، اس کا ضابطۂ فطرت ذرہ سے لے کر عرش بریں تک سب کو مقہور کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا کائنات و مخلوقات کی سب سے بڑی قانون شکنی یہی ہو سکتی ہے کہ قادر مطلق اور خلاق علی الاطلاق کے لئے کوئی مددگار، حامی، قوت بازو اور پشت پناہ ہونے کا خیال پیدا کرے۔ کیونکہ درحقیقت اللہ کے مددگار کا قبول کرنا پورے قانون کو شکست کر دینا ہے اور قانونِ فطرت کی شکست سے کائنات کا نظام درہم برہم ہو جانا بدیہی ہے۔ اسی مطلب کو آیت میں بیان کیا ہے کہ لوگ اللہ کو صاحبِ اولاد کہتے ہیں۔ یہ الفاظ اس قدر صریح البطلان اور واضح الفساد ہیں کہ ان سے آسمان پارہ پارہ ہو جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ قائم نہ رہ سکیں۔ اللہ کو تو کسی معاون کی ضرورت ہی نہیں ہے پھر اس کا صاحبِ اولاد ہونا کس طرح زیبا ہے۔ تمام کائنات اس کی مقہر، مطیع حکم اور منقادِ فرمان ہے اور اس کی قدرت

toobaafoundation.com

سب کو محیط ہے۔ پھر کیوں کر ممکن ہے کہ قانونِ فطرت کو کوئی شکست کر سکے۔ اللہ کو صاحبِ اولاد کہنا اور مخلوق میں سے کسی کو اس کی اولاد قرار دینا حقیقت میں اللہ کو حادث اور محتاج تسلیم کرنا ہے اور جو خود محتاج ہو کمزور ہو اس کا قانون تمام کائنات کو مسخر نہیں کر سکتا۔ لامحالہ کائنات ارضی و سماوی ایک نظم پر قائم نہیں رہ سکتی۔ آسمان بھی پارہ پارہ ہو جائیں گے اور زمین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

یہاں تک تو عام اہلِ شرک اور ان کے ظاہر الفساد اقوال کا بیان اور تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ مشرکوں کے شرک آفریں الفاظ سے تمام کائنات باعتبار فطرت نفرت کرتی ہے اور کوئی بھی کفر آمیز کلمات سننا پسند نہیں کرتا۔ مشرکوں کے مقابلے میں نیکو کار اہلِ ایمان کی حالت یقیناً قابلِ محبت، لائق مودت اور سزاوار پسندیدگی ہونی چاہیئے۔ اسی لئے آگے فرماتا ہے کہ جو ایک مومن ہیں ان کی محبت و مودت اللہ تمام عالم میں پھیلا دیتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس زندگی میں بھی اہلِ عالم ان کو دل سے چاہتے ہیں اور قیامت کے دن بھی انہی کو چاہیں گے۔ امام احمد نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضور گرامیؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب فرماتا ہے تو جبرئیل کو حکم دیتا ہے کہ مجھے فلاں شخص سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد آسمان کے رہنے والوں کو ندا دی جاتی ہے کہ فلاں بندہ خدا کو محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر محبوب بندہ کی مقبولیت عامہ پھیلائی جاتی ہے الخ۔ (رواہ مسلم والبخاری)

حضرت عثمانؓ نے فرمایا جو شخص نیکی یا بدی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی چادر اس کو ضرور اڑھا دیتا ہے۔

ہم نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا مفہوم بطور عموم بیان کیا ہے۔ احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے مخصوص سبب نزول لکھا ہے۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جب ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو عتبہ، شیبہ اور اُمیہ وغیرہ کے فراق سے بہت پریشان ہوئے کیونکہ اشخاص مذکورہ آپ کے دوست اور رفیق تھے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ پاک مومنوں کے دل میں تمہاری محبت ڈال دے گا۔ اہلِ ایمان تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ آیت کا نزول حضرت علیؓ کے حق میں ہوا۔ حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ ایک بار حضور گرامیؐ نے حضرت علیؓ کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا وَّاجْعَلْ لِّیْ فِیْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَوَدَّۃً — اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس وابن مردویہ فی تفسیرہ)

بہرحال سبب نزول کی تخصیص سے چونکہ حکم کی تخصیص ضروری نہیں۔ اس لئے حکم آیت عام ہے۔ خواہ سبب نزول کچھ بھی ہو۔ اس کے آگے قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ اور قرآن کی اصل غرض بیان فرما کر سورت کو ختم فرما دیا۔

اجزائے تحلیلی

شَیْئًا اِدًّا۔ ابن عباس، مجاہد، مالک اور قتادہ نے اِدًّا کا عَظِیْمًا ترجمہ کیا ہے یعنی اللہ کو صاحبِ ولد قرار دینا بہت ہی بڑی بات ہے جس کی عظمت سے زمین و آسمان کانپتے ہیں۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ الخ۔ اس آیت پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ کیا کافروں کی زبان سے کلمۂ شرک صرف صادر ہوتا ہے۔ اس کے اثر سے آسمانوں کے شگافتہ ہو لے، زمینوں کے پھٹنے اور پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو کیا تعلق ہے؟ بظاہر یہ کلام غیر مربوط معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک جو توضیح صحیح تھی وہ مفصل طور پر ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ خطیب درازی وغیرہ نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے تین جواب دیئے ہیں

(۱) کلمۂ شرک کی خرابی کی عظمت دکھانی مقصود ہے اور یہ بیان کرنا غرض ہے کہ یہ کلمہ اس قدر بے دینی کا ہے کہ جامد چیزیں بھی باوجود بے عقل ہونے کے اس سے متاثر ہو جائیں۔

(۲) یہ کلمہ اس قدر غضب انگیز ہے کہ کہنے والوں کے سروں پر آسمان ٹوٹ کر گر پڑے یا ان کو زمین کے اندر دھنسا دیا جائے یا پہاڑوں کو ان پر گرا دیا جائے۔

(۳) اگر زمین، آسمان اور پہاڑ میں عقل ہوتی اور وہ اس کلمہ کو سمجھتے تو پھٹ جاتے اور گر پڑتے، مگر وائے ہے اولادِ آدم پر جو باوجود یکہ عقل و دانش رکھتے ہیں خوب دیکھتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی نظیر ہے نہ مثال نہ کوئی مشابہ ہے نہ جورو نہ بیٹا نہ ہمسر۔ کل عالم اس کی عظمت، کبریائی اور قدوس و پاکی کے سامنے سرنگوں ہے پھر بھی اس کو صاحبِ اولاد قرار دیتے ہیں۔

toobaafoundation.com

ابن جریر نے ابن عباس رضؓ کا قول نقل کیا ہے کہ شرک مذکور ایسا عظیم جرم ہے جس سے سوا جن و انس کے آسمان، زمین، پہاڑ اور تمام مخلوق لرزتی اور گھبراتی ہے اور عظمت و جلال الٰہی سے شگافتہ ہو جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔

رازی وغیرہ نے جو جوابات دیئے ہیں وہ متکلمانہ رنگ میں ہیں، اور ابن عباس نے کلام کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے جواب دیا ہے

اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ بیٹا بنانا دو ہی طرح سے ہو سکتا ہے یا تو واقعی صلبی بیٹا ہو یا کسی کو بیٹا بنا لیا جائے۔ اللہ کی شان میں دونوں صورتیں ناممکن ہیں۔

اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ غلام بن کر آنے سے مراد ہے فرماں پذیر منقاد اور تابعدار ہونا اور اللہ کی ربوبیت والوہیت و وحدانیت کے سامنے سر جھکا دینا۔

سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ آیت کا نزول مکہ میں ہوا تھا اور اس وقت تک اسلام محبوب و مرغوب نہ تھا۔ نہ اہل ایمان سے لوگوں کو محبت تھی۔ اسی لئے فرمایا کہ عنقریب اہل ایمان کی محبت لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ ڈال دے گا۔ مطلب یہ کہ عنقریب اسلام غالب ہو جائے گا۔ اس تقدیر پر اس آیت کا نزول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں ہوگا۔

مقصودِ بیان اللہ کو صاحب احتیاج سمجھنا اور کسی قسم کے شرک کا قائل ہونا عظیم ترین جرم ہے اور قانون فطرت کی سب سے بڑی خلاف ورزی ہے۔ تمام کائنات (اس جرم کا ارتکاب کرنا تو در کنار) سننے سے بھی لرزہ براندام ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اپنا نوعی فہم رکھتی ہے اور اللہ کی عظمت و کبریائی کی اس قدر معترف ہے کہ کلمات شرک سننے سے بھی ترساں ہے۔ آیت لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ بتا رہی ہے کہ اللہ براہ راست تمام جزئیات کا عالم ہے خواہ جزئیات مادی ہوں یا غیر مادی۔ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ کل مخلوق کو ان کا کر دیتا ہے اور کائناتِ ارضی و سماوی کو ان سے محبت ہو جاتی ہے۔ آیت هَلْ تُحِسُّ الخ سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں:- دنیوی زندگانی پر مغرور ہونا عبث ہے۔ دیکھو گزشتہ اقوام میں کسی کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ (۲) کفار کے واسطے وعید شدید ہے کہ تم کو اسی طرح ہلاک کیا جائے گا جس طرح گزشتہ کافروں کو ہلاک کیا گیا۔ (۳) حضور گرامی کے لئے تسلی ہے کہ کافروں کا یہ اقتدار اور ایذا رسانی کی طاقت چند روزہ ہے۔ صبر رکھنا چاہیئے وغیرہ۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۳۵ آیات اور آٹھ رکوع ہیں

اس سورت میں ۱۳۵ آیات، ۱۳۴۱ کلمات اور ۵۲۴۳ حروف ہیں۔ قرطبی نے صراحت کی ہے کہ باتفاق علماء یہ پوری سورت مکی ہے لیکن سیوطی نے اتقان میں آیت فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ۔ الخ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ محی السنہ نے معالم میں لکھا ہے کہ رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا مجھے ذکر اول سے وہ سورت عطا کی گئی ہے جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور الواح موسیٰ سے طٰہٰ اور طواسین عطا کی گئی ہیں اور خزانۂ تحت عرش سے فواتحِ قرآن اور خواتیم سورۂ بقرہ دی گئی ہیں اور مفصل بطور نفل دی گئی ہیں۔

ذکر اول سے وہ ذکر مراد ہے جو عالم کی پیدائش سے پہلے خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں موجود تھا۔ اس کے مقابلے میں لوح محفوظ ذکر ثانی ہے۔ طواسین سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں طٰسٓمّٓ، طٰسٓ اور طٰسٓمّٓ ہے۔ فواتح قرآن سے مراد حروف مقطعات ہیں اور خواتیم سورۂ بقرہ سے مراد آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ الخ ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ذکر اول سے منقول ہو کر براہِ راست وہ سورۃ آئی ہے جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور حضرت موسیٰ کی الواح کا خلاصہ وہی ہے جو طواسین میں مذکور ہے۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

toobaafoundation.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

(اے محمد) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ مشقت اٹھاؤ بلکہ اس شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو ڈرتا ہے

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

یہ اس کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا وہ رحمٰن ہے جو عرش پر سایہ افگن

اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝

ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان اور جو کچھ زمین کے نیچے

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝

ہے سب اسی کا ہے اگر تم چلا کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو بلکہ اس سے بھی پوشیدہ بات کو جانتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے اچھے اچھے نام ہیں

تفسیر لفظ طٰہٰ یا تو حروف مقطعہ میں سے ہے جس کی تحقیق سورۂ بقر کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ مزید تذکرہ کی ضرورت نہیں یا حروف مفسرہ میں سے ہے۔ ثانی تقدیر پر علماء نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، عطیہ، عوفی، حسن، قتادہ، ضحاک، سدی، ابن ابزیٰ اور بعض دوسرے تابعین نے کہا کہ طٰہٰ کے معنی ہیں یا رجل یعنی اے شخص۔ ایک روایت میں ابن عباس، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری کا یہ بھی قول ہے کہ یہ کلمہ نبطی ہے، لیکن ابو مالک نے اس کو معرب قرار دیا ہے (کذا قال ابن کثیر)

قاضی عیاض نے کتاب شفاء میں تفسیر عبد بن حمید سے نقل کرتے ہوئے ربیع بن انس کا یہ قول لکھا ہے کہ حضور گرامیؐ (رات کو تہجد کی) نماز کو کھڑے ہوتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے اور دوسرا پاؤں اٹھا لیتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ طٰہٰ کا ترجمہ ہے دونوں پاؤں کو زمین پر رکھو اور ھا کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے یعنی نماز پڑھتے ہیں دونوں پاؤں کو زمین پر رکھو۔ ابن الانباری نے لکھا ہے کہ یہ لفظ کسی زبان کا ہو، لیکن چونکہ قریش کی زبان میں اس لفظ کا استعمال تھا، اس لئے یہ لفظ عربی ہو گیا تھا۔ خطیب نے سراج میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں آیات مذکورہ کا سبب نزول اس طرح لکھا ہے کہ مکہ میں ابتدائے نزول قرآن کے وقت حضور گرامیؐ تہجد کی نماز میں کبھی اس پاؤں پر اور کبھی اس پاؤں پر اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آئے تھے۔ جس کو دیکھ کر کفار قریش کہتے تھے کہ اس شخص پر قرآن کیا نازل ہوا یہ تو مصیبت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی (رواہ ابن مردویہ عن ابن عباس)

یہ بھی منقول ہے کہ آیات قرآنیہ پیش کر کے حضور اقدسؐ اس قدر وعظ و پند فرماتے تھے کہ تمام جسمانی آرام چھوڑ دیئے تھے۔ اس پر کفار کے جھگڑے مزید تھے۔ کفار کہنے لگے کہ قرآن کیا اترا یہ شخص مشقت اور دکھ میں پڑ گیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم دکھ میں پڑ جاؤ۔ تمام ضروری جسمانی آسائشوں کو ترک

toobaafoundation.com

کردو بلکہ قرآن کو تو ہم نے رحمت بنایا ہے۔ یہ خدا ترس اور انجام سے خوف کرنے والوں کے لئے پیام نصیحت ہے۔ سورج کی روشنی اگر کسی کمرہ کے اندر پہنچانی ہوتی ہے تو دانشمند لوگ ایک آئینہ ذرا ترچھا کر کے سورج کے مقابل رکھتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں آئینہ پر پڑتی ہیں۔ آئینہ کی پشت پر چونکہ کوئی کثیف مصالحہ چسپاں ہوتا ہے، اس لئے شعاعیں جذب ہو کر پھر منعکس ہو جاتی ہیں اور کمرہ کے اندر روشنی پہنچ جاتی ہے چونکہ کمرہ کی چھت براہ راست شعاعوں کو اندر نہیں پہنچنے دیتی، اس لئے یہ تدبیر کی جاتی ہے۔ آئینہ کا ایک رُخ صاف ہوتا ہے جدھر سے شعاعیں پڑتی ہیں اور دوسرا رُخ تاریک ہوتا ہے جس کی وجہ سے شعاعیں جذب ہو کر تاریک کمرہ کو انعکاسی روشنی سے منور کر دیتی ہیں۔ سطح زمین کے رہنے والے انسان کے خیالات، افکار اور طبعی میلانات جدا جدا ہیں۔ ایک شخص جس عقیدہ کو حق اور جس عمل کو صحیح سمجھتا ہے دوسرا آدمی اس عقیدہ کو باطل اور اس عمل کو غلط جانتا ہے۔ حق و باطل اور صحیح و غلط کا فیصلہ کرنے کے لئے عقل انسانی کافی نہیں۔ درایت و تجربہ سے یہ مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ انتظام عالم درست نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ قانون الٰہی کی ضرورت ہے جو اٹل ہو، قیامت تک کے لئے تمام اقوام کیلئے کافی ہو۔ ہر ملک اور ہر گروہ کے منفعت کا اس میں لحاظ ہو، لیکن عام انسان مادی کثافت اور جسمانی آلائشوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ ان کے پاس براہ راست پیغام الٰہی آئے اور قانون سماوی ان پر نازل ہو۔ ایک ایسے واسطے اور ذریعہ کی ضرورت ہے جس کی پشت پر مادی کثافت کا مصالحہ بھی لگا ہو اور روحانی رُخ اس کا روشن بھی ہو اسی کو عرف شریعت میں رسول کہا جاتا ہے۔ رسول پر قدسی فیضان نازل ہوتا ہے اور اللہ ہی کو قانون بھیجنے کا حق ہے۔ کیونکہ تخلیق، ایجاد، تربیت اور ابقاء سب کچھ اسی کے دست قدرت میں مرہون ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ تنظیم، قوانین اور اصلاحی ضوابط کا بھیجنے والا اور قواعد عدل کو جاری کرنے والا کوئی دوسرا ہو۔ اللہ نے اپنے رسول پر جب قوانین عدل نازل فرمائے تو صرف اس لئے نازل فرمائے کہ اس کے بندوں تک پہنچ جائیں اور جو روحیں تاریک ہیں ان میں نور پیدا ہو جائے۔ چنانچہ رسول پاکؐ نے ہر شخص کو پیام ہدایت سنایا۔ اپنا کھانا پینا، عیش و آرام، سکون و چین سب کچھ قربان کر دیا اور آرام کی زندگی دکھ سے بھر گئی، لیکن جس طرح اشیاء کو دیکھنے کے لئے بیرونی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آنکھ کے اندر نور ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر باہر اندھیرا ہو تو کچھ نظر نہ آئے گا یا آنکھ میں روشنی نہ ہو تب بھی کچھ نہ سوجھے گا۔ بیرونی روشنی تو قوانین شریعت کا نام ہے، لیکن ان سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کی روحانی آنکھیں روشن ہوں جو انجام بین ہوں اور جو اُخروی زندگانی کی فلاح کے آرزومند ہوں۔ ہر شخص کو قرآن سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بارش سے پھولوں کی خوشبو بڑھتی ہے، مگر کوڑا اور زیادہ متعفن ہو جاتا ہے۔ رسول پاکؐ نے پیام ہدایت ہر شخص کو سنانا شروع کیا۔ خود بھی سخت ترین مجاہدے کئے اور کوشش کی کہ تمام بندگانِ خدا بھی ہدایتِ قرآنی کو قبول کریں۔ چونکہ ایسا ناممکن تھا فائدہ صرف مخصوص طبقہ کو پہنچ سکتا تھا، اس لئے ذاتی کاوش اور انتہائی تحمل مشقت سے حضورؐ کو روک دیا گیا۔ اس کل مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان فرمایا ہے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ قرآن خدا نے نازل کیا کیونکہ آسمان و زمین کا وہی خالق ہے اور فقط خالق ہی نہیں بلکہ سب کا مالک اور مربی بھی ہے اور فقط مربی نہیں بلکہ صاحب رحمت اور فیاض بھی ہے۔ کل عالم کا مدبر بھی ہے اور اسی کو قانون بھیجنے کا حق ہے۔ پس اُس نے قرآن نازل کیا اور نازل کیا تو صرف رسول پر۔ کیونکہ ہر شخص فیضان قدسی کو براہ راست قبول نہیں کر سکتا تھا، لیکن رسول پر قرآن نازل کرنے کی یہ غرض ہرگز نہیں کہ خود رسول سخت ترین مجاہدات کر کے عیش جسمانی اور آسائش بشری کو قربان کر دیں اور زندگانی دکھ سے بھر جائے یا دنیا میں ہر شخص کو انتہائی کاوش برداشت کرنے کے بعد پیام ہدایت قبول کرنے پر مجبور کریں اور ہر وقت اسی دُھن میں رہ کر زندگی کے ہر سکون و چین سے دست کش ہو جائیں کیونکہ رسول تو پاک فطرت اور طاہر خلقت ہونے کی وجہ سے خود زیادہ مشقت برداشت کرنے کے ضرورت مند نہیں، رہے اور لوگ تو سب کو قرآن سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن کے نزول کی اصل غرض یہ ہے کہ جو اہل ذکر اور ارباب بصیرت ہیں ان کو رہنمائی ہو جائے۔

یہاں تک تو خدا کی قدرت اور احاطۂ ملکیت کا اظہار تھا۔ اس سے آگے علمی کمال کا بیان ہے کہ آدمی بلند آواز سے ذکر الٰہی اور

toobaafoundation.com

دمارے یا چھپکے چھپکے۔ بہرحال خدا کو پوشیدہ سے پوشیدہ خیال کا علم ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ جب قدرت ملکیت اور کمال علمی کا بیان ہو چکا تو اللہ کی وحدانیت و تفرد کا ثبوت خود بخود واضح ہو گیا کیونکہ تفرد فی الالوہیت کا استحقاق تین صفات پر مبنی ہے۔ قدرت، تصرف کامل اور علم۔ جب تینوں صفات بدرجۂ اتم خدا تعالیٰ میں موجود ہیں تو لامحالہ وہی الٰہ بے ہمتا اور وحدہٗ لاشریک ہوگا۔

اوپر کی آیت میں لفظ رحمٰن کا اطلاق خدا تعالیٰ پر کیا گیا تھا۔ دیگر صفاتی اسماء پر تو عرب کے کفار کچھ چون و چرا نہ کرتے تھے، مگر رحمٰن کے نام سے چونکہ تھے۔ اُن کے نزدیک صرف مسیلمہ رحمٰن الیمامہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اللہ کو وہ کبھی رحمٰن نہیں کہتے تھے، اسی لئے آخر میں فرما دیا کہ تمام اچھے اچھے نام خدا کے ہیں رحمٰن ہو یا رحیم یا کچھ اور۔

تحلیلِ اجزا

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ ابن کثیر، محی السنۃ اور خطیب وغیرہم مفسرین نے صراحت کی ہے کہ استواء سے مراد وہ استواء ہرگز نہیں جس سے مخلوق کی مشابہت لازم آئے۔ بلکہ وہ استواء مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ امام مالک اور حضرت علی کا قول ہے کہ استواء کا مفہوم معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت دریافت کرنی بدعت ہے۔ مفسر مدارک نے کہا یہی ہمارا مذہب ہے۔ معالم میں محی السنۃ نے کہا عرش پر استواء اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اس پر ایمان لانا بدون طلب کیفیت کے واجب ہے۔ مفسر غازی نے لکھا ہے کہ استواء کے ساتھ یہ بھی قطعی یقینی ہے کہ اللہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، ابن عیینہ اور ابن مبارک وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ابن کثیر نے طویل تقریر کے بعد لکھا ہے کہ یہاں نہ کیفیت کا خیال ہے نہ تشبیہ ہے نہ مثال ہے نہ اللہ کا تعطل ہے۔

ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ استواء کے حقیقی معنی مراد ہیں اور کیفیت نامعلوم ہے۔

بعض اہلِ تحقیق نے کہا کہ عرش سے مراد لکڑی لوہے یا سونے چاندی وغیرہ کا تخت نہیں کہ خدا اس پر بیٹھ کر حکومت کر رہا ہو بلکہ یہ کنایہ ہے جس سے مراد تختِ حکومت ہے اور استواء سے مراد اس پر اللہ کا متصرفانہ تسلط ہے۔ مخلوق کو پیدا کیا آسمان و زمین سب کچھ بنایا۔ پھر ان پر حکومت و تصرف اور ان کی تدبیر و ترتیب کی۔ یا یوں کہا جائے کہ عرش سے مراد وہ آسمان ہے جو سب کے اوپر ہے اور سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ کل عالم ناسوت اس کے اندر ہے۔ پھر اس کے اوپر عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت ہے اور سب سے وراء الوراء ذات پاک ہے شرع نے اس بات کو بطور کنایہ بادشاہوں کے تخت پر بیٹھنے سے تعبیر فرمایا۔ چونکہ تصرف الٰہی ایک خاص سر ہے جس کو بغیر کنایہ و استعارہ و تشبیہ کے نہیں بیان کیا جا سکتا اور نہ وہ بغیر تمثیل کے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ وہاں نہ جسم ہے نہ جسمیت نہ مکان نہ ہیئت، اس لئے کلام کو ظاہر پر محمول کرکے خدا کو مجسم قرار دینا دانش کا قصور ہے۔

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى۔ ثریٰ کیا چیز ہے اور ثریٰ کے نیچے کیا ہے؟ صحیح احادیث میں اس کی کوئی کیفیت مذکور نہیں۔ اہلِ تفسیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسرائیلی کتابوں سے نقل کیا ہے جو ناقابلِ اعتبار ہے۔

مجمل طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح انسان کے بعض اعضاء ظاہر اور محسوس ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھتا ہے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ سب کو نظر آتے ہیں اور کچھ اندرونی اجزاء ایسے بھی ہیں جن کو سوا اہلِ علم کے اور کوئی نہیں جانتا کہ عروق شعریہ، دماغ کی خلائیں، قلب کے بطون، ورید اور شریانوں کی تعداد وغیرہ عام لوگوں کو معلوم نہیں۔ پھر ارواح طبعیہ، حیوانیہ اور نفسانیہ نیز دماغی قوتیں اور ان کے اقسام یہ سب جاہلوں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ اہلِ طب ہی ان سے واقف ہیں۔ اسی طرح عالم کے بیرونی اجسام اور اجرام کی خارجی کیفیات و حالات تو عام اشخاص جانتے ہیں، مگر اس کے اندرونی اجزاء، باطنی قوتیں اور روحانی طبقات سے سوا اہلِ نظر کے کوئی بھی واقف نہیں، اس لئے ثریٰ کے نیچے کیا ہے؟ ثریٰ سے کیا مراد ہے اس کو اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو تفصیل سے ظاہر کرنا اور اس کی کیفیت سے بحث کرنی عام لوگوں کا کام نہیں یہ صرف اہلِ شرع کا کام ہے۔ شارع نے استعارہ اور کنایہ کے طور پر اس کو بیان فرمایا ہے۔ جس سے ظاہری مفہوم ہرگز مراد نہیں۔ ظاہری الفاظ کو سُن کر رائے قائم کرنا اور ہر طبقہ کے اوصاف و خواص قائم کرنا انتہائی جہالت ہے۔

toobaafoundation.com

اَلسِّرَّ وَاَخْفٰی ۔ سِر وہ راز جو دل میں چھپا کر رکھا جائے اور اخفیٰ وہ راز جس کو خود آدمی نہیں جانتا (ابن عباسؓ) دل میں جو بات پیدا ہو جائے وہ سِر ہے اور جس کا خیال بھی نہ آیا ہو وہ اخفیٰ ہے (ضحاک) سِر وہ بات ہے جو ایک شخص دوسرے سے چپکے سے کہتا ہے اور اخفیٰ وہ بات ہے جو دل ہی دل میں ہو کسی دوسرے سے نہ کہی گئی ہو (حسن بصری)

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔ اللہ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی قرآن و حدیث میں جتنے نام مذکور ہیں انہی کا اطلاق خدا پر ہوتا ہے ۔ اپنی طرف سے وضع کرنا صحیح نہیں ، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ تصریح شدہ اسماء کے علاوہ اللہ کے اور اسماء نہیں ہیں ۔ اسمائے حسنیٰ بے شمار ہیں ۔ حدیث شفاعت میں صراحت ہے کہ رسول پاکؐ کو بوقت شفاعت اللہ اپنے وہ محامد و صفات تلقین فرمائے گا جن کا علم کسی کو نہیں عطا فرمایا ۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ پر قرآن کا نزول صرف اس لیئے ہوا کہ اہل بصیرت اس سے فائدہ اندوز ہوں اور جن کی روحوں میں روشنی اور دلوں میں خدا ترسی ہے ان کو ہدایت ہو جائے ۔ اللہ کی قدرت علم تخلیق ایجاد و تربیت ہمہ گیر ہے ۔ کوئی چیز یہاں تک کہ عرش عظیم بھی اس کی گرفت سے خارج نہیں ۔ جزئیات مادیہ غیر مادیہ یہاں تک کہ اندرونی رازوں کا بھی خدا عالم ہے ۔ آیت وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ الخ سے استیصال ہوتا ہے فلاسفۂ یونان کے اس قول کا کہ خدا تعالیٰ کو جزئیات مادیہ کا تفصیلی علم نہیں بلکہ من حیث الکل ہے ۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے ناموں کا حصر نہیں بلکہ ہر وہ نام جو نقص و عیب سے پاک ہو اللہ کا نام ہو سکتا ہے ۔ یہ امر بھی اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ ذات الٰہی تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے بلکہ وہ الفاظ جو ذات مقدس پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی پاک ہیں ۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

(اے محمد) کیا تم کو موسیٰ کا واقعہ بھی پہنچا　جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا　تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے

لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ؕ

اُمید ہے کہ میں تمہارے پاس کوئی انگارا لے آؤں یا آگ پر　راستہ پاؤں　جب موسیٰ آگ پر پہنچے تو آواز دی گئی اے موسیٰ

اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ؕ ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ

میں یقیناً تمہارا رب ہوں　تم اپنی جوتیاں اُتارو　کیونکہ تم طُویٰ کے مقدس جنگل میں ہو　میں نے تم کو منتخب کر لیا ہے

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

تو جو کچھ وحی کی جائے اس کو سُنو　میں بلاشبہ اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میری عبادت کرو　اور میری یاد کے لئے پابندی

لِذِكْرِىْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا

سے نماز پڑھو　بلاشبہ قیامت آنے والی ہے　میں اُس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اُس کا عوض اُس کو دیا جائے　لہٰذا

يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ

تم کو اس پر ایمان لانے سے وہ شخص نہ روک دے جس کو اس کا یقین نہیں ہے اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے　موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ

toobaafoundation.com

يٰمُوْسٰى ○ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ

میں یہ کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور میری دیگر

اُخْرٰى ○ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ فَأَلْقٰىهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا

ضروریات بھی اس میں ہیں فرمایا موسیٰ اس کو ڈال دو موسیٰ نے اس کو ڈال دیا فوراً وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا فرمایا اس کو پکڑ لو خوف

تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

نہ کرو ہم اس کو لوٹا کر پہلی حالت پر کر دیں گے اور اپنے ہاتھ کو سمیٹ کر بغل کی طرف لے جاؤ وہ سفید ہو کر

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً أُخْرٰى ۙ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ ۚ

بے عیب نکل آئے گا یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم تم کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں

تفسیر آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی اجنبی عجیب چیز جس کو دیکھنے سننے اور یقین کرنے کا وہ خوگر نہ ہو ظاہر کی جاتی ہے تو اس کی طبیعت اس چیز سے متنفر ہوتی ہے، انکار کرتی ہے اور بھاگتی ہے اور کسی طرح قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی، لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ یہ بات کوئی نئی نہیں اس سے پہلے بھی ہو چکی ہے جس کو تم بھی مانتے ہو تو انکار کرنے والے کی طبیعت کسی قدر مانوس ہو جاتی ہے اور غور و خوض کرنے کے بعد وہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ عرب کے جاہل دیہاتی اللہ کی کتابوں اور رسولوں سے واقف نہ تھے۔ اُن کے ملک میں نہ کبھی کوئی نبی مبعوث ہوا نہ کتاب نازل ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے رسالت کا دعویٰ کیا، ہادیٔ برحق ہونے کا اعلان کیا، قرآن کو ہدایت نامہ کہتے ہوئے اللہ کی کتاب قرار دیا۔ عربوں نے فطری بے بصیرتی کی وجہ سے صاف انکار کر دیا، لیکن برائے نام یہودیوں کو دین الٰہی کا حامل اور آسمانی کتاب کا مالک جانتے تھے۔ اگر دنیا میں اہلِ علم کی کوئی جماعت ہو سکتی تھی تو ان کے نزدیک یہودیوں کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کی رسالت اور قرآن کی ہدایت سے مانوس کرنے اور طبعی بیگانگی کو دور کرنے کے لئے اس جگہ حضرت موسیٰؑ کا مفصل قصہ، نبوت، رسالت اور احکام ملنے کا تذکرہ فرمایا تاکہ عرب کا طبعی تنفر دور ہو جائے اور وہ قرآن کو کوئی اجنبی کتاب اور رسول کو عجیب رسول نہ خیال کریں۔

آیات مذکورہ میں تین امور کا بیان ہے (۱) حضرت موسیٰؑ کا دورانِ سفر میں وادیٔ سینا میں پہنچنا، تاپنے کے لئے آگ کی تلاش میں جانا، غیب سے ندا ہونا اور نبوت ملنا۔ (۲) حضرت موسیٰؑ کو توحید عبادت اور اقرار قیامت کی تعلیم دینا، عقائد الٰہیہ اور عبادت پر ثبات و استقامت رکھنا (۳) حضرت موسیٰ کو بے تکلف بنانے اور ان کے دل سے ربانی رعب کو دور کرنے کے لئے لطافت آمیز خطاب کرنا اور معجزات عطا کرنا۔ اس کی مفصل بحث سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔ ہم یہاں مختصر تبصرہ کرتے ہیں۔

خطیب اور ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ معاہدہ کی مدت جب پوری ہو گئی تو حضرت موسیٰ بی بی کو ساتھ لے کر مدین سے بارادہ مصر چل دیئے۔ حکومتِ شام کے خوف سے معمولی راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ سردی کی شدت تھی، ابر گھرا ہوا تھا، تاریکی چھائی ہوئی تھی، پہاڑوں کے درمیان رہگذر تھی، بی بی پورے دنوں کی حاملہ تھی، تکان اور سردی سے مجبور ہو کر ایک جگہ قیام کیا۔ یہ جگہ وادیٔ سینا میں تھی۔ کوہ طور کی جانب آگ کا شعلہ نظر آیا۔ راستہ بھول گئے تھے، اس لئے روشنی کی جانب چل دیئے تاکہ آگ لے آئیں یا کوئی آدمی راہ بتانے والا مل جائے جہاں سے شعلہ نکل رہا تھا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت سے شعلے نکل رہے تھے (نورِ الٰہی) کی تجلی ہے۔ بہت تعجب کیا۔ اسی تحیر میں تھے کہ غیب

toobaafoundation.com

سے ندا ہوئی۔ خواہ فرشتے نے صدا دی یا خدائی ندا ہوئی کہ موسیٰ! آگاہ ہو جاؤ کہ میں پروردگار ہوں۔ پھر وادیٔ مقدس کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے جوتیاں اتارنے کا حکم ہوا۔

(۲) حضرت موسیٰ کو ندائے غیبی نے سب سے پہلے اصلاحِ خلق کی دعوت دی۔ دنیا کی مذہبی اصلاح تین امور پر موقوف ہے۔ مبدء کے متعلق صحیح عقیدہ ہو جائے، معاد پر صحیح یقین پیدا ہو جائے، مدت زندگی میں عمل پیدا ہونے کے لئے صحیح راستہ مل جائے۔ انہی تینوں امور کی تعلیم ندائے غیبی نے دی۔ وحی ہوئی کہ موسیٰ اللہ کو وحدہٗ، الوہیت میں یگانہ اور ربوبیت میں فرد سمجھو۔ یہ مبدء کے متعلق صحیح عقیدہ کی تعلیم تھی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ توحید کا یقین کرنے کے بعد اللہ کی عبادت کرو۔ عبادت عام ہے۔ ذکر قلبی ہو، لسانی ہو، تصور کی یکسوئی اور مراقبہ ہو، استغفار اور دعا ہو، زکوٰۃ خیرات ہو یا اخلاقی معاشرتی تحفظ ہو۔ خصوصاً نماز چونکہ ان سب میں مہتم بالشان چیز تھی، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ فرمایا۔ یہ مدت زندگی کی اصلاح کی تعلیم تھی۔ آخر میں حقانیت قیامت کا عقیدہ تعلیم فرمایا، لیکن تعیین وقت نہیں فرمائی، مگر وجود قیامت کی دلیل بیان کر دی کہ چونکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پاداش دینی ضروری ہے، اس لئے قیامت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جب اصلاح کے اصول سہ گانہ کی تعلیم ختم ہو گئی تو آخر میں اس تعلیم پر ثابت قدم رہنے اور استقلال رکھنے کی ہدایت فرمائی کیونکہ جب کوئی اصلاحی تحریک اللہ کا کوئی خاص بندہ دنیا میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو باطل پرست گروہ کی طرف سے ہر طرح کا اس سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ حوادث و عوائق کے بڑے بڑے وزنی پتھر اس کے راستے میں ڈالے جاتے ہیں اس کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تکالیف و موانع سے تنگ آ کر اکثر اہلِ حق کی ہمتوں میں تزلزل اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور صحیح راستے پر چلنے والے مجبوریوں کی وجہ سے راہ حق چھوڑ دیتے ہیں)، اس لئے ثبات و استقامت کی تعلیم دینی بھی ضروری تھی تاکہ موسیٰ کی ہمت تمام عوائق سے مقابلہ کر سکے اور کوئی حادثہ سنگِ راہ نہ بن سکے۔

(۳) خدا تعالیٰ کو مقصود تھا کہ اصلاح و ہدایت کا عظیم الشان کام حضرت موسیٰ کے سپرد کیا جائے۔ بنی اسرائیل مصر کو کفر و شرک اور معصیت و بدکاری کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اگر ایک طرف اصلاحی قوانین کی روشنی اور شریعت غراء کے نور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ باطل کی تاریکی دور ہو جائے اور نورِ حق سے تاریک دل روشن ہو جائیں تو دوسری طرف ظہیر دائرِ ہدایت میں قوت قاہرہ اور غیبی طاقت کا ہونا بھی لازم ہے تاکہ سرکش طاغوتی طاقتوں سے برسرِ پیکار رہ کر غلبہ حاصل کر سکے۔ اصول کی صداقت، برہان کی قوت اور مرعوب کن مادی طاقت کا مظاہرہ ہمیشہ اصلاحی تحریک پھیلانے کے لئے ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ سے تبلیغی کام لینا تھا، فرعون ایسے قہار و جبار حکمراں کے مقابلے میں بھیجنا تھا، پیامِ ہدایت پہنچا کر بنی اسرائیل کو راہِ راست پر لانا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ کو دو واضح معجزات عطا فرمائے۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا اور پھر اصلی حالت پر آ جانا، ہاتھ میں آنکھوں کو کر دینے والا اجالا پیدا کرنا یہ دونوں معجزے حضرتِ موسیٰ کے لئے ضروری تھے۔ پہلے معجزے سے اشارہ اس طرف تھا کہ حضرت موسیٰ کو قوتِ غیبی اور تائیدِ قدسی حاصل تھی۔ دنیا کا کوئی شہنشاہ اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ دوسرے معجزے سے یہ بات دکھائی تھی کہ شریعت موسوی آفتاب سے زیادہ روشن اور دلائل موسوی ہر روشنی سے زیادہ چمکدار تھے۔

تحلیلِ اجزاء۔

هَلْ أَتَاكَ۔ یہ کلام بظاہر استفہامی رنگت میں ہے، لیکن اللہ چونکہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، اس کو کسی بات کے دریافت کی ضرورت نہیں، اس لئے استفہام کا حقیقی مفہوم مراد نہیں بلکہ یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی موسیٰ کا قصہ وحی کے ذریعہ تم کو یقیناً معلوم ہو چکا ہے۔

فَقَالَ لِأَهْلِهِ۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ اس وقت آپ کی بی بی صفورا تھیں، اور چونکہ اہل کا اطلاق ایک پر نہیں ہوتا، اس لئے اہلِ تحقیق نے جواب دیا کہ صرف صفورا کو اہل کہنا بطور تہذیب ہے۔ جمع کا صیغہ واحد کے لئے بطور تہذیب و تکریم کے استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ بی بی، خادمہ اور بچہ یہ تینوں موجود تھے، سب کو اہل کہا گیا ہے۔

toobaafoundation.com

اَذَا اَجِدُ الخ۔ ابن عباسؓ کے نزدیک ھُدًی سے ہادی مراد ہے۔ حضرت موسیٰ راستہ بھی بھول گئے تھے اور سردی بھی سخت تھی، اس لئے آگ کی بھی تلاش تھی اور رہنما کی بھی۔ آگ سامنے نظر آرہی تھی، اس لئے اس کے ملنے کی امید تو ظاہر کی اور رہنما کا ملنا مشتبہ تھا، اس لئے دوسرے فقرے میں لَعَلَّ کا لفظ استعمال نہ کیا۔ خطیب نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے ایک سبز درخت دیکھا جس کو نیچے سے اوپر تک ایک سفید آگ گھیرے ہوئے تھی اور درخت آتشِ بے دود کا ایک مجسم شعلہ نظر آتا تھا۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ درخت پھل دار بھی تھا۔ برقول ابن عباس وعکرمہ وہ آگ نہ تھی نورِ الٰہی تھا۔ موسیٰ پاس پہنچے تو ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنائی دی (برقول وہب) موسیٰ نے اس کو آتشی سوزاں خیال کیا۔ چند پستی لکڑیاں لے کر جلانا چاہا وہ آگ موسیٰ کی طرف جھکی۔ آپ ڈرے، جھک کر پیچھے ہٹے پھر ٹھہرے۔ واقعہ حیرت خیز تھا تردد کرنے لگے۔ کبھی آگ کی طرف آگے بڑھاتے کبھی آگ کا میلان پیچھے ہٹاتا۔ یک دم آگ بجھ گئی۔ موسیٰ حیران رہ گئے۔ درخت کی شاخوں کو دیکھا تو فضا میں سر بلند پایا اوپر کو نظر کی تو آسمان سے درخت تک ایک بقعۂ نور دیکھا نظر نہ ٹھہر سکی۔ فوراً آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ آتشی پردوں کے اندر سے ندا دی گئی تھی۔ یہ پردے مادّی پردے نہ تھے بلکہ اللہ کی عزت وجلال کے پردے تھے۔ ذاتِ الٰہیہ نظر نہیں آتی کیونکہ لوگوں کی آنکھوں پر اسی قسم کے آتشی حجاب ہیں۔

خطیب نے سراج میں بروایت ابن منبہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ندائے غیبی کا جواب فوراً دے دیا اور عرض کیا میں آواز سنتا ہوں آواز دینے والے کی جگہ، مقام اور سمت معلوم نہیں ہوتی نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آواز دینے والا کون ہے۔ ندا آئی تیرے اوپر، تیرے ساتھ تیرے آگے، تیرے پیچھے، تیرے دائیں، تیرے بائیں اور تیرے نفس سے بھی زیادہ قریب میں تیرا پروردگار ہوں۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ حضرت علی، ابوذر، ابوایوب اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ موسیٰ کی جوتیاں مُردار گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں عام مفسرین نے جوتیاں اتارنے کے حکم کو وادیٔ مقدس کی تعظیم پر محمول کیا ہے، لیکن مجاہد وعکرمہ نے ایک لطیف ترین توجیہ یہ بھی کی ہے کہ برہنہ پا ہونا تعظیم پر تو دلالت کرتا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مقصود تھا کہ جس وادی میں تجلّی الٰہی پرتو افگن ہوئی ہے وہاں کی خاک حضرت موسیٰ کے پاؤں کو لگ جائے۔ گویا اس میں موسیٰ کو ایک خاص شرف سے نوازنا مقصود تھا۔

دونوں جوتیاں اتار دینے کا حکم دیا۔ اس میں علمائے تحقیق نے لطیف اشارات لکھے ہیں:۔

خطیب نے لکھا ہے کہ پہاڑی سے کسی قدر دُور حضرت موسیٰ بیوی اور بچے کو چھوڑ کر آئے تھے اور فطرتاً دل کا میلان انہی کی طرف ہونا چاہیئے تھا، اس لئے حکم دیا گیا کہ دونوں جوتیاں اتار ڈالو یعنی بیوی اور بچے کے خیال کو دل سے علیحدہ کر دو۔

ابن عربی نے کہا کہ دونوں جوتیوں سے اشارہ دُنیا اور آخرت کی طرف ہے۔ یعنی معرفت الٰہیہ اور مشاہدۂ انوار میں غرق ہو جاؤ اور کونین کی طرف التفات ترک کر دو۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ہر برہان اور استدلال کی ترکیب دو جملوں سے ہوتی ہے جن کو ملا کر نتیجہ نکلتا ہے، مگر یہ جملوں کی ترکیب علم استدلالی اور برہانی میں ہوتی ہے۔ مشاہدہ یا ہدایت یا علم حضوری میں اس ترتیب وترکیب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ نے انوارِ قدسیہ کا مشاہدہ آنکھوں سے کیا تھا۔ ندائے غیبی کو کانوں سے سنا تھا۔ مقصود وحی کو دل سے سمجھا تھا۔ اس صورت میں طریق استدلال اور طرزِ برہان کا ترک لازم تھا۔ اسی بنا پر جوتیاں اتارنے یعنی دونوں مقدمات کو ترتیب دے کر برہانی طور پر نتیجہ نکالنے کو ترک کر دینے کا حکم ہوا۔

اَكَادُ اُخْفِيْهَا۔ ظاہر کلام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قریب اخفاء اظہار پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کسی چیز کو ظاہر کر دیا جائے اور ظاہر کرنے میں کوئی خاص مصلحت ہو تو کہا جاتا ہے کہ قریب تھا میں اس کو پوشیدہ رکھتا، مگر غیر ظاہر کر دیا۔ حالانکہ قیامت کا اظہار خدا تعالیٰ نے کبھی کسی جگہ نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ ملائکہ اور انبیاء کو بھی اس کا تعیینی علم نہیں دیا۔

اس اعتراض کا جواب حسن بصری نے تو اس طرح دیا ہے کہ اللہ کی طرف اگر باب کَادَ کی نسبت ہو تو وجوب کے معنی ہوتے ہیں۔ گویا اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا ترجمہ ہوا میں قیامت کو ضرور مخفی رکھوں گا۔ جس طرف لفظ عَسٰی عام محاورہ میں اُمید ظاہر کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، مگر اللہ کی طرف اسناد ہو تو تحقیق وجوب کے معنی دیتا ہے۔ ابومسلم نے اَكَادُ کا ترجمہ اُرِيْدُ لکھا ہے یعنی میں قیامت کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔

toobaafoundation.com

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ ۔ حضرت موسیٰ نے نورِ الٰہی درخت پر پرتو افگن دیکھا، ندائے غیبی کو کانوں سے سنا، کلام ربانی بغیر سمت اور مکان کے گوش ہوش میں آیا، رسالت و عبودیت کی غیر معمولی تکلیف اٹھانے کا حکم ہوا، ان تمام امور نے کچھ دیر کے لئے مرعوب اور متحیر کر دیا، دل پر دہشت اور دماغ پر ہیبت چھا گئی ۔ ہیبت کو دور کرنے، موسیٰ کو مانوس بنانے اور حیرت و کلفت کے پردے اٹھانے کے لئے سوال کیا گیا "موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے ؟" حضرت موسیٰ صاف اور مختصر الفاظ میں یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ لاٹھی ہے مزید تطویلِ کلام کی ضرورت نہ تھی، لیکن موسیٰ نے خطاب میں لذت روحانی محسوس کی ۔ رگ رگ میں کیف و سرور کی لہر دوڑ گئی، اللہ سے خطاب کو طول دینا چاہا، اس لئے مختصر جواب پر اکتفا نہ کیا بلکہ لاٹھی کے فوائد بھی بیان کئے ۔ حضرت موسیٰ سے سوال کیا باوجودیکہ خدا عالم تھا تاکہ موسیٰ کو لذتِ خطاب کے حصول کا تفصیلی موقع مل جائے ۔ نیز اشارۃً یہ تلقین کرنی مقصود تھی کہ جس طرح لاٹھی سے تم اپنا جسمانی آرام بھی حاصل کرتے ہو اور بکریوں کے لئے پتیاں بھی توڑتے ہو اسی طرح وہ شریعت جس کا تمہیں حامل بنایا جاتا ہے تمہارے روحانی سکون کا بھی ذریعہ ہے اور قوم کی پراگندہ گلہ کی بھیڑوں کی روحانی غذا کا سامان بھی اس میں موجود ہے ۔ خود بھی اس پر عمل کرو اور قوم والوں کو بھی اس پر کاربند ہونے کی ہدایت کرو ۔

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۔ حضرت موسیٰ نے ذاتی ضرورت اور بکریوں کے پتیاں توڑنے کے بیان پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ آخر میں مجملاً کہہ دیا کہ لاٹھی سے میری دیگر ضرورتیں بھی وابستہ ہیں (مثلاً موذی جانوروں کو مارنا، بکریوں پر حملہ کرنے والے بھیڑیوں کو دفع کرنا، دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنا وغیرہ) یہ لفظ حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلا، مگر حقیقت میں تلقین ربانی تھی کہ جس طرح لاٹھی سے تمہاری دیگر ضروریات وابستہ ہیں اسی طرح شریعت و رسالت سے علاوہ خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل پیرا بنانے کے لئے فرعون کے مقابلے میں اتمام حجت حق و باطل کا فیصلہ بنی اسرائیل کی ذلت دور کر کے عزت عطا کرنا اور اقوامِ عالم میں ان کو سرخرو بنانا بھی مقصود ہے ۔

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ۔ حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں جب تک لاٹھی تھی اصلی حالت پر تھی کیونکہ ہیبت ناک اور دہشت انگیز سین نظر نہ آتا تھا، سیدھی سادی لکڑی تھی ۔ جب زمین پر ڈالا تو اژدہا بن گئی ۔ گویا یہ بتانا غرض تھا کہ موسیٰ بظاہر معمولی آدمی تھے، ضروریات بشری کے محتاج تھے ۔ نہ صورت سے کسی اندرونی طاقت کا اظہار ہوتا تھا نہ جلال جبروتی نمایاں ہوتا تھا، مگر سرکش طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے وقت یہی متبرک مقدس صورت پر شکوہ جلال کا اظہار کرتی تھی ۔ مذہبی طاقت اس کے رونگٹے رونگٹے سے ظاہر ہوتی تھی گویا وہ موسیٰ ہی نہیں معلوم ہوتے تھے جو ہمہ پر نظر آتے تھے ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے جوتیاں اتار دینے کا حکم دیا ۔ یہاں لاٹھی ڈال دینے کی ہدایت کی ۔ جوتیاں بھاگنے کا ذریعہ ہیں اور لاٹھی تحصیل مقصد کا آلہ ۔ مراد یہ تھی کہ ہر قسم کی طلب ترک کر دو ۔ جب تک تلاش و گریز میں رہو گے، نفسانی اغراض میں مشغول رہو گے معرفت الٰہی کا حصول نہ ہوگا ۔ کمر بندِ طلب چھوڑ دو گے تو خلوص کے مرتبہ پر فائز ہو گے اور معرفت الٰہی حاصل ہو جائے گی ۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ ۔ یعنی ایک ہاتھ کو گریبان میں داخل کر کے دوسری بغل میں پہنچاؤ اور پھر باہر نکالو ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نورِ الٰہی پردہ کے اندر سے پرتو فگن ہوتا ہے ۔ قوت قدسیہ اس جسمانی خاکی جامہ کے اندر سے رونما ہوتی ہے ۔ بغل میں ہاتھ دے کر باہر نکالنے سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہو جائے گی یعنی ہدایت کے غیبی جلوہ سے دنیائے کفر کے ظاہر چمکاوے ماند پڑ جائیں گے ۔ یَدْ سے مراد آیت میں صرف ہتھیلی ہے پورا ہاتھ مراد نہیں ۔

مِنْ غَيْرِ سُوءٍ سوء سے مراد عیب اور برص ہے ۔ کذا قال ابن عباس و مجاہد و عکرمہ و قتادہ والضحاک والسدی وغیرہم ۔

مقصود بیان

حضرت موسیٰ کے پورے قصہ سے یہ امر بالکل نمایاں ہوتا ہے کہ کل عالم تقدیر ازلی کے تابع ہے ۔ رب العالمین فیاض مطلق ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے ۔ نبوت کسبی چیز نہیں محض عطیۂ الٰہی ہے ۔ ظاہری اسباب کی تلاش سنتِ انبیاء ہے ۔ موذی کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرنی شیوۂ مسلم ہے ۔ ندائے غیبی سنی جا سکتی ہے، مگر گوش ہوش کی ضرورت ہے ۔ مقام مقدس میں جوتیاں اتار کر داخل ہونا شانِ تہذیب ہے ۔ کسی مخصوص مقام پر جلوۂ الٰہی پڑ سکتا ہے اور جہاں مخصوص جلوہ پڑے ہاں وہ متبرک اور مقدس ہو جاتا ہے ۔ أَنَا اخْتَرْتُكَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ مختار مطلق ہے مجبور نہیں ۔ بندوں میں سے کسی خاص بندے کو عطائے فضل کے اختیار کرنا اللہ ہی کا کام ہے ۔

toobaafoundation.com

اس میں کسب و کوشش کو دخل نہیں ۔ بنا رعرفان اقرار توحید اور یقین قیامت ہے ، لیکن توحید کے ساتھ عبادت یعنی مراقبہ ، مجاہدہ ، ریاضت ، تحمل کی یکسوئی ، تفکر و غور اور زندگانی کی اصلاح لازم ہے ۔ لِذِکْرِیْ کا لفظ بتاتا ہے کہ ریاکاری یا تساہل و غفلت کی نماز ناقابلِ قبول ہے ۔ نماز میں یادِ الٰہی لازم ہے ۔ لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ سے قیامت کی ضرورت ظاہر کرنی مقصود ہے ۔ فَلَا یَصُدَّنَّکَ الخ ۔ یہ تعلیم دینی غرض ہے کہ قیامت کا انکار درحقیقت اس شخص سے سرزد ہو سکتا ہے جو خواہشات کا پرستار ، ہوائے نفس کا بندہ اور شترِ بے مہار بننا چاہتا ہو اور دنیوی زندگانی میں کسی شرعی اصلاحی قید کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ شیطانی گروہ آدمی کے صحیح عقائد اور درست اعمال کو طرح طرح سے برباد کرنا چاہتا ہے ، مگر عقائدِ صادقہ اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہنا مسلم کامل کا شیوہ ہونا چاہیئے ۔

اہلِ تحقیق نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے تھے ۔ ان دونوں میں سے پہلے میں جبروتِ الٰہی کا اظہار تھا جو فرعون جیسے سرکش کے مقابلے کے لئے ضروری بات تھی ۔ دوسرے میں رہنمائی اور روشنی کی طرف اشارہ تھا ۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۞ وَیَسِّرْ لِیْۤ ع ۱۰

فرعون کے پاس جاؤ وہ واقعی حد سے بڑھ گیا ہے موسیٰ نے کہا پروردگار! میرا سینہ کشادہ کر دے اور میرا کام میرے

اَمْرِیْ ۞ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۞ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۞ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا

لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے کنبہ میں سے میرے

مِّنْ اَهْلِیْ ۞ هٰرُوْنَ اَخِی ۞ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۞ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۞ كَیْ

بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے اُس کے ذریعہ سے میری قوت کو مضبوط کر دے اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنا دے تاکہ

نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۞ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ۞ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۞ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ

بکثرت ہم تیری پاکی بیان کریں اور بکثرت تیری یاد کریں بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھ رہا ہے اللہ نے فرمایا موسیٰ تمہاری

سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ۞ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ۞ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ

درخواست منظور کی گئی ہم تم پر ایک بار اور بھی احسان کر چکے ہیں جب ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی تھی

مَا یُوْحٰۤى ۞ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ

جو الہام کے قابل تھی یعنی یہ کہ موسیٰ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے دریا اس کو کنارے پر لا ڈالے

بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ

گا اور اُس کو میرا اور اُس کا دشمن لے لے گا میں نے تم پر اپنی محبت ڈال دی

toobaafoundation.com

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِیْ ۝ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ

تاکہ تم میری آنکھ کے سامنے پرورش پاؤ جبکہ تمہاری بہن یہ کہتی جارہی تھی کہ کیا میں تم کو ایسا شخص بتادوں جو اس کی پرورش کرے

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ

چنانچہ ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غمگین نہ رہے اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا تو ہم نے تم کو

مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۬ ثُمَّ جِئْتَ

غم سے بچالیا اور آزمائش کے لئے تم کو محنت میں ڈالا پھر تم چند سال مدین والوں میں رہے اس کے بعد تقدیر

عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ

سے تم آگئے اور میں نے تم کو اپنے لئے خالص کرلیا تم اور تمہارے بھائی میرے معجزات

بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ۝ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرو فرعون کے پاس جاؤ واقعی وہ حد سے بڑھ گیا ہے

تفسیر ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ علمبردار ہدایت میں جبروتی قوت اور اصول و دلائل کی روشنی ہونی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ کو دونوں نعمتوں سے سرفراز کرکے بھیجا گیا اور بھیجنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی بھولی ہوئی بھیڑیں راہ راست پر آجائیں اور وہ نسل یعقوب جو اپنے آباؤ اجداد کی تعلیم سے غافل ہوکر طاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی ہے اس کو نجات مل جائے، لیکن ان دونوں مقاصد کا حصول کس طرح ممکن تھا جب کہ فرعون ایسا جبار و قہار بادشاہ اسرائیلیوں کے سر پر مسلط تھا اور سب کو غلام بنائے ہوئے تھا اور نہ صرف غلام بنائے ہوئے تھا بلکہ ان کی سادہ لوحی اور جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا، ان کے ضمیر اور دماغ کو لوٹ رہا تھا اور جبر و دعایت کی غیر متناہی قوتوں کو استعمال کرکے ان کے دینی وذہان پر ڈاکہ زنی کر رہا تھا۔ لامحالہ سب سے پہلے فرعون کا مقابلہ کرنا، اس کے پروپیگنڈہ کے زہریلے جراثیم کو قتل کرنا، اس کی طاغوتی طاقتوں کو توڑنا، اس کے دینی اور دنیوی استبداد کی بیخ کنی کرنا حضرت موسیٰ کا فرض اولیں ہونا چاہیئے تھا، اس لئے انہیں تبلیغی حکم ملا کہ فرعون نے قانون الٰہی، قانون فطرت اور قانون عقل سے سرتابی اختیار کی ہے جاؤ اور اس کو ہدایت کرو۔ فرعون سے مقابلہ کرنے کے لئے حضرت موسیٰ کو خصوصیت کے ساتھ چار چیزوں کی ضرورت تھی: اس لئے شرح صدر لازم تھا، طرح طرح کی سختیاں اٹھانی تھیں، روحانی احکام کی تعلیم، اخلاق حمیدہ کی ترغیب اور فرعون کے تجمل و شان کی آنکھوں میں حقارت پیدا کرنی مقصود تھی اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن تھا جب خود موسیٰ کے دل سے خلجانی پردے اٹھ جائیں دلائل و براہین کی روشنی سے دماغ منور ہو جائے، تمام شواہد فطرت نگر و بصیرت کے سامنے آجائیں۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے شرح صدر کی التجا کی۔ پھر فرعون کے دربار کی شوکت، تخت شاہی کا جاہ و جلال اور اسٹاف و مصاحبین کا دبدبہ، سب سے حضرت موسیٰ کو دوچار ہونا تھا، قدم قدم پر کانٹے تھے، ہر راستے میں کوہستانی وزن رکھنے والے پتھر پڑے تھے جن کو دور کرنا لازم تھا۔ حضرت موسیٰ مصر سے قبطی کو قتل کرکے گئے تھے۔ اس کی مزا دینے کے لئے فرعون تیار بیٹھا تھا، اندیشہ تھا کہ فرعون کا دسترس ہو جائے گا تو وہ ضرور اپنے جذبہ انتقام کی آگ کو بجھائے گا۔ ان سب موانع کو دور کرنے کے لئے توفیق ایزدی ضروری چیز تھی اور وہ بھی لازم تھی موسیٰ کے مقصد کے مطابق کارخانہ قدرت کو حرکت دینی لابدی تھی۔ اس

toobaafoundation.com

کے لئے حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ پروردگار میرے کام میں میرے لئے سہولت اور آسانی فرمادے۔ یہاں تک تو بانیٔ اصلاح و توفیق کے لئے دعا تھی، لیکن موسیٰ محسوس دنیا میں پُرجلال بادشاہ سے مقابلہ کرنے کے لئے جانے والے تھے۔ نہ ان کے پاس کوہ شکن لشکر تھا نہ آلات جنگ کے انبار تھے۔ صرف صداقت و حقانیت تھی، جرأت و ہمت تھی، دلائل و شواہد کا ذخیرہ تھا، علوم و معارف کا خزانہ تھا، جرأت و ہمت قائم رکھنے کیلئے کم از کم ایک مددگار کی ضرورت تھی۔ زیادہ نہیں تو اپنے خاندان کا ایک ہی فرد تصدیق و حمایت کے لئے تیار ہونا چاہیئے تھا تاکہ دکھ اور مصیبت کے وقت وہ کچھ کام کر سکے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت بھی تھی۔ فصاحت و سلاست کے ساتھ اپنے مدعا کا اظہار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ایک ترجمان فصیح اللسان کی ضرورت تھی تاکہ اس کے ذریعہ سے ان براہین و دلائل کو ظاہر کیا جا سکے جن کا بحر ذخار حضرت موسیٰ کے دل و دماغ میں جوش مار رہا تھا۔ ان دونوں مقصدوں کے حصول کے لئے حضرت موسیٰ نے استدعا کی کہ پروردگار! میری زبان کی گرہ کھول دے، لکنت دور کر دے تاکہ لوگ میرا کلام سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار، پشت پناہ اور قوت بازو بنا دے اور (نبوت یا) اس خاص مشورہ میں اس کو میرا شریک بنا دے۔ بارگاہ مجیب الدعوات سے حکم ہوا موسیٰ تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔ ہم اس سے پہلے بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جب تم کو شعور بھی نہ تھا۔ ہم نے فرعون کی گرفت سے بچانے کے لئے تمہاری ماں کے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ صندوق میں بند کر کے اس بچہ کو دریا میں پھینک دے۔ ہمارے القاء کے بموجب ماں نے تم کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ بہتے بہتے صندوق کنارے آ لگا۔ فرعون جو میرا اور تمہارا دونوں کا دشمن تھا اس نے صندوق کو پکڑ لیا اور چونکہ ہم نے اپنی محبت تم پر ڈال دی تھی، اس لئے تم کو جو شخص دیکھتا تھا پیار کرتا تھا۔ بالآخر تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا (پھر جوان ہونے کے بعد) تمہارے ہاتھ سے ایک آدمی مارا گیا تم بھاگے اور چند سال مدین میں رہے۔ مدت مقررہ پوری ہو گئی تو واپس آئے چونکہ تم کو ہم نے اپنے لئے انتخاب کر لیا تھا، اس لئے یہ تمام احسانات تمہارے ساتھ کئے۔ اب دونوں فرعون کو ہدایت کرنے کے لئے جاؤ۔

تحلیل اجزاء

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ کفر و شرک میں مبتلا ہونے والی اور حد اعتدال سے تجاوز کرنے والی اگرچہ پوری قوم تھی، مگر فرعون سب کا سردار اور گمراہ کرنے والا تھا، اس لئے فرعون کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمادیا۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ شرح صدر سے مراد ہے دل کی تنگی دور ہو جانا اور ماسوی اللہ کا خوف دل سے زائل ہو جانا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا اس سوال سے موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ سوا اللہ کے میں کسی سے خوف نہ کروں۔ قرآن میں دوسری جگہ اس کی تشریح آئی ہے۔ ارشاد ہے قَالَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ۔

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے صاف بول نہ سکتے تھے اور مخاطب کو مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آپ کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ بچپن کے زمانے میں جب حضرت موسیٰؑ کے سامنے یاقوت سُرخ ایک برتن میں اور انگارے دوسرے طشت میں لائے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان جل گئی اور بولنے سے قاصر ہو گئے۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ نے زبان کی فصاحت و سلاست کی درخواست نہ کی بلکہ ایک گرہ کھولنے کی خواہش کی اور فقط اتنی دعا کی کہ لوگ میری بات سمجھ جائیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تبلیغ احکام کے لئے قدرت ادا کی ضرورت تھی، اس لئے موسیٰ نے بقدر ضرورت التجا کی۔ انبیاؤ صلحاء اتنی ہی نعمت کے طالب ہوتے ہیں جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ کی زبان سے صرف ایک گرہ کھول دی گئی تھی۔ حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ (رواہ ابن کثیر)

اَشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ۔ اس سے مراد مفسرین کے نزدیک نبوت و رسالت ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ نے ہارون کے نبی بنائے جانے کی دعا کی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ نے اس قول کی تصدیق فرمائی تھی۔ مجاہد کے نزدیک امر سے مراد مشورہ ہے۔

اِذْ اَوْحَیْنَا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو وحی ہوئی تھی، مگر یہ وحی بطریق نبوت نہ تھی بلکہ قلبی القاء یا خواب یا پختہ ارادہ کی شکل میں تھی۔

اُقْذِفِیْهِ۔ حضرت موسیٰ کی یہ حقیقی بہن تھیں اور مریم نام تھا۔ ابن کثیر وغیرہ نے خلاصہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ نجومیوں نے جب فرعون کو بتایا کہ عنقریب

toobaafoundation.com

بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو ملک میں فساد کرے گا اور تیری سلطنت اس کے ہاتھوں برباد ہوگی تو اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جو لڑکا پیدا ہوتا مارا جاتا۔ بمشیتِ الٰہی حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ ماں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں فرعون قتل نہ کرا دے۔ اس لئے بالقاء ربانی ایک خاص ترکیب سے صندوق بنوایا اور اس میں حفاظت و احتیاط کے ساتھ رکھ کر سر بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ دریا کی ایک شاخ شاہی محل کے اندر آتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا حرم سرا کے اندر آ گیا۔ شاہی ماماؤں نے نکال کر جناب آسیہ کے حضور میں پیش کیا۔ صندوق کھولا گیا۔ خوبصورت بچہ برآمد ہوا۔ آسیہ کے مشورہ فرعون متبنٰی کر لیا۔ دودھ پلانے کے لئے دائی کی تلاش شروع ہوئی۔ چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل عام جاری تھا اس لئے دائی کمیاب تھی بہرحال دودھ پلانے والیاں بلائی گئیں۔ حضرت موسیٰ نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ حرم سرا کے اندر حضرت موسیٰ کی بہن موجود تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آسیہ ان کی خالہ تھیں انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ دیا بلکہ آسیہ کے حکم سے خود بلا کر لائیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا۔ تین سال تک حرم سرا کے اندر رہ کر حضرت موسیٰ کی والدہ دودھ پلاتی رہیں پھر اپنے گھر لے آئیں اور کبھی کبھی آسیہ کے پاس لا کر دکھا بھی دیا کرتی تھیں۔ فرعون بہرحال خوف زدہ تھا۔ آسیہ کی خواہش پر اس نے موسیٰ کی تربیت گوارا تو کر لی تھی، مگر دل سے قتل کا خواہاں تھا۔ ایک روز حضرت موسیٰ کو گود میں لے رہا تھا حضرت موسیٰ نے اس کی داڑھی نوچ لی۔ فرعون کو قتل کا بہانہ مل گیا۔ آسیہ نے سفارش کی اور معصومیت کو عذر قرار دیا۔ فرعون ضد پر قائم رہا اور کہنے لگا اس نے یہ حرکت دانستہ کی ہے یہ لڑکا بہت ہوشیار ہے۔ آسیہ نے کہا اس کو اچھے برے کی تمیز نہیں یہ شاہی وقار و تہذیب کو سمجھ نہیں سکتا۔ اگر آزمائش کرنی ہے تو ایک طشت میں دہکتے انگارے اور دوسرے طشت میں یاقوت سرخ اس کے سامنے لانے کا حکم دیجئے۔ خود دانا اور ناداں ہونے کی وضاحت ہو جائے گی۔ فرعون راضی ہو گیا۔ حسب الحکم دو طشت منگائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے انگاروں کے طشت میں ہاتھ ڈال کر ایک چنگاری زبان پر رکھ لی جس کی وجہ سے زبان جل کر اس میں گرہ پڑ گئی اور آپ بولنے سے معذور ہو گئے۔ غرض رفتہ رفتہ آپ جوان ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کا راستہ میں جھگڑا کرنا اور حضرت موسیٰ کا قبطی کو سمجھانا اور اس کا نہ ماننا اور حضرت موسیٰ کا اس کے طمانچہ مارنا اور اس کا مر جانا۔ پھر حضرت موسیٰ کا مدین کی طرف بھاگ جانا مشہور قصہ ہے الخ

مقصودِ بیان

فرعون طاغی تھا یعنی قانونِ عقل، قانونِ فطرت اور قانونِ الٰہی کا مخالف تھا۔ سینہ کا کشادہ ہو جانا اور دماغ کا دلائل و براہین کی روشنی سے منور ہو جانا عظیم ترین نعمت ہے جس کی خواہش حضرت موسیٰ نے بھی کی تھی۔ یَفْقَهُوا قَوْلِي کا لفظ صاف دلالت کر رہا ہے کہ اللہ کے خاص بندے اپنے نفس کے لئے کچھ طلب نہیں کرتے بلکہ اسی چیز کی طلب کرتے ہیں جس کی تعلیم حقانیت کے لئے ضرورت پڑتی ہے اور اتنی ہی خواہش رکھتے ہیں جتنی اعلانِ حق کی خواہش ہوتی ہے۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے قوت بازو اور مددگار رہتے۔ انبیاء کو بھی مادی دنیا میں رہتے ہوئے ظاہری اسباب کی فراہمی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ وہ غیبی طاقت کے مالک ہوتے ہیں، مگر خارجی اسباب پر بظاہر ان کی بھی نظر ہوتی ہے۔ أَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي کے الفاظ یہ وضاحت ظاہر کر رہے ہیں کہ موسیٰ مستجاب الدعوات تھے اور آپ کی دعا سے حضرت ہارون کو نبوت ملی تھی۔ اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک وقت میں دو نبی ہوتے ہیں، مگر ایک نبی دوسرے کا تابع رہا ہے۔ کَیْ نُسَبِّحَكَ الخ سے یہ بات تلقین کرنی فرض ہے کہ مخلص مومن کی ہر خواہش اور ہر دعا کا اصل مرکز یادِ الٰہی ہونا چاہیئے۔ دنیوی ترقی اور کثرتِ مال ہرگز پیشِ نظر نہ ہونا چاہیے۔ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ ایک طرح کی وحی ان لوگوں کے پاس بھی آ سکتی ہے جو انبیاء نہ ہوں جیسے حضرت موسیٰ کی والدہ کے پاس وحی آئی تھی یعنی القائے قلبی ہوا تھا۔ أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً الخ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس بندہ سے اللہ محبت کرتا ہے اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کی محبت کسی کے سابقہ اعمال پر موقوف نہیں بلکہ وہ جسمیں صلاحیت فطری ملاحظہ فرماتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي سے یہ بات دکھانی غرض ہے کہ اللہ اپنے محبوب بندوں کی نگہداشت کا خود ذمہ دار ہے۔ فَتَنَّاكَ فُتُونًا میں اس امر کی جانب ایما ہے کہ اللہ کے خاص بندوں کی طرح طرح سے آزمائش کی جاتی ہے۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي سے صاف ظاہر ہے کہ اعلانِ حق، اشاعتِ دین و تبلیغِ صداقت کے لئے خدا تعالیٰ نے بعض خاص بندے پیدا کئے ہیں۔ ہر شخص میں ان امور کی انجام دہی کی صلاحیت نہیں ہے وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي میں اس بات کی صراحت ہے کہ جلیل القدر نبی اور عظیم الشان رہنما بھی یادِ الٰہی سے مستغنی نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش اور پرورش اور اعطائے

نبوت کا پورا قصہ مندرجہ ذیل تعلیم دیتا ہے:۔

(۱) باطل پرست انسان طاغوتی طاقتوں کا کتنا ہی استعمال کرے اور اپنی باطل پرستی کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کرے اگر اللہ کی طاقت سب کو محیط ہے۔ وہ دشمن کے ذریعہ سے دوست کا کام لاتا ہے اور دشمن سے دوست کی پرورش کراتا ہے۔ اس کی تدبیر تک کسی انسانی علم کی رسائی نہیں (۲) نبوت ایک وہبی چیز ہے۔ (۳) اللہ جس کی حفاظت کرنی اور جس پر نوازش کرنی چاہتا ہے اور اپنے خاص انعامات سے مالامال کرنا چاہتا ہے غیب سے اس کے اسباب بھی ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے وغیرہ۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن

اس سے نرم بات کہو شاید وہ مان لے یا ڈر جائے موسیٰ و ہارون نے کہا اے ہمارے رب ہم کو اندیشہ ہے کہ

يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ۝ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝

وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے گا یا شرارت کرے گا اللہ نے فرمایا تم اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۵ وَلَا

تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے ان کو

تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝

نہ ستا ہم تیرے رب کی طرف سے ایک معجزہ بھی تیرے پاس لائے ہیں اور سلامتی اس کے لیے ہے جو ہدایت پر چلے

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝

ہمارے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب اس پر ہوگا جو جھٹلائے اور روگردانی کرے

تفسیر :- فرعون بڑا سرکش، مغرور اور شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ معمولی درجہ کے آدمی کو گفتگو کی مہلت نہ دیتا اور وعظ و نصیحت کی سخت ضد پہ آمادہ کر دیتی ہے۔ پھر فرعون جیسا بڑا کو اگر درشت الفاظ میں نصیحت کی جاتی تو خطرہ یہ تھا کہ دعوت کے غیر موثر ہونے کا اندیشہ تھا بلکہ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو۔ فرعون ضد میں آ جاتا اور تبلیغ کا فرض ادا نہ ہوتا۔ اس لئے آیت مذکورہ میں ہدایت فرما دی کہ فرعون کے ساتھ گفتگو نرمی کے ساتھ کرنا تاکہ تمہاری تصدیق کرے نصیحت اندوز ہو اور تصدیق نہ کرے تو کم از کم تمہاری تصدیق کا خیال ہی اس کو ہو جائے اور یہ خیال اس کے دل میں خوف پیدا کر دے کہ اگر میں اپنا عقیدہ اور بدکرداری و ستم شعاری ترک نہ کروں گا تو انجام بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔

نوٹ :- خدا تعالیٰ نے فرعون سے نرم گفتگو کرنے کی ہدایت موسیٰ اور ہارون کو فرمائی۔ مفسرین نے اس کا دقیق ترین نکتہ یہ لکھا ہے کہ اگر موسیٰ فرعون سے درشتی کے ساتھ کلام کرتے تو خطرہ اس کا تھا کہ فرعون مزید سرکشی اختیار کرنے لگتا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو بھی اپنی الٰہی طاقت پہ غرور ہو جانے کا اندیشہ تھا اور نرم گفتگو کرنے میں غرور کا جذبہ کبھی کارفرما نہیں ہو سکتا۔ نفس انسانی کی فرعونیت کو کامل طور پہ شکست ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ کو فرعون کی ستم شعاری و جباری معلوم ہوتی تھی باقتضائے بشری عرض کیا پروردگار! ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم کو ہلاک کرنے

toobaafoundation.com

میں پیش دستی یا تکلیف دہی میں زیادتی نہ کرے یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ ہم کو مار ڈالے یا کم از کم ناقابل برداشت تکلیف دے سکے۔ حضرت موسیٰ نبی مرسل تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ خدا تعالیٰ ظالموں کو ضرور برباد کرتا ہے اور بربادی کا وقت معین ہوتا ہے، لیکن بربادی کا مقررہ وقت کب آئے گا؟ یہ سوا خدا کے کس کو معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ فرعون کو ابھی مزید مہلت دی جائے رسی اور ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔ ہم دونوں بھائی تبلیغ کریں اور وہ ہم کو گرفتار کر کے ایذا پہنچائے یا ہلاک کر دے اور ہماری ہلاکت کے بعد اس کی ہلاکت کا وقت آئے، اس لئے حضرت موسیٰ نے اندیشہ کا اظہار کیا۔ اندیشہ کے اظہار سے اصل غرض خدا سے امداد کی دعا کرنی تھی۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے تسکین دینے کے لئے فرمایا: تم دونوں کچھ اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا حافظ و ناصر ہوں، تمہاری دعا کو سنتا ہوں۔ فرعون جو برتاؤ تمہارے ساتھ کرے گا اس کو خود دیکھتا ہوں کوئی بات مجھ سے مخفی نہیں ہے۔

تنبیہ مخاطب اور مخاطب اس وقت صرف حضرت موسیٰ تھے۔ حضرت ہارون موجود نہ تھے۔ مگر چونکہ موسیٰ متبوع اور ہارون تابع تھے، اس لئے نقل کلام میں مخاطب اور مخاطب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو قرار دیا۔

تحلیل اجزاء لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ابو کثیر نے صراحت کی ہے کہ تذکر سے مراد ہے گمراہی اور معاصی سے باز رہنا اور خشیت سے مراد ہے ڈر کر طاعت کرنا۔ گویا گناہوں سے پرہیز اور طاعت پر استقامت ان دونوں مقاصد کے لئے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ ہماری رائے میں يَتَذَكَّرُ اور يَخْشَىٰ کا جو فرق تھا وہ تفسیری مطلب کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

ایک شبہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ پھر حضرت موسیٰ کو تبلیغ کا کیوں حکم دیا اور کیوں نرم گفتگو کرنے کی ہدایت فرمائی؟ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ امید و طمع سے پاک ہے پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ تم دونوں جا کر اس سے نرم کلامی کرو شاید وہ نصیحت قبول کر لے اور ڈر کر فرماں بردار بن جائے۔

جواب خدا تعالیٰ کو تو ہر شخص کی حالت کا علم پہلے سے ہوتا ہے، مگر وعظ و نصیحت و ارشاد و ہدایت کا حکم محض اتمام حجت اور دفع عذر کیلئے دیا جاتا ہے۔ انبیاء کو مبعوث فرمانا کتابیں نازل کرنا اور تبلیغ کی مختلف انواع و اصناف کی ہدایت کرنا ان سب کا مقصد ادائے فرض ہوتا ہے۔ اس سے اہل ایمان کے دلوں میں یقین و خوف مستحکم ہو جاتا ہے اور کافروں میں سے جن کے نصیب میں ازلی سعادت ہوتی ہے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں اور جو ازلاً محروم ہوتے ہیں ان کو کوئی ہدایت فائدہ نہیں پہنچاتی۔ رہا لفظ لَعَلَّ کا استعمال اور خدا تعالیٰ کا امید و طمع سے پاک ہونا ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرض تبلیغ ادا کرو اور یہ سمجھتے ہوئے ادا کرو کہ فرعون راہ راست پر شاید آ جائے گا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم فرعون کو ہدایت کرو کیونکہ اللہ کو امید ہے کہ شاید وہ ہدایت قبول کر لے۔ امید کا رجوع خدا کی طرف نہیں بلکہ حضرت موسیٰ و ہارون کی طرف ہے۔

أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ۔ پیش دستی کرنے سے مراد ہے ہلاک کرنا اور طغیان سے مراد ہے ناقابل برداشت تکلیف دینی۔

إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ۔ حضرت موسیٰ کی معرفت فرعون کو جو پیغام پہنچانا تھا یہاں سے اسی پیغام کی تقریر ہے۔ پیغام میں تین امور کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ سب سے پہلے اللہ کا رب ہونا اور فرعون کا حقیر بندہ ہونا ظاہر فرمایا اور حکم دیا کہ تم اس سے جا کر کہو ہم تیرے رب کے پیغامبر ہیں۔ گویا یہ تعلیم دینی مقصود تھی کہ تو رب نہیں بندہ ہے، تیرا رب کوئی اور ہے جس نے ہم کو تیرے پاس بھیجا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو تو نے زبردستی مصر میں روک رکھا ہے (اور ملک شام کو جو ان کا آبائی وطن ہے جانے نہیں دیتا) ایسا نہ کر۔ تیسری بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے اور اس طرح طرح کا ظلم توڑنے کا جو تو نے سسٹم جاری کر دیا ہے اس کو دور کر دے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی ہدایت اور نجات کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اتمام حجت کے لئے فرعون کو بھی تبلیغ توحید کرنی لازم تھی، اسی لئے سب سے پہلے توحید کی تلقین اور پھر بنی اسرائیل کے لئے نجات کی کوشش کرنے کا حکم ہوا۔ توحید دو طرح کی ہوتی ہے۔ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت۔ اول الذکر سے ترقی کر کے آدمی دوسرے درجہ میں پہنچتا ہے۔ جو شخص خدا کو رب العالمین سمجھے گا وہ لامحالہ اس کو معبود بنانا بھی یقین کرے گا۔ فرعون صابی مذہب کا آدمی تھا۔ ستارہ پرستی اس کا دین تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کا

toobaafoundation.com

قائل نہ تھا۔ شوکت، دولت، سطوت اور جاہ و جلال نے اس کو اس حد تک مغرور کر دیا تھا کہ وہ فرقہ صابیہ کے خصوصی عقائد سے بھی آگے بڑھ گیا تھا اور اپنی ذات کو رب یعنی سب کا پروردگار اور ان داتا کہنے لگا تھا۔ مگر خالق عالم اور الٰہ مطلق ہونے کا دعویٰ اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اسی بنا پر رَسُوْلُ الْعٰلَمِیْنَ کی بجائے رَسُوْلَا رَبِّكَ کا لفظ استعمال کرنے کا حکم ہوا۔

بِاٰیَۃٍ الخ اوپر کی آیت میں رسول و پیغمبر ہونے کا دعویٰ تھا۔ ہر دعوے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں گزشتہ دعوے کا ثبوت پیش کرنے کا حکم ہے۔ اٰیَۃٌ سے کسی خاص آیت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اید، بیجار، معصاء، عقلی دلائل و براہین اور زبانی حجت بالنوع سب کو یہ لفظ شامل ہے۔

وَالسَّلٰمُ الخ۔ آدمی چھوٹا ہو یا بڑا، جاہل ہو یا عالم فطرتاً ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنے عقائد سے توبہ کریں اور اعمال بدل دیں تو ہم کو کیا فائدہ پہنچے گا اور نہ مانیں گے تو کیا نقصان ہوگا۔ ان آیات میں اسی نتیجہ کا بیان ہے کہ جو شخص راہ راست پر چلتا ہے وہ دارین میں عذاب سے محفوظ رہتا ہے اور جو دامن حق کو چھوڑتا جاتا اور اس کی تعلیم سے روگردانی کرتا ہے اس کو دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

مقصود بیان حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کو فرعون سے نرم کلامی اختیار کرنے کا حکم اپنے اندر یہ ہدایت رکھتا ہے کہ واعظ کے لئے خوش خلقی اور نرمی کلام لازم ہے۔ لیکن جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں نرمی اختیار کی جائے۔ جس طرح فرعون سے کلام کرنے میں نرمی کرنے کی ہدایت موسیٰ کو کی گئی۔ جو محض نرم کلامی کی تلقین موسیٰ کو نہیں کی گئی یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وعظ و نصیحت سے واعظ کا مقصود صرف ہدایت و ارشاد ہونا چاہیئے۔ شہرت، عزت، دولت اور حکومت و جاہ کا حصول پیش نظر نہ ہونا چاہیئے۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ کے الفاظ صراحتاً دلالت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ کی توحید، ربوبیت کی تعلیم دینی لازم ہے۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اگرچہ اعلان توحید اور اصلاح خلق کیلئے مبعوث ہوئے تھے مگر بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے رہائی دلانا بھی آپ کا مقصود اولین تھا۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی الخ سے تعلیم دی غرض ہے کہ نرمی کلام کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ حق کو چھپایا جائے اور خوشامد کی جائے اور ضروری پیغام صداقت بھی نہ پہنچایا جائے۔ کتنا ہی جبار، قہار، با سطوت بادشاہ ہو اس کے سامنے بھی بغیر کسی جھجک اور رعب کے، تہذیب کے ساتھ اصول حقانیت و صداقت کو ظاہر کرنا مبلغ کا لازمی فرض ہے اور تعمیل و نافرمانی کے اچھے برے نتائج بتا دینا نہایت ضروری ہے وغیرہ۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝

فرعون بولا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ موسیٰ نے کہا ہمارا رب جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا کی پھر اس کو طریقہ سکھایا

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ

فرعون بولا تو اگلے لوگوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے میرا رب غلطی نہیں کرتا۔

وَلَا یَنْسَی ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ

اور نہ بھولتا ہے اسی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے اور

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا

آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے طرح طرح کی سبزیاں پیدا کیں کھاؤ اور اپنے مویشیوں

toobaafoundation.com

اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ۠ ○ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ

کو چراؤ۔ اس میں اہل عقل کے لیے نشانہائے قدرت ہیں۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے

وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی ○ وَ لَقَدۡ اَرَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰی ○

اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔ ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ نے دربار فرعون میں پہنچ کر نہایت بلند آہنگی سے فرعون کی ربوبیت کا انکار اور اللہ کی الوہیت کا اعلان کیا۔ یہ ندائے حق اور آواز صداقت فرعون کے لئے تمام عمر میں پہلی آواز تھی۔ اس کو اپنی شوکت، سطوت اور طلسمات پر زور تھا، لیکن اس جلال غیبی آواز کو سن کر اس کی تمام فرعونیت مقہور ہو گئی اور بجائے عتاب و قہر کے چند ضروری سوال کرنے لگا۔ پہلا سوال یہ کیا کہ تمہارا رب کون ہے؟ فرعون محسوس سے ماورا کسی غیبی طاقت کا قائل نہ تھا اس کی نظر کوتاہ تھی، اس لئے بطور تعجب کے یہ سوال کیا۔ حضرت موسیٰ نے نہایت مختصر مگر جامع جواب دے دیا ایسے الفاظ فرمائے جو اپنے اندر دلائل و براہین کا لامحدود خزانہ پوشیدہ رکھتے ہیں۔ تمام عالم مادی کی تخلیق دو قسم کے اجزاء سے ہوئی ہے ظاہر اور باطن، صورت اور سیرت، ہیئت اور قوت۔ ہر چیز کی ایک ظاہری شکل ہے اور ایک اندرونی طاقت۔ عالم جماد سے لے کر انسانی دنیا تک سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جمادات میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب ظاہری ساخت عطا فرمائی اور فطری طور پر اس کے اندر ایسی قوت پیدا کی جو ظاہری ساخت کے مناسب تھی بطور مثال چونے کی ساخت کھوکھلی بنائی تاکہ آسانی کے ساتھ حل ہو جائے۔ چونکہ اس کی ساخت کھوکھلی تھی، اس لئے اس کے اندر جو قوت محافظ اجزا ودیعت رکھی وہ بھی کمزور رکھی۔ چونے کے اجزاء کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے بچانے والی قوت اتنی کمزور ہے کہ پانی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ ذرا پانی پڑا اور چونے کے اجزاء پراگندہ ہو کر پانی میں حل ہو گئے، لیکن پتھر کو سخت اور اس کی ساخت کو ٹھوس بنایا اور چونکہ اس کے اجزاء ٹھوس بنائے اس لئے اس کے اندر قوت بھی ایسی عطا کی کہ جو نہایت قوی ہے۔ ہر مقابلے کے لئے ہر وقت تیار ہے پتھر کے اجزاء کو پراگندہ کرنا آسان کام نہیں بڑے بڑے کیمیاوی آلات اور کیمیکل ترکیبوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نباتات کی حالت ہے۔ ہر درخت کو اس کے مناسب شکل اور اس شکل کے مناسب اندرونی قوت مرحمت فرمائی۔ نباتات سے اوپر حیوانی دنیا کا بھی یہی حال ہے۔ مختلف جانوروں کی شکل، ہیئت، رنگ، اعضاء کی ساخت اور اندرونی قوتوں کا تفاوت اپنے اندر ایک خاص تناسب رکھتا ہے۔ نباتات میں صرف نمو کی ضرورت تھی، اس لئے غاذیہ اور نامیہ قوتیں اور ان کی خادمات عطا کیں۔ حیوانات میں حس و شعور کی بھی ضرورت تھی، اس لئے ظاہری اور باطنی حواس بھی عطا کئے تاکہ مرغوب و مکروہ، دشمن و دوست اور اچھے برے میں تمیز کر سکیں، سردی گرمی اور سختی نرمی کی کیفیات کو پا سکیں۔ عالم حیوان کے بعد انسان کی باری آئی تو اس کی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، چہرہ ہر ایک مناسب پیدا کیا۔ اندرونی اعضاء رئیسہ وغیرہ سب کی ساخت ضروریات حفظ و بقا کے موافق عطا فرمائی۔ اندرونی حافظہ اور فاعلہ قوتیں مناسب حال مرحمت کیں۔ دماغ کو ایسا بنایا جو مرکز القوا مہبط وحی اور مورد الہام ہو سکے مادی ارواح کو مادی قوتوں کا حامل قرار دیا اور پھر ہر قوت کو مرکب روح مجرد بنایا۔ اگر دنیا کے کل موجودات اور اس کی تخلیق کی تفصیل کی جائے تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ اس لئے ہم ترک کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جو جواب دیا وہ گوناگوں دلائل کو حاوی تھا فرمایا میرا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب ساخت، شکل، ہیئت، خصوصیات عوارض وغیرہ عطا کئے، اور جسمانی ساخت کے بعد اس کو اندرونی اور بیرونی مادی اور غیر مادی قوتیں عطا فرمائیں جو فطرۃً یا ارادۃً اچھائی برائی، نیکی بدی اور صحت و غلطی میں امتیاز کرتی ہیں۔ انسان کو حق و باطل اور خیر و شر میں فرق کرنے کا راستہ بتاتی ہیں۔ بدن کو پرورش کرنے اس کو باقی رکھنے اور سلسلۂ نسل جاری کرنے کے لئے جن ذرائع اور آلات کی ضرورت تھی ان سب کو اندرونی اور بیرونی قوتیں فراہم کرتی ہیں اور اس طرح بقائے نوع کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ ثُمَّ هَدٰى کا لفظ اس تمام مضمون

toobaafoundation.com

کو حاوی ہے۔

الغرض اللہ وہی ہے جو خلاقِ کل، صاحبِ ارادہ اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ حکیم، علیم اور قادرِ مطلق ہے۔ ہر شئی کو اسی نے بنایا اور مناسب طور پر بنایا۔ ہر شئی کو طبعی ضروریات اور فطری لوازم پورا کرنے کی قوت اسی نے عطا کی اور مناسب طور پر عطا کی۔

فرعون یہ جواب سن کر مبہوت ہو گیا۔ ایسا بلیغ کلام اس نے کبھی نہیں سنا تھا، اس لئے غیر محسوس طور پر قوت کا وہ معنا دکبھی انکار نہ سکا۔ البتہ طرزِ سخن بدل کر دوسرا سوال کیا بولا اچھا بتاؤ گزشتہ اقوام کا کیا حال ہو گا؟ یعنی جب الوہیت و ربوبیت کا مرکز ایک ہی غیبی ہستی ہے اور نجات و سعادت کے لئے توحید ضروری ہے تو گزشتہ قومیں جو شرک و بت پرستی میں غرق تھی ان کی کیا حالت ہو گی۔ کیا وہ سب کے سب بے وقوف اور جاہل تھے۔ کیا کل کے کل گمراہ اور بے دین تھے۔ فرعون کا مطلب ایک یہ بھی تھا کہ ہر دور کے ہر افراد و اشخاص جواب تک گزر چکے ان کے عقائد و اعمال کا احاطہ کیوں کر ممکن ہے۔ سزا و جزا اور عذاب و ثواب تو اسی وقت ممکن ہے جب عقائد و اعمال کا علم اور احاطہ ممکن ہو۔ کروڑوں انسانوں کے لامحدود حرکات و سکنات کا احاطہ ناممکن ہے۔ پھر کس طرح ان کو سزا جزا دی جا سکتی ہے اور کیونکر تم تکذیب کرنے والے کو مستحق عذاب اور ہدایت قبول کرنے والے کو مستوجب سلامتی و نجات، کہتے ہو۔

چونکہ اس سوال کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ نے ایسا جواب دیا کہ سوال کی دونوں شقیں زائل ہو گئیں۔ فرمایا گزشتہ اقوام کا علم خدا ہی کو ہے۔ اسی نے لوحِ محفوظ میں سب کچھ مندرج کر رکھا ہے۔ اس کے علم میں غلطی اور نسیان ناممکن ہے۔ یعنی اقوام کو نہ تو گمراہ، بے دین اور بے وقوف کہا جا سکتا ہے نہ عقلمند، نجات یافتہ اور دین دار۔ کیونکہ ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ ہمارے سامنے ان کے احوال نہیں نہ فہرست اسماء ہے، ہم ان کے متعلق کوئی رائے زنی نہیں کر سکتے۔ رہی ان کی کثرت اور غیر محدود تعداد تو اللہ ہی کے علم و احاطہ سے وہ خارج نہیں، ان کی کوئی حرکت خدا سے غائب نہیں۔ ان کے تمام افعال، اعمال اور اقوال لوحِ محفوظ میں درج ہیں، ان سب کے اعمال نامے اللہ کے پاس موجود ہیں، وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق سزا جزا دے سکتا ہے۔ غلطی کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اللہ کو ان کا صحیح علم نہ ہو، غلط اندراج ہو یا مندرجہ اعمال کو سمجھنے میں غلطی ہو جائے۔ سو اللہ ہر غلط فہمی اور غلط اندراج سے پاک ہے۔ یا غلطی کی یہ صورت ممکن ہے کہ خدا بھول جائے، اس کو نسیان ہو جائے تو یہ بھی محال ہے۔ خدا بھول چوک سے منزہ ہے۔ جب غلط فہمی، غلط اندراج اور نسیان کوئی بھی ذاتِ الٰہی میں ممکن نہیں اور اس کا علم سب کو محیط ہے تو پھر سزا جزا کچھ دشوار نہیں۔

جواب کی تکمیل یہاں تک ہو گئی، مگر اللہ کا علم سب کو محیط ہے۔ وہ جزئیات کو فرداً فرداً جانتا ہے۔ یہ ایک دعویٰ تھا جس کا ثبوت نہیں پیش کیا گیا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ نے اس کے بعد وہ واضح اور کھلے ہوئے دلائل بیان کئے جن سے خدا کے علمی احاطہ کا ثبوت ہو جائے۔ فرمایا دیکھو اللہ نے سب مخلوق کے لئے زمین کو پرورش گاہ بنایا۔ شروع میں زمین کی یہ شکل نہ تھی نہ وہ قابلِ سکونت تھی۔ اللہ نے اس کو سکونت کے قابل بنایا، ہر طرف اس میں راستے بنائے، جاندار چیزوں کے لئے آسمان سے پانی برسا کر روزی پیدا کرنے کا سامان کیا تو جس خدا نے ہر شخص کے آرام کے لئے زمین کو گہوارہ بنایا۔ اپنی غیبی طاقت سے عناصر میں تغیر و تبدل اور انقلاب کر کے پانی برسایا۔ ہر شخص کے لئے اس کے مناسب حال روزی فراہم کرنے کا سامان عطا کیا وہ خدا لوگوں کے اعمال سے ناواقف ہے؟ تخلیق سے پہلے تو اس نے پیش آنے والے احوال کی ضروریات کے مطابق اسباب کی تخلیق کی پھر پیدائش کے بعد کیا وہ احوالِ خلق سے ناواقف ہو سکتا ہے۔ اہلِ دانش کے لئے اگر وہ غور کریں تو تخلیق الٰہی کے اندر بے انتہا نشانہائے عبرت موجود ہیں، جن سے اللہ کے عالمِ کل ہونے کا ثبوت نمایاں ہوتا ہے۔ رہی سزا جزا پر قدرت تو یہ بالکل نمایاں اور غیر مبہم حقیقت ہے کہ اللہ نے سب کو مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمام بنی آدم سے شروع ہے اور مرنے کے بعد ہر شخص مٹی میں مل جاتا ہے خواہ اس کے ذرات ہواؤں میں اڑا دیئے جائیں یا آگ سے جلا دیئے جائیں یا سمندر میں غرق کر دیئے جائیں یا زمین میں دفن کر دیئے جائیں۔ بہرحال آخر کار سب مٹی میں مل جاتے ہیں تو پھر کیا دوبارہ مٹی سے برآمد ہونا ناممکن ہے۔ جس خدا نے اول تخلیق و ایجاد کی جب کہ مادہ بھی موجود نہ تھا تو کیا موجودہ مادہ کو جوڑ کر دوبارہ اخراج و اظہار کرنے سے وہ قاصر ہے۔ غرض فرعون کے سامنے موسیٰ نے ہر مناسب دلیل بیان کی، طرح طرح

toobaafoundation.com

سے سمجھایا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ دلائل نے اس کو مبہوت و مقہور ضرور کر دیا مگر خبث نفس نے جہالت پر آمادہ کیا۔ قبول حق اور اقرار صداقت سے اس نے گریز کیا۔ ہر دلیل کی جاہلانہ تکذیب کرتا (جاہلانہ تکذیب کی تفصیل آئندہ آیت میں آتی ہے)

تحلیل اجزاء

خَلْقَهٗ خلق سے مراد ہے ظاہری شکل و ہیئت، بیرونی اور اندرونی ساخت، اعضاء کا تناسب اور اعتدال۔ علی بن طلحہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا۔ ضحاک نے ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اللہ نے انسان کو انسان، گدھے کو گدھا اور بکری کو بکری کو بنایا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اللہ نے ہر جانور کی اس کے مناسب تخلیق کی۔ انسان کی تخلیق میں جانور کی تخلیق کا میل نہیں اور نہ جانوروں میں باہمی تخلیق کا اشتراک ہے۔ مجاہد نے فرمایا اللہ نے ہر چیز کو اس کی صورت اور طاقت عطا فرمائی۔ اسی قول کے مطابق ہم نے آیت کا مطلب بیان کیا ہے۔

ثُمَّ هَدٰى۔ یعنی خلقت ہر چیز کو ایک خاص تمیز اور شناخت کا طریقہ بتا دیا، راحت و آرام حاصل کرنے کی تدبیر سکھا دی۔ باقی اپنے اپنے کمال حاصل کرنے کے راستے دکھا دیئے۔ یہ تمیز و شناخت کبھی تو بمقتضائے فطرت ہوتی ہے۔ مثلاً سردی دور کرنے کے لئے آگ کی طبعی خواہش ہوتی ہے، پیاس بجھانے کے لئے پانی کی طرف فطری میلان ہوتا ہے۔ کبھی مذکورہ شناخت باختیار عقل ہوتی ہے۔ روزی کمانے، زندگی گزارنے اور سعادت ابدی حاصل کرنے کے طریقے عقل انسانی بتاتی ہے۔ اول الذکر دونوں طریقے جانوروں کو بھی معلوم ہیں، لیکن مؤخر الذکر راہ معرفت صرف انسان کے لئے مخصوص ہے۔

فِيْ كِتٰبٍ۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ یا نامہائے اعمال ہیں۔

لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى۔ نقصان علم کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ معلوم چیز علمی آئینہ سے غائب ہو جائے نہ وہ خود سامنے ہو نہ اس کا تصور۔ اس علمی غیر حاضری کے دو سبب ہوتے ہیں یا تو اس چیز کا علم ہی نہ ہو سکے یا وہ مخفی اور اس کا تصور دائرۂ علمی سے خارج ہو یا جاننے کے بعد جاننے والا بھول جائے اور اس طرح علم میں نقصان پیدا ہو جائے۔ خدا تعالیٰ ہر نقصان و عیب سے پاک ہے۔ اس کے علم میں کوئی تغیر نہیں وہ ہر حال میں یکساں ہے، علام الغیوب ہے، محیط کل اور خبیر مطلق ہے۔ ہر امت اور ہر امت کا ہر فرد اور ہر فرد کا ظاہر و پوشیدہ حال اس کے سامنے ہے۔ اس کلام میں فرعون پر بھی ایک خاص تعریض و تشنیع ہے جو ربوبیت کا مدعی بن بیٹھا تھا۔ حالانکہ اس کو اتنا علم بھی نہ تھا کہ جس موسیٰ کو میں گود میں پال رہا ہوں وہ رب العالمین کا رسول بن کر میرے سامنے آئے گا

وَسَلَكَ لَكُمْ۔ یعنی اللہ کی ہدایت کے بموجب تمام انسان پہاڑوں دریاؤں اور میدانوں میں راستے بنا کر زمین کے مختلف حصوں میں جاتے سامان تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے اور فائدہ اندوز ہوتے ہیں۔ زمین ایک ہے لیکن مختلف قطعات کی پیداوار، خاصیت اور آب و ہوا میں اختلاف ہے یہ تمام کارسازی اللہ کی ہے جو اس کے احاطہ علمی پر دلالت کرتی ہے

اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ۔ ازواج کے معنی یا تو اقسام کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی سبزیاں پیدا کیں اور ہر ایک کی شکل، رنگ، بو، مزہ اور منافع جدا جدا بنائے۔ یا اَزْوَاج کا ترجمہ جوڑا جوڑا ہے۔ فلسفہ طبعیات کے ماہرین جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر درخت، ہر سبزی اور ہر پودا اپنا جوڑا رکھتا ہے۔ جس طرح حیوانات نتیجہ خیزی میں جوڑے کے محتاج ہیں اسی طرح نباتات کو بھی بارآوری کے لئے جوڑے کی ضرورت ہے۔ موجودہ سائنس نے جو فلسفہ تلقیح مفصل طور پر بیان کیا ہے وہ نص قرآنی کا شاہد ہے۔ نر و مادہ کے اختلاط کے بغیر نباتات بھی بارآور نہیں ہو سکتے

تنبیہ

ابن عطیہ نے صراحت کی ہے کہ حضرت موسیٰ کا کلام اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً پر ختم ہو گیا۔ یہاں سے باری تعالیٰ کا کلام ہے۔ شیخ جلال محلی نے اسی قول کو پسند کیا ہے، لیکن بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ یہ کلام بھی حضرت موسیٰ کے کلام کا تتمہ ہے حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے دلائل قدرت بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ نے طرح طرح کی سبزیاں پیدا کیں تاکہ انسان اور جانور اس سے فائدہ اندوز ہو سکیں۔ خدا تعالیٰ نے کلام موسیٰ کی حکایت کرتے ہوئے غائب کی ضمیر سے متکلم کے صیغہ کی طرف انتقال فرمایا جس کی علامت سے ظاہر

toobaafoundation.com

مربہت واقف ہیں۔

اٰيٰتِنَا كُلَّهَا کل آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کا دکھانا فرعون کے لئے ضروری تھا۔ تمام جہان کی کل آیات کا فرعون کے سامنے اظہار تو ناممکن تھا نہ وہ تمام نشانہائے قدرت کو دیکھ سکتا تھا، اس لئے بقرینہ عقل وہ نشانیاں مراد ہیں جو فرعون کی ہدایت کے لئے پیش کی گئی تھیں۔ یعنی وہ نو آیات جن کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اور بائیبل میں بھی ان میں سے اکثر کی صراحت ہے۔

مقصودِ بیان اللہ ہی خلاق قویٰ و اجسام ہے، اسی نے بدن، عوارض بدن، کیفیات بدن اور اشکال بدن کو پیدا کیا پھر کھانے پینے، لباس بنانے اور پہننے کے قواعد سکھائے۔ تناسلِ شخصی و نوعی کے طریقے بتائے۔ وہی قادر مطلق ہے۔ عالم کی کل نعمتیں اسی کے دستِ کرم کا فیض ہیں۔ اللہ عالم کل ہے۔ اس کا علم تمام کلیات جزئیات کو محیط ہے۔ ذہول و نسیان اور غنوایت و ضلالت سے پاک ہے۔ یعنی اس کا علم حضوری ہے حصولی نہیں۔ کیونکہ ضلال و نسیان علم حصولی کے لوازم و عوارض سے ہے۔ فِيْ كِتٰبٍ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اہلِ عالم کے کل احوال اللہ کے علم ازلی میں قبل از تخلیق موجود رہتے اور بعد موت بھی موجود رہتے ہیں۔ اللہ کے علم ازلی ہی کا نام لوح محفوظ و کتاب ہے۔ وہاں دنیا کے کل واقعات، ہر شخص کے تمام حرکات و سکنات اور اقوال و افعال ثبت ہیں جن کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ اَزْوَاجًا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ ہر سبزہ، ہر درخت اور ہر پودہ زوجیت سے خالی نہیں۔ ہر گھاس کا جوڑا ہے۔ انسان کی پیدائش زمین سے ہوئی ہے وہی اس کا محل زندگی ہے۔ وہی اس کی تربیت گاہ ہے۔ وہی اس کا معاد ہے۔ ہر شخص مرنے کے بعد کسی نہ کسی طرح زمین میں مل جاتا ہے خواہ اس کو دفن نہ کیا جائے۔ اس کی لاش سمندر میں غرق کر دی جائے یا جانوروں کی خوراک بنا دی جائے یا جلا کر ذرات ہوا میں اڑا دیے جائیں، مگر انجام کار زمین میں شامل ہو کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانا لازم ہے اور یہیں سے اس کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ مجموعۂ آیات کا خلاصہ بیان ہے اللہ کی خلاقی، ربوبیت اور علم کل ہونے کو ثابت کر کے اس کی الوہیت و یکتائی پر استدلال کرنا، قدرت عامہ اور ہمہ گیری کو ظاہر کر کے حیات ثانیہ اور سزا جزا کے عقیدہ کی صداقت ظاہر کرنا۔

منتقرًا اس طرف بھی اشارہ ہے کہ فطری سرکش اور ازلی اشقیا کبھی ہدایت اندوز نہیں ہوتے۔ لاکھوں دلائل قدرت اور براہین وحدانیت دیکھتے ہیں، آیات فطرت کا مطالعہ کرتے ہیں، معجزات انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن سرتابی اور سرکشی کرتے ہیں جس طرح فرعون نے کیا حضرت موسیٰ کے دستِ حق پرست سے بکثرت معجزات دیکھے، سرکشی کے نتائج مدنظر سامنے آئے، مگر اس کی آنکھوں میں روشنی پیدا نہ ہوئی، بحر جہالت میں ڈوبا رہا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ○ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ

کہنے لگا موسیٰ کیا تم اپنے جادو سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالنے آئے ہو سو اب ہم بھی اس کی مثل جادو لائیں گے

مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا

ہمارے اور اپنے درمیان ایک میعاد صاف میدان میں مقرر کردو جس کے خلاف نہ ہم کریں نہ

سُوًى ○ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○

تم موسیٰ نے کہا تمہارے وعدہ کا وقت روز عید ہے اس روز سب لوگوں کو دن چڑھے جمع کیا جائے گا

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا

اس کے بعد فرعون لوٹ گیا اور اپنے (سامان) مکر کو جمع کر کے آیا موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا خرابی ہے تم پر

toobaafoundation.com

تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝

اللہ پر دروغ بندی نہ کرو ورنہ عذاب سے تم کو نیست و نابود کر دے گا اور جس نے افترا کیا وہ ناکام رہا

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

پھر جادوگر آپس میں اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور چپکے چپکے مشورہ کیا بولے واقعی یہ دونوں جادوگر ہیں

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو سے نکال دینا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ مذہب کو معدوم کر دینا

الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى

چاہتے ہیں لہٰذا تم سب ایک تدبیر پر اتفاق کر لو پھر صف باندھ کر آؤ آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہوگا

تفسیر طاغوتی قوتیں جب حق کی صداقت سے برسرِ پیکار ہوتی ہیں تو چار طریقے اختیار کرتی ہیں۔ سب سے پہلے اپنی قوت و جبروت اور شکوہ و جلال سے ڈراتی ہیں، قید و بند اور عذاب و ہلاک سے خوف دلاتی ہیں، اپنی سطوت و گرفت سے مرعوب کرتی ہیں۔ جب یہ حربہ کارگر نہیں ہوتا اور حامل صداقت بغیر کسی خوف کے بے باکانہ بیانگ دہل صداقت کا اعلان کرتا ہے تو دوسرے درجہ پر ذریات شیاطین بھی دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے اور سننے والوں کے کانوں پر تالیں و مکر کا پردہ ڈالنے کے لئے دلائل کی روشنی میں مناظرہ کرنا چاہتی ہیں، لیکن چونکہ ان کے دماغ کوتاہ فہم اور عقلیں کور بصیرت ہوتی ہیں، اس لئے وہ وہمیات کو عقلیات اور سفسطہ کو فلسفہ جانتی ہیں۔ حقائق و واقعات کو جدلیات و غدصیات سے بدل دینا چاہتی ہیں۔ اپنی شکست کو چھپانے کے لئے وہ پُرفریب الفاظ سے حاضرین و سامعین کو اپنے مکر کے جال میں پھنسانا چاہتی ہیں، لیکن جب حق کی طاقت ان کے فریب کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیتی ہے، ان کے ہوائی قلعے ڈھا دیتی ہے، عقل کی روشنی میں دلائل کی حقانیت سے حق و باطل اور صحیح و غلط کو جدا جدا کر دیتی ہے اور کوئی فریب نہیں چلتا تو پرستارانِ نفس، حاملینِ صداقت کو طرح طرح متہم کرتے ہیں، اعلانِ حق کو دنیوی فوائد کے حصول پر محمول کرتے ہیں اور اپنی صدق کو ناپاک اغراض سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ شخص انقلاب پیدا کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چندہ کر کے مال جمع کرنا اس کا مقصد ہے۔ ہر دل عزیزی حاصل کر کے شہرت عامہ کا حصول اس کے پیشِ نظر ہے۔ یہ جادوگر ہے، دھوکہ باز ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو کیوں ہمارے مقابلے سے گریز کرتا ہے، لیکن جب ارباب حق مادی مقابلے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور حق و باطل کا فرق کھل جاتا ہے اور وہ لوگ جن کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے سعادت کا نور اور اقرارِ صداقت کی روشنی ودیعت رکھی ہے، سچائی کو دیکھ کر حقانیت کے معترف ہو جاتے ہیں اور اصحابِ حق کا حلقہ بڑھنے لگتا ہے تو طاغوتی قوتیں لرزہ پڑ جاتا ہے، بنیادیں ہلنے لگتی ہیں اور انجام کار اہلِ حق کو ڈرانے اور مغلوب کرنے کے لئے ان کے ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں اور جسمانی سزائیں دی جاتی ہیں۔ قتل و غارت کیا جاتا ہے، جائیداد برباد، مکان تباہ اور عمارتیں مسمار کی جاتی ہیں۔ بہتوں کو نذرِ شمشیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت غیرتِ حق جوش میں آتی ہے اور قہاری قوت برسرِ عمل آ کر اہلِ باطل کے تمام شکوہ و جلال کو غارت کر دیتی ہے۔ ان کے سر بفلک محل برباد کر دیئے جاتے ہیں، اموال و املاک خاک میں ملا دیئے جاتے ہیں، طاغوتی وجود کو ہلاکت سے دوچار رہنا پڑتا ہے اور بالآخر سردارِ کفر کا ناپاک وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ فرعون کی بھی یہی حالت ہوئی۔ شروع میں اس نے حضرت موسیٰ کو ڈرایا دھمکایا پھر جاہلانہ انداز میں دو سوال کئے۔

toobaafoundation.com

جب حضرت موسیٰ مرعوب نہ ہوئے اور آپ کی دلائل قاہرہ نے فرعون کو متحیر و مبہوت کر دیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو لگا موسیٰؑ پر تہمت لگانے۔ بولا موسیٰ تو جادوگر ہے۔ جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے۔ اب ہم بھی تیرے جادو کا مقابلہ جادو سے کریں گے۔ کوئی دن مقرر کر لے، کسی ہموار میدان میں ہمارا تیرا مقابلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ جبروتی طاقت کے حامل تھے وہ جادو سے مرعوب ہونے والے کب تھے۔ آپ نے علی الاعلان مقابلے کا دن مقرر فرما دیا۔ ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح اہلِ مصر کا بھی ایک سالانہ میلہ ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا میلہ کا دن مقرر کرو سب لوگ دوپہر تک جمع ہو جائیں اور علی رؤس الاشہاد حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ فرعون نے تسلیم کر لیا۔ حدود مملکت میں حکم عام نافذ ہو گیا۔ کہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اسکندریہ بھیج دو۔ حضرت موسیٰ نے بطور اتمام حجت پھر سمجھایا کہ دیکھو اس بہتان تراشی اور فتنہ انگیزی سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارا ستیاناس ہو جائے گا، لیکن کون سنتا تھا اور کون مانتا تھا۔ غرض بڑے بڑے ماہر جادوگر جمع ہوئے۔ چونکہ اس وقت تک حقیقت نبوت سے ناواقف تھے، اس لئے بعض لوگ موسیٰ کو جادوگر کہتے تھے اور بعض لوگ مقدس صورت دیکھ کر آپ کے جادوگر ہونے سے انکار کرتے تھے۔ بالآخر سب جادوگر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔

تحلیلِ اجزاء

لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا۔ بیضاوی نے کہا فرعون کا یہ قول محض حیلہ سازی پر مبنی تھا۔ اس سے اس کی حیرانی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں میری سلطنت برباد ہوگی جس کے متعلق اہلِ نجوم نے مجھے پہلے اطلاع دے دی ہے۔ اتنا تو فرعون بھی جانتا تھا کہ جادو کے زور سے سلطنت نہیں چھینی جا سکتی۔ یہ کسی قوم کو اس کے ملک سے نکالا جا سکتا ہے، لیکن اور کہتا بھی کیا مجبوراً جادوگر ہی کہا۔ کیونکہ رسول کی طاقت سے وہ ناواقف تھا۔ جادوگروں کو ہی غیبی طاقت کا حامل جانتا تھا۔

مَكَانًا سُوًى۔ یعنی ہموار مکان جس میں شور و غل نہ ہو اور کسی سے کوئی واقعہ مخفی نہ رہے (عبدالرحمٰن بن زید) ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سدی وغیرہ نے سُوًى کا ترجمہ عدل و انصاف سے کیا ہے یعنی ایسا مقام جہاں دونوں فریقوں کا انصاف ہو۔

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ۔ یہ حضرت موسیٰ کا قول ہے۔ ابن کثیر، امام رازی، بیضاوی اور اکثر مفسرین نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے بحکم الٰہی ایسا دن مقرر کیا جس میں عوام و خواص سب کا اجتماع ہو جائے۔ یوم الزینۃ سے کون سا دن مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مجاہد و قتادہ نے نوروز شمسی، ابن عباس اور سعید بن جبیر نے یوم عاشوراء، سدی اور ابن زید نے روز عید مراد لیا ہے۔ ایک اور روایت میں سعید بن جبیر کا قول ہے کہ میلہ کا دن مراد ہے۔ میرے نزدیک ان اقوال میں کوئی منافات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عاشوراء کے دن اہلِ مصر کی عید ہوتی ہو، میلہ لگتا ہو، وہی دن نوروز کا ہو۔

ثُمَّ اَتٰى۔ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ جشن کے دن سب لوگ جمع ہو گئے۔ فرعون نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ وزراء امراء اور ارکانِ دولت اپنی کرسیوں پر بیٹھے۔ دائیں بائیں عام رعایا صف بستہ ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت فرعون کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ اپنے بھائی کے ساتھ کھڑے تھے۔ فرعون نے جادوگروں سے کہا اپنا اپنا کرتب کامل طور پر دکھانا، کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا، میں تم کو اپنا مقرب بنا لوں گا، انعام سے مالا مال کر دوں گا۔ چونکہ یہ مجمع رسول برحق کے مقابلے میں صرف عناد کے تحت کیا گیا تھا اور رسول کا کام اتمام حجت اور نصیحت خلق ہے، اس لئے حضرت موسیٰ نے پھر نصیحت کی کہ لوگو! اللہ پر افترا بندی نہ کرو، شرک و کفر بہت اترو، اس کی طرف بلانے والوں سے مت لڑو ورنہ تمہارا ستیاناس ہو جائے گا۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ جادوگروں نے جب موسیٰ کا کلام سنا تو باہم مختلف الرائے ہو گئے۔ دانشمند اور دوراندیش لوگ بولے دوستو! یہ ساحروں کی باتیں نہیں ہیں، یہ تو کوئی مقدس شخص ہے۔ فرعون اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ طریقۃ مثلیٰ سے مراد قتادہ کے نزدیک اہل طریقہ ہیں۔ یعنی موسیٰ و ہارون بنی اسرائیل کو لے جانا چاہتے ہیں۔ ابن عباس نے حدیث الفتون میں فرمایا کہ طریقۂ مثلیٰ سے عیش و آرام کے حصول کا طریقہ مراد ہے۔ یعنی فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ اب تک تم لوگ کار دیار سحر

toobaafoundation.com

کی بدولت عیش کرتے تھے۔ اب یہ دونوں تمہارا طریقۂ عیش چھیننا چاہتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے بروایت شعبی حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ طریقۂ مثلیٰ کو لے جانے سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ و ہارون لوگوں کے رُخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں۔

مجاہد و عکرمہ نے طریقۂ مثلیٰ سے سردار و اشراف مراد لئے ہیں۔ یعنی یہ تمہارے سرداروں کو برباد اور اشراف کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

میرے نزدیک صحیح ترین قول عبدالرحمٰن بن زید کا ہے کہ طریقۂ مثلیٰ سے مراد مذہب ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں اپنا جدید مذہب ظاہر کر کے تمہارے پسندیدہ مذہب کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔

مقصودِ بیان فرعون کی گھبراہٹ کا اظہار اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ دنیا کی بڑی سے بڑی شیطانی طاقت اہلِ حق کے مقابلے میں مقہور و مغلوب ہو کر تہمت تراشی کرتی ہے اور جو کور بصیرت ہوتا ہے اس کی نظر مادی دنیا سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس کو ظاہری دنیا اور اسبابِ دنیا کے ماوراء کوئی غیبی طاقت دکھائی نہیں دیتی۔

آیت سے یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے واضح ہوتی ہے کہ فرعون کے زمانے میں جادوگروں کا بہت زور تھا۔ فرعون خدا ہونے کا مدعی تھا اور اپنی ذات کو قہار اور قادر مطلق جانتا تھا پھر بھی حضرت موسیٰ کے مقابلے سے زک ہو کر اس نے جادوگروں کی مدد طلب کی اور اپنے دعوے کی طرف سے غافل ہو گیا۔ اس میں دقیق ایماء اس طرف ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ باطل پرست اشخاص اپنے غلبہ کے لئے کالنس پیرتے ہیں، کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ حق کے مقابلے میں ان کی تمام شیخیاں اور تعلّیاں کرکری پڑ جاتی ہیں ان کو اس کا بھی احساس نہیں رہتا کہ ہم کیا کہتے ہیں اور اپنے عمل سے کس بات کا اظہار کر رہے ہیں، ہمارے قول و عمل میں توافق ہے یا تضاد۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کا تقدس اور صداقت سے بھرا ہوا کلام سن کر مقابلے سے قبل ہی بعض جادوگروں کو یقین ہو گیا تھا کہ موسیٰ جادوگر نہیں بلکہ کسی مقدس غیبی طاقت کا حامل ہے۔

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اہلِ جہالت باطل کوش طبقہ جب سچی دلیل پیش نہیں کر سکتا تو اہلِ حق کے خلاف نا جائز پروپیگنڈہ کرتا اور ان کے جذبات کو طرح طرح سے ابھارتا ہے وغیرہ۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝

بولے موسیٰ یا تو تم ڈالو یا اوّل ہم ہی ڈالنے والے بنیں ہیں

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

موسیٰ نے کہا نہیں، تم ہی ڈالو یکایک اُن کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں اُن کی رسّیاں اور لاٹھیاں

اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ

دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف سا احساس کیا ہم نے کہا ڈرو نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا

یقیناً تم ہی غالب رہو گے بھلا لاٹھی، تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو وہ اُن کی بنائی ہوئی چیز کو نگل لے گی جو کچھ

toobaafoundation.com

صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا

انھوں نے بنایا ہے وہ جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں آتا ہے کامیاب نہیں ہوتا بالآخر جادوگر سجدہ میں گر پڑے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝

کہنے لگے ہم تو ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لا چکے۔

تفسیر میدان اسکندریہ میں سب جادوگر جمع ہوئے۔ اپنی قوت اور کمال فن پر اعتماد کرتے ہوئے موسیٰ کو مرعوب کرنے کیلئے بولے اگر تم چاہو تو پہلے اپنا داؤں پھینکو ورنہ ہم اپنا داؤں پھینکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ قوت قدسیہ کے مالک تھے، غیبی طاقت کے حامل تھے، دنیا کے ذرہ ذرہ میں طاقت الٰہی کو جاری و ساری جانتے تھے ـــ وہ ساحروں کے رعب انگیز کلام سے ڈرنے والے نہ تھے، اس لئے بے باکی کے ساتھ فرمادیا تم ہی آغاز کرو۔ ساحروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں۔ جادو کی قوت سے تمام رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن گئیں یعنی چاروں طرف سے سانپ رینگتے نظر آنے لگے۔ باقتضائے بشری شروع میں حضرت موسیٰ کو کچھ خوف ہوا، مگر بوحی الٰہی وہ خوف جاتا رہا اور آپ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی۔ لاٹھی ایک مست اژدہا بن گئی اور جادوگروں کے تمام سحریہ سامان کو نگلنے لگی۔ ساحر یہ دیکھ کر بیتاب ہو گئے، ان کے دلوں سے کفر کی گھٹائیں چھٹ گئیں، نور معرفت چمکنے لگا، شکاری خود شکار ہو گیا۔ جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ کی طاقت طاغوتی طاقت نہیں بلکہ جبروتی طاقت ہے جو ملکوتی طاقت کی مدد کر رہی ہے۔ فوراً سجدہ میں گر گئے، خود نہیں گرے بلکہ کسی نامعلوم غیبی قوت نے ان کے سروں کو جھکا دیا اور حضرت موسیٰ کی صداقت پر ایمان لے آئے۔ یہ ہے قصہ کا خلاصہ۔

ایک ضروری تحقیق

نیرنگ، طلسم، سحر، معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟ ہم اس بحث کی ضروری مختصر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ معمولی اور عادت کے خلاف ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ واقعات، عقلی اختراعیات، مصنوعات اور مختلف امتزاجات دنیا میں ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان خوارق عادات کے اسباب و علل کیا ہوتے ہیں ان کو اہل تحقیق ہی جانتے ہیں۔ مختلف اشیاء کا توڑ جوڑ ترکیب و امتزاج مختلف عنصری مواد کو ملا کر نیا مرکب بنانا، مختلف المزاج اخلاط کو ملا کر ایک جدید طاقت پیدا کرنا۔ غرض یہ کہ کل میکانکل اور کیمیکل ایجادات دنیا میں ہوتی رہتی ہیں۔ بجلی، ہوائی جہاز، آب دوز کشتیاں، بم کے گولے، زہریلی گیس، ریڈیو اور مختلف قسم کی صناعیاں سب اسی فن کی مرہون منت ہیں۔ گزشتہ زمانے میں اس کو علم نیرنگ کہا جاتا تھا۔ یہ فن عنصری مواد کی تحقیقات، باہم توازن اور تناسب، مختلف اخلاط کا باہم ربط و تعلق بتاتا ہے۔ ماہرین طبعیات ایسی ایسی محیر العقول چیزیں بناتے ہیں اور ایسے تعجب انگیز کام کرتے ہیں جن کو دیکھ کر اہل عالم جادو کہتے ہیں۔ عام طبقہ حقائق سے ناواقف ہوتا ہے وہ ایجادات کی تہ تک نہیں پہنچتا، اس لئے وہ اس کو نیرنگ کہتا ہے۔ ارسطو، دیمقراطیس، ابن معنی نصیر الدین طوسی وغیرہ علماء گزشتہ زمانے میں بھی ماہرین طبعیات گزرے ہیں اور اس زمانے میں بھی بڑے بڑے سائنس داں اور واقف مادیات موجود ہیں۔

خوارق عادات کی دوسری شاخ وہ ہے جس کو مشرق کے رہنے والے طلسم کہتے ہیں۔ اس کو جاننے والے اب تقریباً مفقود ہیں۔ کیونکہ اس کے حصول میں جوہر عقل کی زیادہ صفائی درکار ہے۔ آئینہ اور ایک بہت زیادہ شفاف اور مصفیٰ ہونا لازم ہے۔

طلسمات کے ماہر اول سفلی اور عنصری مواد کے خواص کی تحقیقات کرتے ہیں۔ پھر عنصری مواد کو جمع کر کے کچھ خاص صورتیں اور شکلیں بناتے ہیں اور اسی تناسب کے ساتھ کہ آسمانی نفوس کا فیض ان صورتوں کو حاصل ہو جائے اور سفلی و علوی نفوس کی ترکیب سے ایک محیر العقول چیز بن جائے مثلاً

toobaafoundation.com

اس ترکیب سے زمین پر ایک دائرہ بناتے ہیں جس کو دیکھ کر چیل، کوا اور بعض دوسرے پرندے ہوا سے اتر کر اس میں گھومتے ہیں۔ گزشتہ زمانے میں علم نجوم اور علم طب کا ایک خاص تعلق علم طلسم سے سمجھا جاتا تھا۔

کبھی خرق عادات بطور سحر یا کرامت یا معجزہ سے بھی ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نفس ناطقہ، اُس کے بدن کی ترتیب، حفاظت اور بقا کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اپنے بدن کے اندر جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ تمام بدنی حرکات نفس ناطقہ کے تابع ہیں۔ نفس میں علمی اور عملی تصرفات کی طاقت کیوں ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہر نفس کا تعلق ماوراء مادیات عالم غیب سے ہے۔ اس مادی دنیا کے اوپر کچھ غیبی قوتیں ہیں جن میں سے کچھ رحمانی ہیں اور کچھ شیطانی۔

جب آدمی کا نفس اس مادی دنیا کے جھگڑوں سے ہٹ کر یکسو ہو کر غیبی دنیا کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس کو کچھ آنے والی علمی صورتیں اور تمثیلی نقوش نظر آتے ہیں۔ غیبی قوتوں کا اس سے خاص کنکشن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض آنے والے واقعات اس کو قبل از وقت معلوم ہو جاتے ہیں اور اس کے تعلق کے سبب اس کے اندر ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے خاص بدن کے علاوہ دوسری عنصری مادی حرکات میں بھی خاص خاص وقت پر تصرف کر سکتا ہے۔ پتھر کو سونا بنا دینا یا درخت کو اپنے پاس بلا لینا، انگلیوں سے چشمہ جاری ہونا، بے جان کا اس سے کلام کرنا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے تصرفات ہیں جو غیبی قوتوں کے تعلقات سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اگر اس تعلق میں مزید استحکام ہوتا ہے تو قوی قسم کے تصرفات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً لاعلاج مریضوں کو اچھا کر دینا، مردوں کو زندہ کر دینا، مٹی کے جانور بنا کر ان میں پھونک مار کر اُڑا دینا۔ اگر اس سے بھی زیادہ قوی کنکشن ہوتا ہے تو ایسا نفس عالم فلکیات میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ چاند کو شق کر دینا، سورج کو حرکت سے روک دینا وغیرہ اسی قسم کے تصرفات ہوتے ہیں۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ سحر ہو یا کرامت یا معجزہ سب عالم غیب سے تعلقات پیدا کرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ نفوس بشریہ عالم غیب سے متاثر ہو کر مادی اور غیر مادی چیزوں میں حیرت انگیز تاثیر کرتے ہیں۔ گویا کرامت معجزہ اور سحر عالم غیب سے اتصال رکھنے کا ایک خاص اثر ہے۔

اب اگر نفس کا تعلق رحمانی اور روحانی قوتوں سے ہے اور انہی کے فیض سے تاثیر پیدا کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے تو ایسے نفس سے جو خارق عادت فعل سرزد ہوتا ہے اس کو کرامت اور معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر شیطانی طاقتوں سے اتصال کے بعد خرق عادت ظاہر ہوتا ہے تو اس کو سحر کہا جاتا ہے۔ دونوں کی کھلی ہوئی واضح شناخت یہ ہے کہ ساحر بدکردار، بداطوار، نجس اور خبیث ہوتا ہے۔ گندگی اور کثافت ہی اس کو مرغوب ہوتی ہے اور جس شخص سے کرامت یا معجزہ سرزد ہوگا وہ پاک طینت اور پاک روح والا ہوگا۔ خوش خلق، رحیم کریم، طاہر طیب، خوش خصال اور خوش معاملہ ہوگا۔

جب سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر ہو گیا تو اب یہ بھی بیان ضروری ہے کہ ساحر ہو یا نبی ہو یا ولی ہر ایک کا نفس مبدء فطرت کے اعتبار سے بہت قوی ہوتا ہے۔ ان سب کے نفوس میں پیدائشی طور پر عالم غیب سے اتصال کی بہت زیادہ طاقت ہوتی ہے، لیکن ساحر اس فطری قوت کو سفلی عالم کے اتصال اور بدکرداری، بدگفتاری اور خبث طینت کی وجہ سے کمزور کر لیتا ہے اور نبی یا ولی عقائد کی صحت، اعمال کی درستی، اقوال کی صداقت، معاملات کی سچائی اور اسلوب زندگی کی حقانیت کی وجہ سے فطری تعلق میں مزید استحکام کر لیتا ہے۔

تاہم ساحر کا نفس بھی فطرۃً بہت قوی ہوتا ہے۔ اگر سفلی طبیعت اس پر بالکل چھا نہ گئی ہو، اگر خبث طینت نے اس کا احاطہ نہ کر لیا ہو، اگر قدسی شعاعیں قبول کرنے کی صلاحیت اس سے بالکل زائل نہ ہو گئی ہو تو بہت جلد راہ راست پر آجاتا ہے اور نبی کی شناخت ساحر کو ہی سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ہوتی ہے۔ کیونکہ مبدء فطرت کے لحاظ سے نبی کے نفس کی طرح اس کا نفس بھی قوی ہوتا ہے، مگر طریق کار اور خباثت اعمال کی وجہ سے ملکوتی قوتوں سے اس کا اتصال کمزور پڑ جاتا ہے۔ اگر یہ شیطانی قوتوں سے کچھ دیر کے لئے بھی قطع تعلق کر لیتا ہے اور نبی کی ملکوتی قوت کا مطالعہ کرتا ہے تو آثار نبوت اس کو بہت جلد نظر آجاتے ہیں۔ یہی سبب اور یہی وجہ ہے کہ جب فرعون کے جمع کئے ہوئے ساحروں کو شکست ہو گئی تو فوراً بغیر کسی پس و پیش کے وہ ایمان لے آئے، کفر کے گھٹا ٹوپ بادل ان کی روحوں کے اوپر سے ہٹ گئے اور آفتاب حق کی روشنی

toobaafoundation.com

ان کو نظر آنے لگی۔

تحلیلِ اجزاء

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا۔ اس کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت، عدم رعب اور بے باکی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے بغیر خوف و اندیشہ کے آغاز کرنے کی اجازت دے دی تاکہ حجت نبوی کی تکمیل ہو جائے اور جادوگروں کو اپنی قوت کے اظہار کا ارمان نہ رہ جائے۔

یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جادوگروں نے رسیوں اور لاٹھیوں میں کسی خاص ترکیب سے پارہ بھر کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا تھا تاکہ آفتاب کی گرمی سے ان میں حرکت پیدا ہو اور دیکھنے والے ان کو سانپ سمجھیں۔

میرے نزدیک ابن کثیر کا یہ تاویلی قول غلط ہے۔ قرآن کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط نیرنگ یا شعبدہ ہی نہ تھا نہ طلسم تھا بلکہ سحر عظیم تھا۔ جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی۔ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے۔ سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْھَبُوْھُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ۔

نیرنگ، طلسم اور سحر کا مذکورہ بالا فرق سمجھنے کے بعد کسی تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی چونکہ سحر سے ڈرنا مرتبۂ نبوت کے خلاف ہے، اس لئے مفسرین نے اس آیت کی تاویل کی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بہ اقتضائے بشری حضرت موسیٰ کو اندیشہ ہوا کہ میری لاٹھی کا معجزہ تنہا ہے اور ان لوگوں نے اس قدر سانپ بنائے ہیں۔ صرف میری عصا دیکھ کر کون ایمان لائے گا۔

امام رازی نے نفیس تاویل کی ہے کہ حضرت موسیٰ کو سینکڑوں سانپ دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ان جادوگروں کا سحر بھی میری عصا کی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔ اب معجزہ اور سحر میں اشتباہ ہو جائے گا۔ لوگوں کو دونوں کا فرق نمایاں نظر نہ آئے گا، اس طرح مقصود معجزہ فوت ہو جائے گا اور لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بہت بڑا اژدہا بن گیا جس کے چار پاؤں، موٹی گردن، بڑا سر اور لمبے لمبے دانت تھے۔ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ ہیبت کے مارے بھاگے، ایک کے اوپر ایک گرا۔ یہاں تک کہ پچیس ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ ممکن ہے تعین تعداد میں مبالغہ ہو، مگر اتنا یقینی ہے کہ منظر بہت ہی ہیبت انگیز تھا۔ ہر شخص جان بچانی چاہتا تھا۔ ایسے مجمع میں ہزاروں آدمیوں کا دب کر کچل جانا قیاس کے خلاف نہیں ہے۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا۔ یعنی جادوگر بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر پڑے۔ فعل مجہول استعمال کرنے میں خاص نکتہ یہ ہے کہ جادوگروں کا اضطرار ظاہر ہو جائے۔ فعل معروف سے جادوگروں کا سجدے میں گر پڑنا تو معلوم ہو جاتا، مگر انتہائی مغلوبیت اور بے اختیار ہو جانا ظاہر نہ ہوتا۔

مقصودِ بیان

انبیاء اور اللہ کے وہ خاص بندے جو عالم کے ذرّے ذرّے میں اپنی طاقت کارفرما جانتے ہیں، اللہ کے سوا کسی طاقت سے نہیں ڈرتے۔ حق و صداقت پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

جادو درحقیقت کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ محض توہم و سفسطہ پر مبنی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ دائرۂ بشریت سے خارج نہ تھے۔ یعنی انبیاء کو بھی ابتدائی انفعالات بشری اور تاثرات انسانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا نے سانپ بن کر ساحروں کے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا تھا۔

آیات میں اندرونی تعلیم ہے اس بات کی کہ بہت سے باطل پرست ناحق کوشی، دھوکہ بازی، اشخاص حق و صداقت کا جامہ پہن کر دنیا کے سامنے رونما ہوتے ہیں، مگر سچائی کا مقابلہ کرنے کے وقت ان کی پول کھل جاتی ہے، اس لئے درمیان صداقت کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ فریب کار لیڈر، دھوکہ باز پیران طریقت، اور ٹھگ رہنما ہمیشہ ہی اہل حق کا لباس پہن کر سامنے آتے ہیں، اس لئے ان سے ہوشیار رہنا لازم ہے۔ زور قلم، قوت بیان، تجزیہ علمی اور ہمہ گیر زندگی کے جال میں پھنس کر حق و ایمان کو قربان کرنا اور رسول پاک ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیم کو

toobaafoundation.com

ترک کر دینا خلافِ عقل ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

فرعون بولا کیا تم میرے اجازت دینے سے پہلے اُس پر ایمان لے آئے واقعی وہ تمہارا سب کا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ

ہے اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف جہت سے ضرور کاٹوں گا اور ضرور بالضرور کھجور کے تنوں پر تم کو

النَّخْلِ ؗ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا

سولی چڑھاؤں گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے وہ بولے ہم تجھے ہرگز اُن دلائل پر ترجیح نہ دیں گے

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا

جو ہمارے پاس آچکی ہیں اور نہ اس ذات پر جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھے جو کرنا ہے کر لے اسی دنیوی

تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ

زندگی میں تو کر سکتا ہے ہم تو بے شک اپنے رب پہ ایمان لا چکے تاکہ وہ ہمارے قصور بخش دے اور

الثلث مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ

اُس جادو کو بھی بخش دے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا اور اللہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے بیشک جو اپنے رب کے سامنے

رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ

مجرم ہو کر پہنچے گا سو اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے جس کے اندر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا اور جو شخص

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

اُس کے پاس بحالتِ ایمان نیک کام کرنے کے بعد پہنچے گا تو ایسے لوگوں کے درجات بلند

الْعُلٰى ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

ہیں دوامی جنتیں ملیں گی جن کے اندر نہریں جاری ہوں گی اُن کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے

ع ٣ ٢٢ ١٢ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ع

یہ اس شخص کا انعام ہے جو پرہیزگار رہا

toobaafoundation.com

تفسیر

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ شیطانی طاقتیں جب ہر طرح مجبور اور مغلوب ہو جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی سبیلِ عقل باقی نہیں رہتی اور جاہل صداقت پر بھی ان کا قابو نہیں چلتا اور دلائل عمل کی روشنی بھی ان کو نظر نہیں آتی تو آخر کار علمبردار صداقت کے ساتھیوں اور فرقوں کو توڑنا چاہتے ہیں، اس کے جیتے کو ننا کر کے اپنی شیطانی طاقت کا اظہار کرنے کے خواستگار ہوتے ہیں۔ معترفان حقانیت کو جسمانی سزائیں دیتے ہیں، قتل کرتے ہیں، ان کے اموال و املاک پر دست تعدی دراز کرتے ہیں۔

فرعون کی بھی یہی حالت ہوئی۔ حضرت موسیٰ پر اس کا بس نہ چلا۔ خدا کے فرستادہ نبی کی بیانی طاقت اور غیبی قوت نے اس کو مبہوت کر دیا تو اس نے تہمت تماشی پر کمر باندھی، حضرت موسیٰ کو جادوگر کہا، ان کے اعلانِ صداقت کو دنیوی ناپاک اغراض کے حصول پر مبنی قرار دیا اور دعوتِ توحید کو انقلابِ سلطنت کی خواہش بتایا۔ جب یہ حربہ بھی کارگر نہ ہو سکا اور دنیا نے سحر کی طاقت مغلوب ہو گئی اور عین لقائے موسیٰ خدام موسیٰ بن گئے تو اب اس نے موسیٰ علیہ السلام کے جیتے کو توڑنا چاہا۔ عام لوگوں کو ایمان سے روکنے کے لئے اس نے ساحروں سے کہا تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ کے قول پر ایمان کیوں لائے؟ در حقیقت تم نے موسیٰ سے سازباز کر لی تھی۔ موسیٰ تمہارا سرگروہ ہے۔ تم سب اُس کے شاگرد ہو۔ اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر کھجور کے تنوں سے بندھوا دوں گا تاکہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر جاؤ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ میری طاقت کس قدر قہار اور پُر جبروت ہے۔ گویا فرعون یہ سمجھتا تھا کہ میری حکمرانی اہلِ مصر کے نہ فقط جسموں اور بدنوں پر ہے بلکہ دماغوں اور روحوں پر بھی ہے، کسی کو حق نہیں کہ میری اجازت کے بغیر عقیدہ بھی تبدیل کر سکے، لیکن یہ اس کی اصولی غلطی تھی۔ حکومت و سلطنت کا تعلق افعالِ خارجیہ سے ہے۔ دماغ ہر شخص کا آزاد ہے۔ تصدیق قلبی کسی اجازت کی محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن ساحروں نے صاف طور پر فرعون سے کہہ دیا کہ ہم نے آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کر لیا، دلائلِ معرفت ہمارے دلوں میں پیوست ہو گئے، لذتِ ایمان سے ہم بہرہ اندوز ہو گئے۔ اب ناممکن ہے کہ ہم تجھے، تیرے قول، تیرے فعل کو پسند کریں۔ لہٰذا جو تو کرنا چاہتا ہے کر۔ تیرا تسلط صرف اس ظاہری زندگی پر ہو سکتا ہے یعنی اس کو ختم کرنے کی کوشش تو کر سکتا ہے دوامی عذاب نہیں دے سکتا۔ نہ دوامی خیر تیرے قبضہ میں ہے۔ تو نے مجبور کر کے ہم کو جادو سکھایا۔ اس پر ہم پشیمان ہیں۔ اس سے پہلے بھی ہم سے بہت قصور ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے رب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے تمام قصوروں کو معاف فرما دے۔

تحلیل اجزاء

قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ۔ جب جادوگر ایمان لائے اور فرعون کی قوت مغلوب ہو گئی تو اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ارکانِ سلطنت اور افرادِ رعایا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اس لئے کوئی ایسی تجویز کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی دل موسیٰ کی طرف راغب ہو تب بھی تصدیق و ایمان سے رُک جائے، اس لئے دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے جادوگروں سے بولا کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ کے قول پر ایمان لے آئے، یہ تم سب کی سازش ہے، موسیٰ تمہارا سرگروہ ہے، اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے تم سب اسی کے شاگرد ہو۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ فرعون نے ساحروں کو دھمکی دی کہ میں تم میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوا دوں گا۔ پھر (مشتہر کرنے اور لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے) کھجور کے درختوں کے تنوں سے بندھوا دوں گا اور بندش بھی بطریق صلیب کروں گا۔ (اس سے مقصود یہ تھا کہ اس کی ہمہ گیر طاقت کا اظہار ہو جائے اور لوگ ظالم کی قوت سے ڈر جائیں)

مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پوری کی تھی اور ساحروں کو قتل کیا تھا یا ایسا نہیں کیا۔ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ فرعون نے ان کو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور وہ ایسا کر بھی گزرا اور یہ فی الحقیقت ان جادوگروں پر اللہ کی رحمت تھی، اسی لئے ابن عباس وغیرہ اکابر نے فرمایا کہ صبح کو وہ ساحر تھے اور شام کو شہید ہوئے۔ (انتہیٰ)۔

شیخ ابی السعود کا قول ہے کہ اس کا پورا کرنا قرآن و حدیث سے نہیں۔ لیکن امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے جوان مومنوں کو دھمکی دی تھی، اس کا ثبوت نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ... ابو حیان نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان مومنوں کو فرعون کے پنجہ سے محفوظ رکھا۔ اس مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ۔ یعنی جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کریں گے وہ سب غالب ہوں گے۔ وہ ساحر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی پیروی انہوں نے کی تھی، اس لئے سالم و غالب رہے۔ شیخ البقاعی نے کہا کہ سورۂ حدید کی آخری صراحت بتا رہی ہے کہ ان مومنوں

toobaafoundation.com

نے نجات پائی یعنی فرعون کا دست رس اُن پر نہ ہوا۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى اہل سحر کا کلام او پر کی آیت پر ختم ہو گیا۔ یہاں سے خدا تعالیٰ ایک عام قاعدہ بیان فرماتا ہے جس سے کفر کے نتیجۂ بد کا خوف اور ایمان کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت سے مجرم سے مراد کافر اور مشرک ہے گنہگار مسلم مراد نہیں۔ کیونکہ امام احمد نے بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کیا ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو دوزخی دوزخ والے ہی ہوں گے (یعنی جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے) وہ اس کے اندر نہ مریں گے نہ جئیں گے۔ البتہ کچھ آدمی اور ہوں گے جن کے گناہوں کے سبب آگ ان کو جلائے گی۔ ان کو دوزخ کی آگ سے ایک خاص قسم کی موت آجائے گی، یہاں تک کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کی اجازت دی جائیگی، اور ان لوگوں کی ٹکڑیاں جنت کی نہروں میں لائی جائیں گی اور اہل جنت کو حکم دیا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو۔ پانی چھڑکنے سے ان میں ایسی روئیدگی ہوگی جیسے سیلابی دانہ اگتا ہے (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعیدؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی۔ جب آیت اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا الخ پر پہنچے تو فرمایا الخ۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں مجرم سے مراد مشرکین و کفار ہیں، مسلمان گناہ گار مراد نہیں۔ رہی یہ بات کہ موت نہ آئے گی تو یقیناً زندہ ہوں گے اور زندگی نہ ہوگی تو یقیناً موت ہوگی۔ حیات عدم موت اور موت عدم حیات کا نام ہے تو بیضاوی نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے:۔ دوزخ کے اندر کفار کو موت نہ آئے گی کہ عذاب سے راحت مل جائے اور نہ خوشگوار زندگی حاصل ہوگی کیونکہ عذاب کی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ بیضاوی کے جواب کا مفاد یہ ہے کہ جہنمی جہنم میں زندہ رہے گا، لیکن ایسے عذاب میں رہے گا جو موت سے بدتر ہوگی۔

مقصودِ بیان جب حکومت و تسلط کا شیطان آدمی کے دماغ پر چھا جاتا ہے تو وہ اپنی ذات کو نہ فقط رعایا کے جان و مال کا مالک اور متصرف حقیقی سمجھنے لگتا ہے بلکہ لوگوں کے دماغوں کو اپنا غلام جانتا ہے۔ اس کو گوارا نہیں ہوتا کہ کسی کے دماغ میں میری اجازت کے بغیر کوئی تصور و تخیل بھی آسکے یا میرے حکم کے بغیر کوئی شخص کوئی مذہبی یا سیاسی عقیدہ اپنے دماغ میں قائم کر سکے۔ یہ درحقیقت ظلم اور جہالت کا آخری درجہ ہوتا ہے جس پر پہنچ کر آدمی عقل و شعور کی حد سے خارج ہو جاتا ہے۔ فرعون بھی ایسے ہی جاہل احمقوں میں سے تھا جو اپنی ذات کو نہ فقط حکمران اور جبار بادشاہ جانتا تھا بلکہ متصرف القلوب اور مالک اذہان بھی سمجھتا تھا۔

جس کے دل میں نور ایمان چمکنے لگتا ہے اور آفتاب ازل کی کرنیں پرتو انداز ہو جاتی ہیں وہ دنیا کی کسی قہار طاقت سے نہیں ڈرتا۔ لالچ اور خوف کے جذبہ سے پاک ہو کر جان و مال کو راہ حق میں قربان کرتا ہے اور ایمان سے مُنہ نہیں موڑتا۔

آیت وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ سے ثابت ہوتا ہے کہ سحر سیکھنا بھی حرام ہے

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ سے فی الجملہ اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ اعتبار انجام کا ہے۔ مرنے کے وقت جو مشرک ہوگا وہ ناقابل مغفرت ہے اور جو بوقت موت مومن صالح ہے وہ مغفور رہے وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي

ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو نکال لے جاؤ اور دریا کے اندر ان کے لئے خشک سڑک

الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

بنا دو تم کو نہ آپکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (ڈوبنے کا) ڈر ہوگا غرض فرعون نے اپنے لشکر سمیت اُن کا پیچھا کیا

toobaafoundation.com

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝

لیکن دریا کی زبردست موجوں نے ان کو چھپا لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا نیک راہ نہ دکھائی

تفسیر

جادوگروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مدت دراز تک مصر میں رہے اور تبلیغ حق کرتے رہے۔ فرعون نے بھی انتہائی ظلم پر کمر باندھ لی۔ حضرت موسیٰ کی قوم کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے بے گناہ معصوم بچوں کو نذر شمشیر کرنا شروع کر دیا۔ مختلف اوقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قوم فرعون مختلف غیبی عذابوں میں مبتلا ہوئی۔ طوفان آنا، ٹڈیوں کا تمام سبزی کھا جانا، تمام قبطیوں کے لئے پانی کا خون بن جانا، ہر برتن میں کیڑے اور ہر کھانے میں مینڈکوں کا پھیل جانا اور اس قسم کی غیبی تنبیہات ظاہر ہوتی رہیں۔ تاکہ قوم سرکش بیدار ہو جائے، مگر فرعون کی کور باطنی ایسی نہ تھی جو آفتاب قدس کی شعاعوں کو دیکھ سکتی اور قبطیوں کے مقدر میں بھی نعمت ایمان نہ تھی۔ وہ لوگ غریب اسرائیلیوں کو طرح طرح سے ستاتے، تکلیفیں دیتے۔ یہاں تک کہ جب ان کے بچے بے گناہ قتل کئے جانے لگے تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور غضب الٰہی کا دریا بھی اُمڈا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ اور بحر قلزم پر پہنچ کر اس میں عبور کرو تم میں سے کسی کا دامن بھی تر نہ ہو گا۔ دریا کے اندر تمہارے لئے خشک راستہ بنا دیا جائے گا۔

مصر کے اندر بنی اسرائیل کی آبادی قبطیوں سے بالکل جدا تھی وہ حکمراں قوم تھی، کمزور اسرائیلیوں کے ساتھ رہنا اپنے لئے باعث ذلت سمجھتی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے فائدہ پہنچا۔ رات ہی کو سب کو اکٹھا کیا اور سب کو لے کر بحر قلزم کے انتہائی سرے پر جا پہنچے (وہ مقام اب درمیانی خاکنائے کاٹ کر بحیرۂ روم سے ملا دیا گیا ہے۔ یہی نہر سویز ہے۔ یہیں سے کوہ طور کو سیدھا راستہ جاتا ہے)

غرض فرعون کو جب یہ اطلاع پہنچی تو اس نے فوراً اپنی فوج کو جمع ہونے کا حکم دیا اور سب کو لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ پیچھے پیچھے تمام لشکری تھے اور اگلے دستہ میں فرعون تھا۔

گروہ بنی اسرائیل کا پچھلا حصہ اور لشکر فرعون کا اگلا حصہ جب قریب ہو گئے تو اسرائیلیوں کو اندیشہ ہوا کہ اب ہماری گرفت ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ حکم کی تعمیل کی۔ فوراً پانی پھٹ گیا اور بارہ راستے خشک نمودار ہو گئے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا راستہ بن گیا اور چونکہ پیچھے سے فرعون کی گرفت کا اندیشہ تھا اور آگے سے یہ خوف تھا کہ کہیں سمندر کا پانی اوپر سے آکر غرق نہ کر دے، اس لئے وحی آئی کہ خوف مت کرو نہ فرعون کا دست رسی کا اندیشہ کرو نہ تلاطم امواج سے ڈرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی پوری جمعیت لے کر پار ہو گئے۔ فرعون لب دریا متحیر کھڑا دیکھتا رہا، غلط کار مشیروں نے اس کو ابھارا اور کہا آپ ہی کے رعب سے تو دریا خشک ہو گیا۔ پھر داخل ہونے میں کیا تامل ہے۔ فرعون نے با دل ناخواستہ دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ پیچھے سے سب لشکر بھی داخل ہو گیا۔ جب پوری فوج وسط دریا میں پہنچی تو پانی میں ایک موج آئی، سطح سمندر ہموار ہو گئی اور تمام کافر پانی کی راہ سے آگ میں پہنچ گئے۔

تحلیل اجزاء

أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي اس کلام کا تعلق آیت لَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ سے ہے۔ یعنی جب ساحروں کا واقعہ گزر گیا اور مدت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں رہ کر نشانہائے قدرت دکھاتے رہے اور کوئی طریق ہدایت مفید نہ ہوا تو حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کو چلے جاؤ۔ جس رات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے ہیں اس کی صبح کو بنی اسرائیل کی عید کا دن یعنی یوم عاشورا تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ اسرائیلیوں سے زیور جواہر اور کپڑے عید کے بہانے سے بطور رعایت لے اور چل دیے۔

toobaafoundation.com

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا - شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں لاٹھی ماری اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے بھٹ جا۔ فوراً سمندر پھٹ گیا اور بارہ راستے بن گئے۔ ہر گروہ ایک راستے میں داخل ہو گیا، لیکن یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ہمارا دوسرا گروہ جو دوسرے راستے سے جا رہا ہے غرق ہو جائے۔ اس خیال کو زائل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے درمیان میں پانی میں سوکھے کر دیئے تاکہ ہر گروہ دوسرے گروہ کو دیکھتا جائے۔

مقصودِ بیان جو لوگ اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ ہر طرح سے ان کی مدد فرماتا ہے۔ بڑی بڑی قہار طاقتیں بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ معجزۂ انبیا حق ہے۔

بنی اسرائیل کے گزرنے کے بعد سمندر کے اندر خشک راستے پیدا ہو گئے تھے، فرعون معہ لشکر کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اللہ کی گرفت سے پُر جبروت جلالت مآب بادشاہ بھی خارج نہیں۔ فرعون مرنے کے وقت بھی گمراہ تھا۔ نفی ہدایت کی صراحت صاف بتا رہی ہے کہ فرعون کی آخر دم کی توبہ قبول نہیں ہوئی وغیرہ۔

ایک خاص نوٹ شیخ ابن عربی نے اپنی مشہور تفسیر میں آیت فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ الخ کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ فرعون نے معہ لشکر کے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور یہ چاہا کہ جس طرح خود جسمانی حسّی خواہشات کے دریا میں غرق ہے اسی طرح بنی اسرائیل کو نفسانی ہوا و ہوس کے دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دے، لیکن اس کو ایک عظیم الشان موج یعنی قطران عذاب نے ڈھانپ لیا۔ مطلب یہ کہ ہلاکت سرمدی اور عذاب ابدی میں وہ مبتلا ہو گیا۔

شیخ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ فرعون عذاب دائمی میں گرفتار ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی، لیکن فتوحات و فصوص کی بعض عبارتوں کا غلط مفہوم سمجھ کر اہل علم نے نقل کیا ہے کہ ابن عربی کے نزدیک فرعون کی آخری توبہ قبول ہو گئی اور اس کو عذاب سے نجات مل گئی، مگر ابن عربی کے قول کا صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

اے اولادِ بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے بچا لیا اور طور کی دائیں جانب (توریت دینے کا) تم سے وعدہ کیا

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ○ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا

اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا ہماری دی ہوئی نفیس چیزیں کھاؤ اور اس کے بارے میں

تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ○

حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا اور جس پر میرا غضب ٹوٹا وہ بلاشبہ ہلاک ہوا

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ○

جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے پھر ہدایت پر قائم رہے میں اس کو بخشنے والا ہوں

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے وہ نعمتیں یاد دلاتا ہے جو فرعون کو غرق کر لے کے بعد ان کو عطا کی گئی تھیں۔ اہل تعبیر کی رائے اس امر میں مختلف ہے کہ کس زمانے کے بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے۔

toobaafoundation.com

خطیب نے سراج میں اور بعض دیگر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہودی تھے خدا تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہیں جو ان کے آباؤ اجداد کو عطا کی گئی تھیں کیونکہ اسلاف پر جو انعامات کئے گئے ہوں ان کا احسان اولاد پر ہوا کرتا ہے۔

ابن کثیر اور بیضاوی کے کلام کا میلان اس طرف ہے کہ یہ خطاب انہی بنی اسرائیل کو ہے جو فرعون کے مقابلے میں فتح یاب ہوئے تھے اور جن کو فرعون کے ڈوبنے کے بعد طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا گیا تھا۔

میرے نزدیک یہی موخر الذکر قول قابل ترجیح ہے۔ سیاق آیات کا مقتضا یہی ہے۔

بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ نے تین عظیم الشان احسان فرمائے:- پہلے ان کے پُر جلال ظالم دشمن کو ان کی نظروں کے سامنے تباہ کیا۔ یہ ایسا عظیم المرتبہ احسان تھا جس سے بنی اسرائیل زندہ ہوگئے۔ ہر وقت کی تکلیف، ذلت، مشقت اور مصیبت سے چھوٹ گئے۔

دوسرا احسان یہ فرمایا کہ جب بنی اسرائیل بھی دنیا میں با وقعت قوم شمار ہونے لگی اور زندوں میں پڑ گئی تو ان کی دینی ہدایت کے لئے کوہ طور پر توریت ملنے کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ طور پر گئے اور مقررہ میقات تک عبادت و ریاضت کی اور ان کو کتاب ہدایت عطا کی گئی۔

تیسرا احسان دنیوی تھا جب بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں کے سبب تیہ میں پھنس گئے اور رہائی کی کوئی شکل نہ نظر آئی اور تمام زاد راہ ختم ہو گیا اور سوائے موت کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا تو ایسے آڑے وقت میں خدا تعالیٰ نے ان کو غیب سے لذیذ پاکیزہ حلال روزی عطا فرمائی۔ من اور سلویٰ بلا مشقت ان کو بقدر ضرورت ملنے لگا، لیکن انھوں نے پھر بھی نافرمانیاں جاری رکھیں، حلال کو چھوڑ کر حرام اور جائز کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف قدم بڑھایا۔ نتیجہ میں غضب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ غضب خداوندی کا یہی نتیجہ ہوا کہ علاوہ عذاب آخرت کے وہ دنیا میں بھی ذلت کے غار میں گر گئے۔ نہ روئے زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ پر حکومت ہے نہ عزت و شوکت۔ یہودی کتنا ہی ٹرا مالدار ہو اس کی صورت پر ذلت برستی ہے۔ عموماً اقوام عالم ان کو اپنے ملک سے باہر کرنے کے درپے ہیں۔ عیسائیوں یا مسلمانوں کے زیر تسلط یہ ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ البتہ جنھوں نے توبہ کرلی مسلمان ہوگئے اور اپنی ناشائستہ سرکشیاں ترک کردیں ان کو پھر عروج و عزت کی کرسی مل گئی۔

تحلیل اجزاء

وَعَدْنٰكُمْ وعدہ فقط حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا تھا، لیکن چونکہ بنی اسرائیل کے دینی فائدے کے لئے تھا کہ ان کو کتاب الٰہی مل جائے یا گوسالہ پرستی کا قصور معاف ہوجائے، اس لئے فرمادیا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا۔

نحاس نے کہا۔ وٰعَدْنٰكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو حکم دیا اس بات کا کہ وہ تم کو اپنے ساتھ طور پر لے جانے کا حکم دے تاکہ تمہارے روبرو کلام ہو اور تم کو سنایا جائے۔

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ۔ پہاڑ کا کوئی دایاں بایاں حصہ نہیں ہوتا، اس لئے آیت میں دائیں جانب سے وہ سمت مراد ہے جو مصر سے شام کو جاتے ہوئے مکہ اور یمن کے رُخ پر ہے۔

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ طیبات کی دو طرح سے تفسیر کی گئی ہے۔ حلال اور لذیذ۔ اگر طیب کے معنی لذیذ لئے جائیں تو کھانے کا حکم بطور اجازت ہے۔ یعنی لذیذ چیزوں کا کھانا تمہارے لئے جائز ہے۔

اور اگر لفظ طیبات کا ترجمہ حلال کیا جائے تو کھانے کا حکم بطور وجوب کے ہوگا۔ یعنی حلال رزق کا کھانا واجب ہے اور حرام رزق کا کھانا حرام ہے۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ۔ طغیان کے معنی ہیں حد مقررہ سے تجاوز کرنا اور آگے بڑھنا۔ آیت میں مراد ہے حلال سے حرام اور جائز سے ناجائز کی طرف بڑھنا۔ مطلب یہ کہ آرام سے رہو۔ کھاؤ، پیو ناشکری اور نافرمانی اور سرکشی مت کرو۔ آسائش و آرام ہی اتنا کر گناہوں میں نہ پڑ جاؤ۔

فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ۔ یہودیوں کو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے تنبیہ کردی تھی کہ راہ مستقیم پر رہنا، اعتدال سے نہ ہٹنا ورنہ میرا غضب

toobaafoundation.com

لازمی طور سے تم پر نازل ہو جائے گا۔ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے اور دنیا میں بھی ذلت، مسکنت، محکومی سے دوچار ہونا پڑے گا۔
چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ جب یہودی شریعت کے احکام سے بیزار ہو گئے، انبیاء و علماء کو قتل کرنے لگے، سود خواری شروع کر دی، رشوت، خیانت، فریب، دغا اور جھوٹ میں مبتلا ہو گئے تو غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔ ہمیشہ کے لئے حکومت و سلطنت سے محروم ہو گئے، ذلت و مسکنت لازم ہو گئی۔ یہودی کہیں ہو دوسری قوموں کے زیر حکومت رہے گا، مسلمانوں کا محکوم ہو گا یا عیسائیوں کا۔

ثُمَّ اهْتَدٰى یعنی جو یہودی سچے دل سے توبہ کر لیں گے، شرک چھوڑ کر توحید کی طرف متوجہ ہو جائیں گے، نبیٔ وقت پر ایمان لائیں گے، فرائض ادا کریں گے اور عمل صالح پر کاربند ہوں گے اور مرتے دم تک راہ ہدایت پر ثابت قدم رہیں گے ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔

اِهْتَدٰى کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ اہتداء سے مراد ہے کہ راہ ہدایت پر مرتے دم تک ثابت قدم رہنا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ سنت و جماعت پر قائم رہنا مراد ہے۔ ایک روایت میں ابن عباس کا قول ہے کہ اہتداء سے مراد ہے شک میں نہ پڑنا۔

ابن عباس کا تفسیری مطلب بیش بہا مضامین کو حاوی ہے۔ بات یہ ہے کہ کبھی آدمی مسلمان ہو کر نیک عمل شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر اس کو دنیوی منافع بدستور سابق حاصل ہوتا رہے تو خیر اور کوئی مالی یا جسمانی نقصان پہنچا تو وہ خیال کرتا ہے کہ مجھ پر یہ مصیبت ایمان یا عمل صالح کی وجہ سے آئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا تھا۔ بعض دیہاتی حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے اور جب واپس جاتے اور ان کو کوئی مالی نفع ہوتا تو کہتے واہ کیسا اچھا مذہب ہے جس میں داخل ہوتے ہی مجھے نفع ہوا اور اگر کچھ نقصان ہو جاتا تو دین اسلام کی طرف سے شک میں پڑ جاتے اور خیال کرتے کہ یہ وبال مسلمان ہونے سے مجھ پر آیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد آدمی اپنے نفس پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے۔ لذت انگیز، تمتع آفرین کو بحکم شریعت ترک کرنا چاہتا ہے، لیکن چونکہ وہ ان کا خوگر ہوتا ہے، اس لئے خواہش نفس کے تحت ان کے جواز کی تاویلیں کرنے لگتا ہے۔ کبھی کہتا ہے خدا اتنا ظالم نہیں کہ ایسی ضروری مفید چیز کو حرام کر دے جس کو ترک کرنے سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور انسان متمدن دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہتا۔ خدا نے کب کسی کو ناقابل برداشت تکلیف دی ہے، وہ کہتا ہے کہ شراب ایک لطیف سیال، مفید صحت اور جرأت آفریں شربت ہے۔ آغاز اسلام میں اس کو مصلحتاً حرام کر دیا تھا کہ لوگ خم کے خم چڑھا کر، ہوش و حواس سے عاری ہو کر اچھائی برائی کی تمیز کھو بیٹھتے تھے۔ نہ ان کو اصول حفظان صحت کی پرواہ ہوتی تھی نہ عقل و شعور برقرار رکھنے کا خیال۔ اب چونکہ دنیا ترقی کر کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئی ہے اور عقل و شعور کے مغلوب ہونے کا اندیشہ نہیں رہا، اس لئے اگر بقدر ضرورت تھوڑی سی پی لی جائے تو کیا حرج ہے۔ حواس میں تیزی، طبیعت میں جولانی، اعضاء میں چستی اور ہمت میں بلندی پیدا ہونے کا یہ بہترین ذریعہ ہے ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
تھوڑی سی بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

اسی طرح سود کے متعلق وہ کٹ حجتی کرتا ہے۔ سود وہ ہے جو بنیئے لیتے ہیں۔ غریبوں کو روپیہ دے کر قسط وار مضاعف در مضاعف نہایت بے رحمی سے ان سے وصول کرتے ہیں۔ تجارتی سود میں کیا نقصان ہے۔ تجارت کے لئے روپیہ قرض لے کر آٹھ آنہ سینکڑے کا سود دینا اور دس روپیہ سینکڑہ نفع کمانا کون سی غلطی ہے۔ کبھی کہتا ہے تجارتی سود سود ہی نہیں بلکہ اپنے روپے کا جائز نفع ہے۔ اگر کچھ روشن خیال طبقہ ہے تو زنا کو جائز معاہدہ قرار دیتا ہے اور عصمت فروشی عزت بہ کف طبقہ کو قوم کے لئے ضروری پیشہ خیال کرتا ہے۔ اس بندش کو نہ فقط ظلم بلکہ قومی ترقی کیلئے سنگِ راہ سمجھتا ہے۔ چوری کی پاداش میں ہاتھ کاٹنے کو ظلم کہتا ہے۔ بہت سے احکام رسول کو موجودہ زمانے کے لئے غیر مفید بلکہ مضر قرار دیتا ہے مگر پھر مسلمان کا مسلمان رہتا ہے۔

یہ سب اغوائے شیطانی ہے، اضلال نفسانی ہے، ہوا و ہوس کی بندگی ہے، طبعی خواہشات کی پرستش ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا کہ ایمان و عمل صالح کے بعد یہ بھی لازم ہے کہ آدمی کسی طرح احکام شریعت میں شک نہ کرے ورنہ اس کا ایمان ناقابل اعتبار ہے۔

مقصودِ بیان

بنی اسرائیل کو مختلف احسانات یاد دلا کر ایمان و عمل صالح کی ترغیب۔ دشمن کے پنجہ سے رہا کرانا بہت بڑی نعمت ہے۔ دفع ضرر حصول خیر سے زیادہ قابل وقعت ہوتا ہے۔

toobaafoundation.com

اسلاف پر احسان اخلاف کے لئے منت کشی اور احسان مندی کو لازم کر دیتا ہے۔
دینی احسان اور شریعتِ حق کا عطیہ بھی موجب شکر ہے یعنی قانونِ الٰہی اگر دنیا میں نافذ ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا اس سے کوئی ذاتی نفع نہیں بلکہ اس پر کاربند ہونا خود انسانوں کے لئے موجب سعادت ہے۔
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ رزق دو طرح کا ہوتا ہے۔ حلال اور حرام۔ حلال رزق کا کھانا جائز اور حرام کا کھانا ناجائز ہے، لیکن حلال رزق کو بھی غیر ضروری طور پر کھانا یا استعمال کرنا یا دینا ناجائز ہے، طغیان ہے، حد اعتدال سے تجاوز ہے۔
یہودیوں کو وعید کرنے میں درپردہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم بھی احکامِ خداوندی کی پیروی نہ کرو گے اور شریعت غرا پر نہ چلو گے تو تم کو بھی ذلت، نکبت، غلامی، کمزوری، جہالت و افلاس سے دوچار ہونا پڑے گا، اللہ اپنی نعمت تم سے چھین لے گا، تم غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے، لیکن اگر سچے دل سے توبہ کر دو گے تو پھر خدا تمہارے قصور معاف کر دے گا۔
اس میں درس عبرت ہے زمانۂ حاضرہ کے ہندی مسلمانوں کے لئے جو غلام ہیں، محکوم ہیں، ذلیل ہیں، خستہ حال اور بدحال ہیں، کمزور بے کس اور بے بس ہیں، جاہل ہیں، مفلس ہیں، پست ہمت، پست قوت اور پست خیال ہیں۔ یہ سب وبال ہے اللہ کے احکام سے سرکشی کا، فرقانِ قرآنی کو نفسانی ہوس رانی کے لئے آلۂ کار بنانے کا، قوم کو مکاری کے جال میں پھنسا کر حرام مال کھانے کا، شریعت کا نام لے کر تسبیح کی آڑ میں شکار کھیلنے کا، تحفے تحائف اور نذرانوں کا نام لے کر مریدوں کی جیبیں کترنے کا اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھوکا مارنے کا۔ مدارس اور یتیم خانوں کے عنوان سے خیانت و غبن کے اڈے قائم کرنے اور چندہ کے نام سے قوم کی جیبوں پر ڈاکہ مارنے کا۔ بزرگان دین کی ہڈیاں فروخت کرنے اور عزت اسلامی کی پرواہ نہ کرنے کا۔ پس وائے حسرت مشائخ عظام، علمائے کرام اور لیڈران قوم کی حالت بھی کا ظاہر دیدہ خوبصورت زہریلے سانپ کے ظاہر و باطن سے کم نہیں۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ
موسیٰ تم کو کون وجہ تمہاری قوم سے جلد لے آئی؟ موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے ہیں میں تیری

عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ
طرف جلدی چلا آیا تاکہ تو خوش ہو فرمایا ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو بلا میں مبتلا کیا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ
اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا غرض موسیٰ اپنی قوم کی طرف رنجیدہ ہو کر غصہ میں واپس آئے

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
کہنے لگے اے قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا تو کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ۝
یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب ٹوٹ پڑے اسی لئے تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا

toobaafoundation.com

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ

وہ بولے ہم نے اپنے اختیار سے تمہارے وعدہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ ہم پر (فرعون کی) قوم کے زیور کا کچھ بار لدا ہوا تھا

الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۙ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

اُس کو ہم نے پھینک دیا اسی طرح سامری نے (آگ میں) ڈال دیا پھر سامری نے اُن کے لئے ایک بچھڑا بنا کر

جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ ۵ فَنَسِيَ ط أَفَلَا

نکالا یعنی ایک بدن بنایا جس کی آواز گائے کے ایسی تھی اور بولے یہ تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے پھر موسیٰ بھول گئے (ملے نہیں)

ع۴ ۱۴ ۱۳ يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝ ع

وہ لوگ بھلا یہ بھی نہ دیکھتے تھے کہ وہ اُن کی کسی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ اُن کے کسی نفع نقصان پر قدرت رکھتا تھا

تفسیر

حضرت موسیٰ جب مصر سے نکلے تھے تو تمام بنی اسرائیل تھے اور عید کے بہانے سے قبطیوں کا زیور بھی لے لیا تھا۔ جب فرعون غرق ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر شام کی طرف چلے۔ راستے میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب ایک لق دق بیابان میں پھنس گئے جس کو وادی تیہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کھانے پینے کو کیا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے دعا کی۔ ان کی دعا سے غیب سے روزانہ من (ترنجبین یا ایک خاص قسم کا مدہ) درختوں پر جمنے لگا اور بٹیریں بھی بکثرت ملنے لگیں، خوب مزے سے گزارا ہونے لگا، لیکن حکم تھا کہ ہر شخص بقدر ضرورت لے، کل کے لئے اندوختہ نہ کرے، لیکن دین کا ثبات، شریعت کا قیام، احکام الٰہیہ کا علم اور کتاب اللہ کا حصول ضروری تھا تاکہ اسرائیلی قوم کے پاس اپنا دستور العمل اور قانون اصلاح ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں حصول کتاب کی دعا کی۔ حکم ہوا ستر بنی اسرائیل کو منتخب کر کے سب کو لے کر طور پر آؤ اور ایک ماہ کے روزے رکھو (ایک ماہ میں دس روز کا اضافہ بعد کو کر دیا گیا تھا۔ کل چالیس روزوں کا حکم ہوا تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی منتخب کئے اور ان کو لے کر طور کی طرف چل دیئے (سفر خروج باب ۱۹) موسیٰ علیہ السلام کو مناجات و قرب کے شوق نے زیادہ بے قرار کیا تو ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے اور سب سے پہلے طور پر جا پہنچے۔ ایک مہینہ کا وعدہ کر گئے تھے وہاں چالیس دن لگ گئے (سفر خروج باب ۲۴)

دس روز کی تاخیر سے لوگوں نے چہ مہ گوئیاں شروع کیں۔ کسی نے کہا موسیٰ کا انتقال ہو گیا، کسی نے کہا خدا کے عتاب میں ماخوذ ہو کر [illegible] لگو۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ایک شخص سامری بھی تھا جس کا اصلی نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی غیبت سے اس نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ قوم سے بولا آؤ میں تمہارا معبود دکھاؤں جو تم کو مصر سے نکال کر لایا ہے دیکھو موسیٰ کے لئے حلال نہ تھا کہ قبطیوں کا زیور لے لیتا، اس لئے وہ محبوس ہو گیا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کل زیور میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کو آگ میں ڈال کر جلا دوں اور موسیٰ کو رہائی ملے۔ بھولے بھالے اسرائیلی سامری کی عیاریاں کب جانتے تھے۔ سب نے بخوشی کل زیور آگ میں ڈال دیا۔ سامری نے سب زیور جلا کر بچھڑے کی شکل کا ایک بت بنایا اور وہ خاک جو ایک مرتبہ حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے نیچے سے اس نے حاصل کی تھی بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔ بچھڑا ڈکرانے لگا۔

بعض کا قول ہے کہ کچھ بچھڑے کے حلق کے اندر اُس نے اوتار الصوت بنائے تھے جن سے آواز نکلتی تھی۔

بنی اسرائیل گائے سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے۔ مصر سے نکلنے کے بعد ایک قوم کی طرف سے گزرے

toobaafoundation.com

تھے جو گائے پرست تھے، گائے کی پرستش ہوتے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی تھی کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دیجئے جیسا اس قوم کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جھڑک دیا تھا۔ جب انہوں نے سونے کا بچھڑا بولتا دیکھا تو جذب اندرونی اور اغوائے سامری دونوں نے مل کر اپنا کام کیا اور بچھڑے کے گرویدہ ہو گئے۔ قربانیاں چڑھانے لگے، اس کے سامنے ڈنڈوت اور سجدے کرتے، اس کے چاروں طرف گھومتے، گھنٹیاں اور ڈھول بجاتے۔ حضرت ہارونؑ موسیٰؑ کے جانشین تھے، انہوں نے ہر چند سمجھایا، لیکن کسی نے نہ مانا بلکہ مارنے کے درپے ہو گئے۔ طور پر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کیا کہ تیرے بعد تیری قوم گمراہ ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام غضبناک حالت میں وہاں سے لوٹے۔ قوم سے کہا کیا خدا تعالیٰ نے تم سے بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ میں تم سے کہہ کر گیا تھا تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ کیا مدت اتنی طویل گزر گئی تھی کہ تم مایوس ہو گئے تھے یا تم نے غضب الٰہی میں مبتلا ہونا چاہا کہ ایسی ناشائستہ حرکت کی۔ لوگوں نے عذر کیا۔ بولے ہم کو سامری نے گمراہ کر دیا ہم نے خود جان بوجھ کر آپ کے حکم کے خلاف نہیں کیا۔ قوم قبط کا زیور ہم ساتھ لائے تھے۔ ہم نے اس کو حسب معمول پگھلانے کے لئے آگ میں ڈال دیا، سامری نے بھی ڈال دیا اور پھر اس کا بچھڑا بنا دیا جو بولتا ہی تھا۔ جب چلاتا ہوا بچھڑا تیار ہو گیا تو کہنے لگا یہی تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔ موسیٰ اس کو بھول گیا جو کوہ طور پر خدا سے ملنے گیا تھا۔ غرض ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ ہم سامری کے بہکاوے میں آ گئے۔

تحلیلِ اجزاء

مَا اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ۞ قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى حکم الٰہی کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی منتخب کئے۔ باقی گروہ پر حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بنا دیا اور منتخب آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چل دیئے، لیکن شوق مناجات نے جلدی پر آمادہ کیا۔ ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ طور پر پہنچے اور صوم و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تیس روز کے بجائے پورا چلہ (ایک ماہ ذیقعد اور ابتدائی عشرہ ذی الحجہ کا) صرف ہو گیا۔ جب وقت مناجات آیا تو خدا تعالیٰ نے سبب عجلت دریافت کیا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا پروردگار! میں میقات پر اس لئے پہلے آ گیا کہ تیری رضا قائم رہے یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ یوں ہی منزل بمنزل سب کے ساتھ آرام کرتا آؤں گا تو شاید تیرے حکم کی تعمیل میں تاخیر ہو جائے۔ رہے ساتھ والے تو وہ بھی میرے نشان قدم پر پیچھے آ رہے ہیں۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ‏ ۞ ندائے الٰہی ہوئی۔ تیرے آنے کے بعد ہم نے تیری قوم کو آزمائش و فتنہ میں ڈال دیا۔ سامری نے ان لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ یعنی اب وہ تیرے نقش قدم پر نہیں ہیں۔ توحید چھوڑ کر بت پرستی میں مصروف ہو چکے ہیں۔ مروی ہے کہ سوائے بارہ ہزار کے تمام بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ایک ماہ تک حسب وعدہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کیا۔ جب مقررہ مدت سے زیادہ دن گزر گئے تو ان کو تشویش ہوئی۔ سامری نے کہا موسیٰ کو طور پر روک لیا گیا ہے۔ کیونکہ قبطیوں کا زیور وہ ساتھ لائے تھے اور یہ فعل حکم الٰہی کے خلاف تھا۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب زیور لے کر آگ میں ڈال دو۔ سب لوگوں نے سامری کے مشورہ پر عمل کیا۔

سامری کو بعض اہل تاریخ اسرائیلی کہتے ہیں اور اسرائیلیوں کے فرقہ سامرہ سے اس کا نسب ملاتے ہیں، لیکن میں نے جہاں تک تحقیق کی مجھے اسرائیلیوں کا کوئی فرقہ سامری نام کا معلوم نہیں ہوا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ سامری کرمان کا رہنے والا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مصر میں رہنے لگا تھا۔ بعض کا قول ہے کہ باھرما کا رہنے والا تھا جیسا کہ بیضاوی میں ہے کہ باصرما ایک گاؤں کا نام تھا جو مصر کے قریب تھا۔ لیبی نے موصل کا گاؤں قرار دیا ہے۔ سامری کا نام موسیٰ بن ظفر اور بقول ابن کثیر ہارون تھا۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۞ پیام الٰہی سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت کی تختیاں ساتھ لیں اور غضبناک حالت میں لوٹے۔ واپس آ کر دیکھا کہ سونے کا ایک بچھڑا ہے جس کے منہ سے بے تلفظ آواز نکل رہی ہے۔ سامنے ڈھولک بج رہی ہے اور لوگ اس کے چاروں طرف وجد میں آ کر ناچ رہے ہیں۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام ابوبکر طرطوسی سے دریافت کیا گیا۔ آج کل ایک جماعت ہے جو بکثرت یادِ الٰہی کرتی ہے۔ اُن کے جلسے

toobaafoundation.com

میں بعض لوگ ڈھول بجاتے ہیں قوالی میں سے بعض آدمی کھڑے ہو کر وجد میں آ کر رقص کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں پھر کچھ شیرینی آتی ہے اس پر فاتحہ ہوتی ہے اور پھر سب مل کر کھاتے ہیں۔ کیا ایسے جلسہ میں شریک ہونا جائز ہے؟

امام طرطوسی نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ صوفیوں کا یہ مسلک گمراہی اور جہالت ہے۔ اسلام تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا نام ہے۔ رہا ناچنا اور وجد کرنا تو اس کی ابتدا سامریوں کے آدمیوں سے ہوئی۔ یہ فعل کافروں کا ہے انہی کا طریقہ ہے۔ رہی طبل نوازی تو اس کا آغاز بھی بے دینوں سے ہوا۔ اس ایجاد سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو کتاب اللہ سے پھیر دیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مجلس تو بہت باوقار ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ سلطانِ وقت اور ان کے نائبوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو مساجد وغیرہ میں نہ آنے دیں۔ جس شخص کا ایمان اللہ اور روز قیامت پر ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ ایسے لوگوں کے جلسوں میں شریک ہو یا اس معاملے میں ان کی اعانت کرے۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد وغیرہ کا یہی مسلک ہے (انتہی نقلاً عن الفتح)

اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ وعدۂ حسن سے مراد بیضاوی کے نزدیک علمائے تورات ہے۔ بعض کے نزدیک وعدۂ جنت مراد ہے۔

تفسیر مدارک میں علامہ نسفی نے بیان کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ایسی کتاب نازل کروں گا جس میں ایک ہزار سورتیں ہوں گی اور ہر صورت میں ہزار آیات ہوں گی۔ نسفی کی مراد یہ ہے کہ وعدۂ الٰہی اطاعت بنی اسرائیل اور استقامت دینی پر مشروط تھا مطلب یہ تھا کہ اگر تم لوگ دین پر قائم رہو گے اور اللہ کی اطاعت کرو گے تو ایک مفصل کتاب تم کو عنایت کی جائیگی اور چونکہ انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کی، اسلئے مفصل کتاب نازل نہ ہوئی بلکہ بہت ہی مختصر تورات ملی۔

بعض لوگوں کے نزدیک فتح شام کا وعدہ مراد ہے۔ میرے نزدیک صحیح وہ قول ہے جس کی ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ تم کو خدا تعالیٰ بشرط اطاعت و فرمان پذیری دین و دنیا کی ہر بھلائی عنایت کرے گا۔ بس یہی خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا۔

فَنَسِیَ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ تذکرہ بھول گئے تھے کہ یہ گوسالہ تمہارا دیوتا ہے۔ سنت میں خدا کو طور پر ڈھونڈنے گئے ہیں۔ یہ کلام سامری کا تتمہ ہے۔ کذا روی عن ابن عباس عن طریق مجاہد۔

بعض لوگوں نے سامری کی طرف ضمیر راجع کی ہے یعنی سامری بھول اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت سابقہ اس کو یاد نہیں رہتی (کذا قال ابن الاعرابی وروی عن ابن عباس عن طریق عکرمہ) موخرالذکر قول ضعیف ہے۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ - یہ قول خداوند تعالیٰ کا ہے اور بنی اسرائیل کی جہالت وحماقت پر مخصوص نص ہے کہ وہ بچھڑا جواب بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ نفع نقصان پہنچانا اس کے قبضہ میں تھا اس کے سامنے سر بسجود ہو گئے حالانکہ فرعون کی پرستش کا انکار کر چکے تھے۔

مقصودِ بیان خدا کے خاص بندوں کی ہر نقل و حرکت اذنِ الٰہی کے بغیر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ کسی نیکی کی طرف اقدام وسبقت بھی وہ بغیر اجازت نہیں کرتے اور اگر کبھی زیادتی شوق اور خلوص خاطر کی بنا پر (اپنے اجتہاد سے قبل از اذن الٰہی) وہ کوئی خاص نیکی کرتے ہیں تو ان سے بازپرس ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر پہلے چلے آئے اور ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ آئے تو اگرچہ اس سبقت کا موجب جذبۂ خلوص اور ازدیادِ خیر تھا، مگر پھر بھی وجہ تعجیل کے متعلق بازپرس ہو گئی۔ حضرت موسیٰ نے جو کچھ جواب دیا وہ تعلیم دے رہا ہے اس امر کی کہ ہر مومن کے پیش نظر مرضیٔ الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے۔

فَتَنَّا قَوْمَكَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ اسباب ضلالت کا اجتماع بھی خدا کی طرف سے امتحان ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش ہر طرح سے کرتا ہے۔

اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ۔ درحقیقت تو گمراہ کرنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے، لیکن سبب کی طرف فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب سامری کا فعل تھا، اس لئے سامری کو گمراہ کن قرار دیا، اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ انسان مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ اگرچہ خالق نہیں:

toobaafoundation.com

مگر غافل و کاسب ضرور ہے اور اسی پر سزا جزا مرتب ہوتی ہے۔

غَضْبَانَ اَسِفًا کالفظ یہ تعلیم دیتا ہے کہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی اور شریعت غراء کی مخالفت ہوتے دیکھ کر مومن کو غصہ آنا لازم ہے

قانون خداوندی کی شکست مومن کے جذبۂ اندرونی کو مشتعل کر دیتی ہے۔

پوری آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بہت سادہ لوح قوم تھی، لیکن موجودہ زمانے کے مسلمانوں سے کم۔ کیونکہ انہوں نے سونے

کے بچھڑے کو چلاتے دیکھا تھا، اس لئے گمراہ ہو گئے اور یہ خیال نہ کیا کہ معبود کا خود مختار اور قادر مطلق ہونا ضروری ہے۔

مگر اس دور کے مسلمانوں کو تو ادنیٰ فریب کار صوفی مولوی اور پیر معمولی باتوں سے گمراہ کر دیتے ہیں۔

بھوت، آسیب، شہید اور وہ تمام موہوم ہستیاں جو بالکل مجہول الحقیقت اور معدوم الخلقت ہیں آج کل کے عام مسلمانوں کو گمراہی کے لئے

کافی ہیں۔ وہ مٹی کا ڈھیر جو نہ بولتا ہے نہ نفع نقصان پہنچا سکتا ہے نہ یہ معلوم کہ اس کے اندر کبھی کوئی دفن بھی ہوا تھا نہ وہ کوئی غیر معمولی کشش رکھتا ہے۔

عوام بلکہ خواص کا مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔

اور مزید گمراہی یہ کہ مسلمانوں کو ہر مٹی کے ڈھیر پر سجدہ ریز دیکھ کر اور رقص و سرود کی محفلیں اور فحش و بے حیائی کی وارداتیں قبروں اور مزاروں

کے آس پاس ملاحظہ کر کے اہل عالم کو نہ غصہ آتا ہے نہ تاسف ہوتا ہے۔ کاش کوئی موسیٰ پیدا ہو جائے اور اس گروہ کو ہدایت کرے وغیرہ۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

اور ہارون نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم محض تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے

فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ○ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ

میری راہ پر چلو اور میرا کہنا مانو وہ بولے ہم تو اسی پہ جمے بیٹھے رہیں گے تاوقتیکہ موسیٰ ہمارے پاس

اِلَیْنَا مُوْسٰی ○ قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ○ اَلَّا تَتَّبِعَنِ

لوٹ کر نہ آجائے موسیٰ نے کہا ہارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو کیا وجہ مانع ہوئی کہ تم نے میری پیروی نہ کی

اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ○ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ

کیا تم نے میری حکم عدولی کی! ہارون نے کہا میرے ماں جائے میری داڑھی نہ پکڑ اور نہ سر کے بال پکڑو واقعی

خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ○

مجھے یہ ڈر تھا کہ تم کہو گے تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا لحاظ نہ کیا

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ

موسیٰ نے کہا سامری تیرا کیا حال ہے؟ سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی میں نے

toobaafoundation.com

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ

فرشتہ کے نقشِ قدم کی ایک مٹھی خاک لے لی اور (بچھڑے کے اندر) ڈال دی میرے دل نے بھی صلاح

لِىْ نَفْسِىْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَ

دی موسیٰ نے کہا تو جا زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے مجھے ہاتھ نہ لگانا اور

اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ

تیرے لئے ایک وعدہ کا وقت مقرر ہے جس کا خلاف تجھ سے نہ کیا جائے گا اور اپنے اُس معبود کو دیکھ جس پر تو جما بیٹھا

عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ

تھا کہ ہم اُس کو جلائیں گے پھر اُس کو دریا میں بالکل بکھیر دیں گے بس تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۝

کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے

تفسیر حضرت ہارون نے جب بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو سوچا مجھے اب کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا تھا کہ میری جگہ قوم کی اصلاح کرنا، اہلِ فساد کے راستے پر نہ چلنا، قوم میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اہلِ توحید کی جماعت لے کر گوسالہ پرستوں سے قتال کرتا ہوں اور ان کا بالکل مقاطعہ کرتا ہوں تو بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے گی، دو فرقے ہو جائیں گے اس لئے مناسب یہی ہے کہ حضرت موسیٰ کی واپسی تک قوم سے الگ ہو جاؤں (سراج) اور چونکہ حضرت ہارون کی کنارہ کشی سے گوسالہ پرستوں کو فائدہ پہنچا۔ کیونکہ سامری نے بھی یہی کہا تھا کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام لوٹ کر نہ آئیں تم گوسالہ کے سامنے سجدہ ریز رہو، اس لئے حضرت ہارون کا یہ فعل حضرت موسیٰ کی نظر میں قابلِ مواخذہ قرار پایا۔ حضرت ہارون میں اس شر کو ہاتھ سے دفع کرنے کی طاقت نہ تھی، مگر زبان سے ضرور نصیحت کر سکتے تھے اور مومن کی خاصیت ہے کہ شر کو دور کرنے کی ہر امکانی کوشش کرتا ہے، اس لئے بنی اسرائیل کو زبانی نصیحت بہت کچھ کی۔ سب سے پہلے ان کو اس ناشائستہ حرکت پر زجر و توبیخ کی اور فرمایا لوگو درحقیقت یہ تمہاری آزمائش ہے، تمہارے ایمان کی صداقت، و پائیداری کا امتحان کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا تم توحید پر قائم رہو۔ اس کے بعد معرفت الٰہیہ کی طرف متوجہ فرمایا اور فرمایا دیکھو تمہارا رب تو وہ ہے جس کے احسانات ہمیشہ سے ہیں۔ گزشتہ زمانے میں اس نے تم پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں وہ تمہارا محسن ہے، اس کا کوئی مشابہ نہیں۔ تبلیغ توحید کے بعد اقرار نبوت کی طرف مائل کیا اور فرمایا لوگو۔ تم میرے پیچھے چلو یعنی میں تمہارا امام ہوں، جس راستے پر میں چل رہا ہوں اسی پر چلو۔ آخر میں اتباعِ شریعت کا حکم دیا اور فرمایا لوگو! میرے حکم کو مانو۔ میں جو کچھ کہوں اس کو قبول کرو۔ جب زجر و توبیخ، اعلان توحید، تبلیغ نبوت اور اظہار شریعت کر چکے تو کمبخت لے دین بولے یہ تمہاری تقریر فضول ہے۔ ہم تو موسیٰ کی واپسی تک اس فعل سے باز نہیں آئیں گے۔ اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آ گئے۔ قوم کو لعنت ملامت کی پھر حضرت ہارون کی طرف متوجہ ہوئے۔ داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے اور بولے تو نے میرا حکم کیوں نہیں مانا، میرے قول پر کیوں نہیں چلا۔ حضرت ہارون نے عاجزانہ طریقہ پر کہا۔ بھائی میرے بال نہ کھینچو، مجھے رسوا نہ کرو۔ میں نے آپ ہی کے حکم کی تعمیل کی۔ اگر میں اپنی جماعت کو لے کر گوسالہ پرستوں سے مقابلہ کرتا تو

toobaafoundation.com

بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جاتی اور پھر آپ کہتے تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اس لئے میں خود علیحدہ ہو گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس شرک انگیزی کی وجہ دریافت کی۔ سامری نے کہا میں نے رسول کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے کچھ مٹی لے لی تھی وہ اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ جب بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے اور فرعون نے اپنی فوج لے کر ان کا تعاقب کیا تو دونوں جماعتوں کے درمیان حضرت جبرئیل بصورت بشری ایک گھوڑے پر سوار آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس گھوڑے کا قدم جس خشک زمین پر پڑتا تھا وہاں سبزہ اگ جاتا تھا۔ سامری نے یہ کیفیت دیکھ لی اور گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی مٹھی بھر کر لے لی اور یہی مٹی بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی۔ مال تو وہی تھا جو فریب کر کے کافروں سے لیا گیا تھا اور مٹی تھی برکت کی۔ حق و باطل کے اختلاط سے ایک کرشمہ پیدا ہو گیا۔ وہ بچھڑا اچھلنے لگا۔ اسی قسم کی چیزوں سے بُت پرستی پیدا ہوتی ہے۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بد دعا دی اور فرمایا جا کمبخت تو سدا یہی کہتا رہے گا کہ دیکھو مجھے مت چھونا۔ پیغمبر کی بد دعا کا یہ اثر ہوا کہ سامری کسی کے پاس نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اگر کوئی اس کو چھو لیتا تو دونوں کو بخار چڑھ آتا تھا۔ جنگلوں میں سب سے الگ مارا مارا پھرتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کو جذام ہو گیا تھا، اس لئے لوگ اس کی ہوا سے بچتے تھے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو توڑ واکر جلا کر اس کی خاک ذرہ ذرہ کر کے دریا میں بہا دی اور آخر میں تبلیغ توحید کی۔

تحلیلِ اجزاء

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے کہا کہ جب قوم کو تم نے گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو میری اتباع کیوں نہ کی۔ اتباع کرنے کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں:-

اوّل یہ کہ تم نے ان ظالموں کا مقابلہ کیوں نہ کیا، میری سیرت اختیار کیوں نہ کی؟

دوئم یہ کہ ان کو چھوڑ کر طور پر آ کر مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ اوّل معنی اظہر ہیں۔

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ الخ ابن عباس کے نزدیک اس آیت میں دیکھنے سے مراد ہے جاننا۔ گویا بَصُرْتُ کا ترجمہ ہوا عَلِمْتُ

عام مفسرین کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ جبرئیل خاص مجھی کو دکھائی دئے اوروں کو نہیں۔ پس میں نے ان کے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی مٹی مٹھی بھر لے لی۔ اسی مطلب کو اگر صحیح مان لیا جائے تو کئی باتیں ماننی پڑتی ہیں۔ اوّل یہ کہ رسول سے مراد جبرئیل ہیں۔ دوئم سامری کے قول کو سچ مانا جائے کہ اس نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ سوئم یہ کہ بعض اہلِ ضلالت کو وہ غیبی مخلوق نظر آتی ہے جو عام اہلِ ایمان کو نظر نہیں آتی۔ چنانچہ سامری نے جبرئیل علیہ السلام اور ان کے گھوڑے کو دیکھ لیا باوجودیکہ عام بنی اسرائیل نے نہیں دیکھا۔

یہ تینوں امور قرآن و احادیث میں کہیں مذکور نہیں بلکہ آخری نمبر کی تردید تو اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو بکثرت محدثین نے روایت کیا ہے کہ فرشتہ کو وہی دیکھ سکتا تھا جو متبع ہو پھر سامری کس طرح دیکھ سکا۔ اسی بنا پر ابو مسلم نے صراحت کی ہے کہ رسول سے مراد موسیٰ ہیں جبرئیل نہیں اور اثر سے مراد ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ اور اثر پر قابض ہونے کے معنی ہیں پیروی کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ سامری پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیرو تھا پھر خدا پرستی کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کی اور دوسروں کو بُت پرست بنانے کے اسباب فراہم کئے۔ امام فخر الدین رازی نے اسی معنی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے واللہ اعلم۔

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ حسن، قتادہ اور ابو نہیک نے اس آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ تجھے عذاب دنیا کے بعد آخرت میں ضرور جانا ہے یعنی قیامت کے دن تجھ کو ضرور اٹھایا جائے گا۔ اس مطلب کی بنا پر سامری کے لئے عذاب آخرت یا نجات آخرت کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ ابن کثیر اور بیضاوی نے یہی مطلب کو مجمل رکھا ہے۔

بعض غیر معروف اہل تفسیر نے اس آیت کو وعیدِ عذاب آخرت پر محمول کیا ہے۔

خطیب نے سراج میں مطلب اس طرح لکھا ہے کہ مرنے کے بعد تیرے لئے بعثت ضرور ہوگی۔ اگر زندگی میں توبہ کر لے گا تو آخرت میں نجات

toobaafoundation.com

مل جائے گی اور دنیوی عذاب ہی پر اکتفا کیا جائے گا اور اگر توبہ نہ کی تو علاوہ عذاب دنیا کے آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہوگا۔ میرے نزدیک یہی مطلب زیادہ مناسب ہے۔

فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ صاحب درمنثور نے بروایت حاکم حضرت علی رضؓ کا ایک مفصل قول نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دریا کے کنارے پر گوسالہ کو ریتیوں سے ریتوایا اور ذرات کو دریا میں بہا دیا۔ جب سب لوگوں نے اس دریا کا پانی پیا تو جن لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گوسالہ پرستوں کو باہم قتال کا حکم دیا اور سب نے مل کر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد توبہ قبول ہوئی اور قتل کا حکم منسوخ ہوا۔

مقصود بیان

حضرت ہارونؑ نے قوم کو نصیحت کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس سے یہ تعلیم مستفاد ہوتی ہے کہ وعظ کرنے کے وقت سب سے اول گناہوں پر تنبیہ پھر اللہ کی توحید اور خصوصی صفات کا تذکرہ اس کے بعد رسالت کی تبلیغ اور آخر میں نبوت کی تلقین کرنی چاہیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی جو گرفت کی اس سے دو امر ظاہر ہوتے ہیں :- (۱) سب سے پہلے قابل گرفت وہ لوگ ہیں جو پوری قوم میں دانشمند اور سب سے بڑے عالم ہوں۔ اُن کی گرفت نہ فقط اس امر پر ہونی چاہیئے کہ وہ مرتکب جرم ہوئے بلکہ دوسروں کو جرم کرتے دیکھ کر برداشت نہ کرنا بھی ان کا جرم ہے اور سخت مواخذہ کے قابل ہے۔ (۲) اظہار حق اور حکم شریعت میں کسی قرابت، رشتہ داری اور برادری کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے قریب ترین عزیز یہاں تک کہ حقیقی بھائی بھی اگر قانون شریعت کی خلاف ورزی کرے تو سخت ترین مواخذہ کا مستوجب ہے۔

لفظ فَرَّقْتَ صاف تعلیم دے رہا ہے کہ جمعیت اسلامیہ اور گروہ اہل توحید میں پھوٹ ڈالنا اور تفرقہ پیدا کرنا سخت جرم ہے۔ حضرت ہارون نے (اپنی اجتہادی غلطی سے) گوسالہ پرستوں کو غیر اللہ کی پرستش سے روکنے کو باعث تفریق خیال کیا تھا، مگر واقع میں وہ علمبرداران توحید کی جمعیت میں تفرقہ اندازی نہ تھی بلکہ اعلان حق اور اظہار صداقت اور تقویت اسلام تھی۔

سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات غیبی مخلوق کافروں کو بھی نظر آجاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو جو دنیوی سزا دی اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اہل بدعت و فساد کو جمعیت اسلامیہ سے خارج کر دینا چاہیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ریزہ ریزہ کر کے جلا کے دریا میں بہا دیا۔ اس سے تنبیہ کرنی مقصود ہے اس امر پر کہ جن اسباب و ذرائع سے شرک پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ان کی بیخ کنی کرنی فرض اولیں ہے وغیرہ۔

نوٹ

شیخ محی الدین ابن عربی نے اس مقام پر ایک عجیب و غریب اور لطیف ترین تحقیق کی ہے۔ اگر ہم چند الفاظ بطور اختصار نقل کر دیں تو فائدہ سے خالی نہیں۔ ابن عربی کے نزدیک موسیٰ سے مراد قلب ہے، ہارون سے مراد عقل، بنی اسرائیل سے مراد روحانی اور جسمانی قوتیں ہیں اور سامری سے مراد نفسانی قوتیں۔ ابن عربی نے فرمایا عقل قلب کا خلیفہ ہے۔ روحانی و جسمانی قوتوں کو درست کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اسی کا کام ہے۔ عقل کو مقام استقامت میں رکھنے کے لئے ریاضت، مجاہدہ، دوام اطاعت اور حسن عمل کی ضرورت ہے ورنہ کسی طرح روحانی اور جسمانی قوتوں کی اصلاح اس سے نہ ہو سکے گی اور سامری یعنی نفسانی قوتوں کا اس پر جوش و ہجوم ہو جائے گا اور حواس کی طرف میلان ہو کر وہ خواہشات کی آگ بھڑکائے گا اور صورت طبعیہ بصورت گوسالہ متمثل ہوگی جس طرح بیل کا کام سوا کھانے پینے کے کچھ نہیں۔ اسی طرح طبیعت انسانیہ کا کام بھی سوا حصول خواہشات کے اور کچھ نہیں رہے گا، اس لئے عقل کے لئے لازم ہے کہ اگر وہ قلب کی خلیفہ بننا چاہتی ہے تو سب سے پہلے ریاضت و مجاہدہ کرے، حسن عمل کی خوگر ہو تاکہ پہلے خود اس کو مقام استقامت حاصل ہو پھر روحانی و جسمانی قوتوں کا تزکیہ کر سکے۔ انتہی۔

toobaafoundation.com

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ

(اے نبی) ہم تم سے کچھ گزشتہ حالات بیان کرتے ہیں اور اپنے پاس سے

مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۙ﴿۹۹﴾ مَّنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ہم نے تم کو قرآن عطا کیا ہے جو لوگ اس سے اعراض کریں گے وہ قیامت کے دن بڑا بار

وِزْرًا ۙ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ

اٹھائیں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن اُن کے لئے بڑا بوجھ ہوگا جس دن

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۚ﴿۱۰۲﴾

کہ صور پھونکا جائے گا اور اُس روز مجرموں کو ہم کبود چشم اٹھائیں گے

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

وہ باہم چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف دس دن ٹھہرے ہوگے جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ہم خوب واقف ہیں

اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۵ ۱۴

جب کہ ان میں بہتر طریقہ والا کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے تھے

تفسیر قرآن پاک میں مختلف قصص اور گزشتہ تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کے چند فوائد ہیں:۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ واقعات کا علم ہو جائے۔ شانِ رسالت کی عظمت میں اضافہ ہو جائے، آپ کے دل کو تسلی ہو جائے، کفار عرب خصوصاً قریش کے انکار اور سرتابی سے جو اندوہ و ملال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا تھا وہ دور ہو جائے اور آپ یہ سمجھ لیں کہ فقط میری قوم ہی میری تکذیب نہیں کر رہی ہے بلکہ گزشتہ اقوام نے انبیاء کے گو ناگوں معجزات دیکھ کر بھی ہمیشہ سرتابی کی ہے، معجزات و آیات میں اضافہ ہو۔ کیونکہ گزشتہ واقعات کو بغیر کسی غلطی کے بیان کرنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو پڑھے لکھے ہوں اور تاریخ سے مہارت رکھتے ہوں۔ ایک بے پڑھے لکھے آدمی کو جو اہل علم کی صحبت میں بھی نہ بیٹھا ہو نہ سیکھا ہو بغیر وحی الٰہی کے تمام واقعات ماضیہ کا علم کس طرح ہو سکتا ہے، سننے والے کو بھی عبرت ہو کہ انکار کا نتیجہ جو پہلی قوموں کو اٹھانا پڑا وہی ہم کو بھی اٹھانا پڑے گا، اہل اسلام کے ایمان میں پختگی پیدا ہو، وہ اہل عناد جو طرح طرح کے معجزات پر ہٹ کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب تک کوئی عظیم الشان معجزہ نمایاں نہ ہوگا ہم ایمان نہ لائیں گے، ان کے زعم کا ابطال ہو جائے اور ان کو یہ نصیحت مل جائے کہ ایک معجزہ کا انکار گویا کل معجزات کا انکار ہے جس کو ایک معجزہ کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا اس کو لاتعداد معجزات بھی ہدایت یاب نہیں کر سکتے۔

بیان قصص کے یہ مختصر فوائد ہیں۔ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انبیائے سابقین کے جو واقعات بیان کئے اُن سے مقصود صرف نصیحت کرنا ہے۔ جس طرح ہم نے ان کو مختلف معجزات عطا کئے تھے اسی طرح ایک عظیم الشان قرآن تم کو عطا کیا جس میں

toobaafoundation.com

دین و دنیا کے تمام ضروری مسائل اور عقیدہ و عمل کے تمام اصلاحی قوانین کا تذکرہ ہے۔ اب جو شخص اس قرآن کی صداقت کا انکار کرے گا وہ قیامت کے دن دوامی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ الخ۔

تحلیلِ اجزاء

مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ ذکر سے مراد ہے قرآن پاک اور اس میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی عظیم الشان قرآن (سراج وکبیر وغیرہ) چونکہ قرآن میں عقیدہ و عمل سے تعلق رکھنے والے تمام اصلاحی امور کا تذکرہ ہے، علوم ظاہری اور اسرار باطنی کا بیان ہے، روحانی کمالات کے حصول اور دین و دنیا میں کامراں ہونے کے طریقوں کا اظہار ہے، اس لئے اس کو ذِکْر کہا جاتا ہے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهِ۔ اعراض سے مراد ہے روگردانی بصورت انکار یعنی جو شخص قرآن کی صداقت کا انکار کرے گا وہ دوامی عذاب کا مستحق ہوگا۔

یہ حکم ہر شخص کے لئے عام ہے۔ خواہ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا۔ افریقہ کا سیاہ فام غلام ہو یا امریکہ کا عیار تاجر، یورپین ہو یا ایشیائی بہرحال قرآن کی تصدیق اُخروی نجات کے لئے ہر شخص پر لازم ہے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب مرجائیں گے پھر چالیس سال بعد دوبارہ پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے آیت میں دوبارہ پھونکنا مراد ہے۔

صُوْر ایک بہت بڑے سینگ کا نام ہے جو اسرافیل پھونکیں گے۔ اہل سنت کے نزدیک عقیدۂ صور برحق ہے۔ احادیث کی صحیح کتابوں میں ابوہریرہ اور دیگر راویوں کی روایت سے اس کا تذکرہ آیا ہے۔

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ دوبارہ زندہ ہونے پر مجرموں کی آنکھیں ازرق ہوں گی۔ اَزْرَق کے ترجمہ میں اہل تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ بیضاوی اور خطیب نے لکھا ہے کہ قیامت کے ہولناک امور دیکھنے کے سبب کافروں کی آنکھیں کرنجی سبزی مائل بی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی۔ اہل عرب کے نزدیک ایسی آنکھیں منحوس اور معیوب سمجھی جاتی ہیں۔

فراء نے کہا کہ آنکھوں کے ازرق ہونے سے مراد ہے نابینا ہونا۔ بیضاوی کا ایک قول بھی یہی ہے یعنی ہول و خوف کی شدت سے آنکھوں کی پتلیاں پھٹ جائیں گی یا کثرتِ نور سے کافروں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی، کیونکہ کفر کے سبب اُن کی آنکھوں میں نُور کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔

بعض لوگوں نے حیرت و استعجاب سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کو آنکھوں کا ازرق ہونا کہا ہے۔ گویا ازرق البصر کا ترجمہ ہوا اشخوص البصر۔

ابن عباس نے فرمایا قیامت کے مقامات و احوال متعدد ہیں۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ بوقت حشر کافروں کی آنکھیں اچھی خاصی بینا ہوں گی پھر قیامت کی ہولناکی دیکھ کر بھٹی کی بھٹی رہ جائیں گی پھر نیلی ہو جائیں گی اور آخر میں سب نابینا ہو جائیں گے۔

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ عشرہ میں راتیں بھی شامل ہیں یعنی دن رات (کذا قال صاحب الکشاف)

مدت کا یہ اندازہ یا تو قیام قبر کے متعلق ہوگا یا دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیانی مدت کا۔ بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے مراد دنیوی زندگانی ہے۔ یعنی دنیوی زندگی کو وہ لوگ ہفتہ عشرہ کی برابر سمجھیں گے۔ یہی مطلب اظہر ہے۔

مقصود بیان

قصص قرآنیہ کے فوائد کی طرف بلیغ اشارہ۔ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی صراحت اور اس امر کی جانب لطیف ایماء کہ قرآن کے اندر عقائد و اعمال کی اصلاح کے تمام ضروری قواعد مذکور ہیں اور دین و دنیا کی کامرانی کے تمام ضوابط و اصول اس میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ منکرین قرآن کے دوامی جہنمی ہونے کی صراحت اور قیامت کے ہولناک منظر کا بیان۔

نفخ صور کی حقانیت کا اظہار اور اس بات کی توضیح کہ قیامت کے دن دنیوی زندگی بہت ہی قلیل محسوس ہوگی۔ جو لوگ زیادہ دقیق الفہم، دانش مند اور صائب الرائے ہوں گے وہ اس روز دنیوی زندگی کی مقدار کو ایک دن سے زائد نہیں کہیں گے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا

(اے نبی) تم سے لوگ پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں تم کہہ دو میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کرکے بکھیر دے گا پھر زمین کو

قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ

ہموار میدان کردے گا کہ تم کو اس میں نشیب و فراز نظر آئے گا اس روز

يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ

سب پکارنے والے کی آواز کے پیچھے ہولیں گے ادھر ادھر نہ مڑیں گے اور رحمٰن کے ڈر سے سب کی آوازیں پست ہوں گی

فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ

صرف گنگناہٹ سنائی دے گی اس روز سوائے اس شخص کے کہ جس کو رحمٰن اجازت دیدے

لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور اس کی بات کو پسند کرے کسی کی سفارش کام نہ آئے گی وہی جانتا ہے جو لوگوں کے آگے پیچھے ہے

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ

اور لوگوں کا علم اسے احاطہ نہیں کرتا اور حیّ و قیوم کے سامنے چہرے جھک جائیں گے اور جس

خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ ناکام رہے گا اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝

تو اس کو نہ بے انصافی کا خوف ہوگا نہ نقصان کا

تفسیر اوپر کی آیات میں احوال قیامت کا کچھ مجمل بیان کیا گیا تھا۔ قیامت کا تذکرہ سُن کر خاندانِ ثقیف کے کچھ مشرکوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ پہاڑ تو بڑے سخت اور عظیم الجثہ ہیں، قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا؟ بات یہ تھی کہ دریاؤں کے علاوہ روئے زمین کی سب سے بڑی کائنات پہاڑ ہی ہیں، اس لئے کافروں کو قیامت کی چکونگی سُن کر سخت تعجب ہوا اور ایسی چیز کے متعلق استفسار کیا جو ان کی نظروں میں سب سے بڑی اور سخت تھی۔ کفار کے استفسار کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سوال کا مدعا صرف یہ تھا کہ قیامت کے دن پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں؟

حاصل جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن پہاڑ اُڑتے پھریں گے۔ زمین چٹیل میدان ہو جائے گی جس میں نہ کوئی پستی ہوگی نہ بلندی، نہ موڑ نہ

toobaafoundation.com

وادی۔ اُس روز (بیت المقدس کے پتھر پر کھڑے ہو کر) اسرافیل علیہ السلام بلند آواز سے محشر کی طرف بلائیں گے۔ ندائے منادی سُن کر سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ادھر اُدھر مُڑے بغیر سیدھے آواز کی طرف دوڑیں گے اور میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ خوف کی یہ حالت ہوگی کہ کسی کی آواز اونچی نہ نکل سکے گی۔ مشرکوں کی کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور اہل توحید میں سے بھی ان ہی گناہ گاروں کی سفارش کی جا سکے گی جن کے متعلق بارگاہ الٰہی سے اجازت ہوگی اور وہی لوگ سفارش کریں گے جن کو اذن ہوگا۔ اُس روز مومن نیکوکار کامیاب اور مشرک ظالم ناکام ہوں گے

تحلیل اجزاء لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا۔ بعض مفسرین نے عِوَج کے معنی کجی اور موڑ کے لکھے ہیں۔ ابن کثیر نے عِوَج کا ترجمہ وادی، نشیب اور پستی لکھا ہے۔ یہی قول ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ اور اکثر سلف کا ہے۔

ایک شبہ عِوَج بکسر عین کے معنی ہیں عقیدہ کی کجی یا کسی مفہوم کی کجی اور عَوَج بفتح عین کے معنی ہیں کسی خارجی چیز کی ناہمواری اور کجی۔ چونکہ آیت میں زمین کی ہمواری ظاہر کرنی مقصود ہے۔ عِوَج کی جگہ عَوَج مناسب تھا عِوَج کیوں ذکر کیا گیا؟

ازالہ ..... آیت میں زمین کی انتہائی ہمواری ظاہر کرنی مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر زمین کی ہمواری کا معائنہ کرنے کے لئے ہوشیار لوگوں کو جمع کیا جائے تو ان کو بھی زمین ہموار نظر آئے گی۔ یہاں تک کہ ریاضی و ہندسہ جاننے والے اور تخمینی علوم کے مطابق ذہنی اندازہ لگانے والے بھی اپنے علمی استدلال سے زمین کی ہمواری کی شہادت دیں گے۔

بیضاوی نے ایک بہترین نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ جس ظاہر کے اعتبار سے تو زمین قَاع اور صَفْصَف (چٹیل میدان) ہوگی اور مقیاس علمی سے کام لینے والوں کو بھی اس میں کوئی بلندی پستی دکھائی نہ دے گی۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ۔ داعی سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اسرافیل صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر صور لے کر پکاریں گے اَیَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِیَةُ وَالْجُلُوْدُ الْمُتَفَرِّقَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَمَزِّقَةُ هَلُمِّیْ اِلٰی عَرْضِ الرَّحْمٰنِ (اے گلی ہوئی ہڈیو! پراگندہ کھالو! ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو! رحمان کے حضور میں چلو) ندائے اسرافیل سُن کر ہڈی، گوشت، کھال، بال سب کچھ مل کر، جُڑ کر، انسانی شکل بن کر قبروں سے نکل کھڑا ہوگا اور ہر شخص آواز کی طرف دوڑے گا۔ بعض کا قول ہے کہ اسرافیل صور پھونکیں گے اور جبرئیل داعی ہوں گے۔

خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ۔ آواز کے پست ہونے سے مراد ہے ساکن ہونا یا خفیف ہونا۔

اِلَّا هَمْسًا۔ ابن عباس کے نزدیک ہمس کے معنی ہیں پاؤں کی آہٹ۔ عکرمہ، مجاہد، ضحاک، ربیع، قتادہ اور ابن زید وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ کوئی کسی سے بات نہ کرے گا۔ صرف قدم کی آہٹ محسوس ہوگی۔ بیضاوی نے خفی آواز مراد لی ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اس آیت کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ اوّل تو یہ کہ جس شخص کو اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی وہی شفاعت کرے گا دوسرا کوئی شفارش نہ کرے گا اور نہ کسی دوسرے کی سفارش مقبول ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ کہ شفاعت کرنے والے اسی کی شفاعت کریں گے جس کے متعلق اجازت ہوگی۔ جس شخص کی سفارش کرنے کی اجازت نہ ملے گی اس کی سفارش نہیں کریں گے۔

ابن کثیر نے دونوں مطالب کا مجموعہ بیان کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت شافع اور مشفوع دونوں کے حق میں ہے اور دونوں اذن ملنے کے محتاج ہیں۔

کیا قیامت کے دن شفاعت ہوگی؟ اہل سنت کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن فرشتے، انبیاء، اولیاء اور صلحائے امت شفاعت کریں گے اگرچہ ان کی شفاعت بغیر اذن الٰہی کے نہ ہوگی۔ اس قول کی تائید مختلف آیات سے ہوتی ہے۔

toobaafoundation.com

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ـــــ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی ـــــ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ۔ وغیرہ بکثرت آیات ثبوت شفاعت پر دلالت کرتی ہیں۔

احادیث سے بھی شفاعت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ بخاری وغیرہ میں مفصل بیان شفاعت موجود ہے۔ ایک طویل صحیح حدیث میں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے نیچے سرافگندہ ہوں گے اور حمد الٰہی بیان کررہے ہوں گے تو خدا تعالیٰ فرمائے گا محمد اسر اٹھاؤ اور عرض کرو۔ تمہاری بات سنی جائے گی۔ سوال کرو جو مانگو گے پاؤ گے۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی الخ۔

کس کی سفارش ہوگی اور کس کی نہ ہوگی؟

استحقاق شفاعت کے لئے موحد ہونا شرط ہے۔ چنانچہ آیت رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا کی تفسیر میں مفسر معالم و سراج نے صراحت کردی ہے کہ قول سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی جو شخص توحید کا قائل ہوگا اُسی کی شفاعت ہوگی۔ ابن عباس کے نزدیک بھی قول مذکور سے کلمۂ توحید ہی مراد ہے۔

مشہور حدیث شفاعت کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے گا نکال لو جہنم سے اس شخص کو جس کے دل میں نصف مثقال کی برابر ایمان ہو اور نکال لو جہنم سے اس شخص کو جس کے دل میں ذرہ سے ادنیٰ اور اس سے ادنیٰ اور اس سے ادنیٰ ایمان ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ ہوگا اسی کی شفاعت مقبول ہوگی، اہل شرک کے متعلق کوئی سفارش قبول نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ اہل کبیرہ مستحق شفاعت ہیں یا صرف اہل صغیرہ؟ تو اہل سنت کا قول ہے کہ علاوہ صغائر کے کبیرہ گناہ بھی قابل شفاعت ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ الخ۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ بیضاوی کے نزدیک اس سے وہ احوال مراد ہیں جو ان سے پہلے ہوچکے اور جن سے آئندہ ان کو دوچار ہونا ہے۔ خطیب کا قول ہے کہ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے وہ امور مراد ہیں جو ان کے مرنے کے بعد دنیا میں ہوئے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ما قبل الذکر سے وہ اعمال مراد ہیں جو لوگ کرچکے اور ما بعد الذکر سے وہ اعمال مراد ہیں جو آئندہ کرنے والے ہیں۔ میرے نزدیک یہی مطلب زیادہ صحیح ہے۔ ابن کثیر نے کہا اس سے مراد اللہ کے علم و احاطہ کا اظہار ہے۔ خلاصۂ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کے کل احوال کو جانتا ہے۔ اگر کوئی مومن ابتدا میں ہی شفاعت کے لائق ہے تو اسی کے لئے ابتدا ہی میں شفاعت کی اجازت ہوگی اور اگر جہنم میں داخل ہونے کے بعد قابل شفاعت ہوگا تو دخول جہنم کے بعد اس کی شفاعت ہوگی اور اگر اس کے دل میں ایمان ہی نہیں ہے اور وہ قابل شفاعت ہی نہیں ہے تو اس کی شفاعت مطلقاً نہ ہوگی۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ـــــ حَیٌّ وہ ذات جس کو موت نہ آئے اور قَیُّوْمٌ وہ ذات جو ہر چیز کی حفاظت اور تدبیر پر قائم ہو۔ ہر شئی اس کی محتاج ہو، کسی چیز کا قوام اس کے بغیر نہ ہو۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ ابن جریج اور قتادہ نے کہا کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیونکہ اس سے آگے اہل ایمان کا بیان ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کامل بربادی ہے اس شخص کے لئے جو مشرک ہونے کی حالت میں اللہ سے ملا یعنی شرک پر اس کا خاتمہ ہوا۔

فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ظلم سے مراد ہے حق تلفی اور ثواب کی کمی اور ہضم سے مراد ہے حقوق کی شکست اور بربادی۔ یعنی نیکوکار اہل ایمان کے حقوق کی نہ تو بربادی ہوگی نہ ثواب میں کمی ہوگی۔

مقصود بیان

قیامت کے دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اڑتے پھریں گے اور تمام زمین ہموار ہوجائے گی۔ کہیں نشیب فراز اور پستی بلندی نہ ہوگی۔ منادی کی آواز پر بے اختیار ہوکر لوگ دوڑیں گے۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بقائے زندگی تک تو آدمی مختار ہے۔ قیامت کے دن مجبور ہوگا۔ اس لئے اگر آج داعی حق کی آواز پر لبیک کہے گا تو مفید ہوگا اور قیامت کے دن دعوت کو قبول کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

toobaafoundation.com

قیامت کے دن گناہ گاروں کے متعلق اہلِ صلاح کی شفاعت حق ہے، مگر دو شرطیں ہیں (۱) اذنِ الٰہی (۲) ایمان و توحید کا دل میں موجود ہونا۔

آیات کے آخر میں صراحت ہے کہ قیامت کے دن نیکوکار اہلِ ایمان کی کوئی حق تلفی یا شکستگی حقوق نہ ہوگی۔ سب کو ثواب بقدر عمل ملے گا۔ بقیہ آیات کا خلاصہ ترغیب، ترہیب اور منظرِ قیامت کی تصویر کشی ہے وغیرہ۔

وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ

اسی طرح ہم نے اس کو قرآن عربی نازل کیا ہے اور طرح طرح پر اس میں ڈرانے کی باتیں ذکر کی ہیں تاکہ لوگ

يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ

پرہیزگار بنیں یا قرآن اُن کے لئے نصیحت پیدا کردے پس عالی شان ہے جو سچا بادشاہ ہے (اے نبی) قبل اس کے

بِالْقُرْاٰنِ مِن قَبْلِ أَن يُّقْضٰى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

کہ وحی تم پر پوری ہو چکے تم قرآن (پڑھنے میں) جلدی نہ کرو اور کہو اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے

تفسیر ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں کہ قرآن ضابطۂ اصلاح ہے، قانونِ ہدایت ہے، دستور العمل ہے۔ اس کے اندر فلاحِ دارین کے اصول بیان کئے گئے ہیں، یہ تذکرہ قصص نہیں ہے، نہ تاریخ اقوام بیان کرنا اس کی غرض ہے، لیکن چونکہ اسلاف کے لئے ہدایت آمیز عبرت انگیز واقعات بیان کرنے سے انسان کے خیالات و اعمال کی فطرۃً اصلاح ہوتی ہے۔ ہر شخص طبعاً خوگر ہے کہ نظیر و مثال اس کے سامنے پیش کی جائے اور علوم تمثیلیہ بلکہ عوام اکثر خواص کے لئے بھی علوم برہانیہ سے زیادہ مفید ہوتے ہیں، اس لئے قرآن میں جابجا قصص اور تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ اسی مضمون کو آیاتِ مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ تاریخی واقعات بیان کرنے سے اصل غرض ہدایت و اصلاح ہے اسی طرح قرآن کو عربی میں نازل کرنے اور قسم قسم کی توبیخ آمیز آیات بیان کرنے سے بھی مقصود ہدایت ہے۔ یعنی اگر قرآن عربی میں نازل نہ ہوتا تو اہلِ عرب کو اس کے مضامین سے براہ راست کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر قرآن کے اندر آیاتِ وعید کی تکرار نہ ہوتی اور گزشتہ سرکشوں کا عبرتناک انجام مذکور نہ ہوتا تب بھی کامل طور پر ترغیبِ اصلاح اور ممانعت از قبائح نہ ہونے پاتی۔ بار بار دھمکیاں دینے، عذابِ آخرت کا منظر پیش کرنے اور اسلاف کی تباہی کا تذکرہ کرنے سے تو اصل مدعا یہ ہے کہ قرآن سن کر لوگوں میں سمجھ پیدا ہو، نصیحت و عبرت حاصل کریں، طاعت کی طرف راغب ہوں اور معاصی کو ترک کریں اور انجام کار ان میں گناہوں سے بچنے کا ملکہ پیدا ہو جائے اور وہ متقی بن جائیں۔

ایک شبہ یہاں ایک شبہ دو طرح سے کیا جا سکتا تھا وہ یہ کہ اگر قرآن کو اللہ کی کتاب مان لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ خدا کو کتاب بھیجنے کا کیا حق تھا۔ ہر شخص کو عقل دے دی گئی ہے، حواس موجود ہیں، تمام ادراکی اور ذہنی قوتیں بھی عطا کر دی گئی ہیں، ہر شخص اپنا اچھا بُرا خود سوچ سمجھ سکتا ہے اور اپنے لئے دستور العمل بنا سکتا ہے۔ پھر اگر قرآن نازل ہی کر دیا گیا تو کیا ضروری ہے کہ اس کے بیان کردہ تمام وعید و وعدے صحیح ہوں۔ کیا ترغیب و ترہیب کے لئے بے بنیاد قصوں کو واقعات کا رنگ نہیں دیا جا سکتا۔ یا ڈرانے اور مائل کرنے کے لئے قیامت، حشر، نشر، صراط، میزان، حساب، کتاب، دوزخ، جنت وغیرہ کی فرضی کیفیات کو حقائق کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر ہے، عیب و نقص سے پاک ہے، اور بادشاہ حق ہے یعنی تم نے ذات الٰہی کو جز مخلوق کے مشابہ سمجھ رکھا ہے اور اس کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مثل قرار دیا ہے یہ غلط ہے وہ پاک و برتر ہے، اس کی ذات، صفات، مشابہت مخلوق سے

بالاتر ہیں وہ ہر عیب و نقصان سے بری ہے۔

یہ تو مجمل جواب ہوا۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ اللہ بادشاہ خود مختار ہے، اس کو احکام نافذ کرنے کا حق ہے۔ وعدہ و وعید کے قوانین اور جزا سزا کے ضوابط بنانے کا اس کو استحقاق ہے۔ قوانین انفرادی نہیں ہوا کرتے۔ ہر شخص کو اپنے لئے جدا قاعدہ بنانے کا کوئی حق نہیں، ورنہ نظام عالم تباہ ہو جائے گا۔ حکمراں طاقت کی ضرورت ہے اور حکمراں طاقت بھی انسان کی کافی نہیں۔ اگر کسی دنیوی بادشاہ کے ہاتھ میں قانون سازی کا اختیار دے دیا جائے تو اس کا بنایا ہوا قانون اصلاح عالم کے لئے کافی نہیں ہو سکتا اور نہ کل اہل عالم کے لئے وہ قانون کافی ہو سکتا ہے۔ لامحالہ الٰہی قانون کی ضرورت ہے کیونکہ وہی تمام اہل عالم کے لئے نافذ الحکم ہے اُس کا امر تمام دنیا میں جاری ہے۔

رہی وعدہ و وعید کی حقانیت اور کیفیاتِ آخرت کی صداقت تو ظاہر ہے کہ خدا کے کل صفات حق ہیں، اس کی ذات حق ہے، عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ لہٰذا اس کا ہر وعدہ و وعید حق ہے، جنت و دوزخ حق ہے، صراط و میزان حق ہے، حشر نشر اور حساب حق ہے، اس کا ہر قول حق ہے اس کے بیان میں کسی قسم کے دروغ اور مبالغہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

اس سے آگے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جب تک وحی پوری نازل نہ ہو جایا کرے تم الفاظِ قرآنی کو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو اور اللہ سے ترقی علم کی دعا کرتے رہا کرو۔

اصل بات یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً تبلیغ و ہدایت کے شوقین تھے۔ جب کوئی جدید وحی نازل ہوتی تو سراسر شوق بن جاتے۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل کے ساتھ ساتھ ہر کلمہ کو اس خیال سے پڑھنے لگتے کہ کوئی لفظ خیال سے اتر نہ جائے۔ اس فعل کی ممانعت میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ایک بار سورۂ قیامت میں بھی اسی مضمون کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ یہاں دوبارہ وہی حکم نازل کیا گیا۔

تحلیلِ اجزاء

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ اس آیت میں کلمہ اَوْ منافات کے لئے نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں قرآن سے نصیحت و عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مطاعات کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب آدمی کرنے لگتا ہے پھر رفتہ رفتہ تعمیل اوامر اور امتناع از معاصی کا جذبہ ترقی کر کے ملکہ راسخہ بن جاتا ہے۔ اس وقت آدمی متقی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ۔ عجلت سے قرآن کی عجلت مراد ہے۔ بخاری اور ابن کثیر نے یہی تفسیر کی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دو امور کی ممانعت ہے۔ اول جبرئیل سے پیام وحی حاصل کرنے میں جلدی کرنے کی۔ دوسرے جبرئیل کے ساتھ پڑھنے کی۔ ان دونوں باتوں کی ممانعت اس آیت سے مستنبط ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آیت مجمل کا جب تک بیان نازل نہ ہو جائے اس وقت تک مجمل کو بصورت اجمال لوگوں کے سامنے نہ بیان کرو۔

بخاری اور ابن کثیر کے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص شدت و تکلیف ہوتی تھی۔ آپ الفاظ وحی کو زبان ہلا کر ادا کرنے لگتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (ہکذا قال ابن عباس)

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ یعنی اصل مقصد علم کی زیادتی ہے۔ لہٰذا دل سے دعا کیا کرو کہ پروردگار! اپنی کتاب کا علم مجھے زیادہ عطا فرما۔ پیام وحی میں جلدی کرنی مناسب نہیں۔ کیونکہ جو وحی بھیجی گئی ہے وہ تو ضرور پہنچے گی جلدی بے سود ہے۔

ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی علم کے لئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

مقصودِ بیان

اس امر کی صراحت کہ قرآن میں بار بار آیات وعید نازل کرنے سے مقصود صرف لوگوں کی اصلاح ہے۔ اس سے بالفرض یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ کسی فعل سے روکنے کا سب سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ اس فعل کا انجام بد اس شخص کے سامنے بیان

toobaafoundation.com

کیا جائے، بدترین نتیجہ کی تصویر کشی کر دی جائے۔ ممکن ہے بُرے انجام پر غور کر کے وہ شخص اپنی بداعمالی ترک کر دے۔

آیت فَتَعَالَى اللّٰهُ میں اس بات کی صراحت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں سے کسی سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کی ذات بھی سب سے جدا اور صفات بھی سب سے برتر ہیں اور اس کا حکم تمام عالم میں جاری و ساری ہے، کوئی قوت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی۔ اس کا ہر وعدہ اور ہر وعید حق ہے۔ اس کے کسی قول میں احتمالِ کذب ہو نہیں سکتا۔ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ سے ایک خاص دقیقِ ادب ملتا ہے کہ جب کسی عالی مرتبہ شخص کی طرف سے کوئی پیام یا حکم موصول ہو تو اس کو خوب غور کر کے گوش ہوش سے سُننا چاہیئے۔ درمیان میں پیام کو کاٹنا مناسب نہیں۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا

ہم نے پہلے ہی آدم کو حکم دے دیا تھا مگر وہ بھول گئے لیکن ہم نے ان میں قطعاً مخالفت نہ پائی جب کہ ہم نے فرشتوں

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ

سے کہا آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا ہم نے کہا آدم! یہ

هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ

تمہارا اور تمہاری اولاد کا دشمن ہے تو کہیں تم کو جنت سے نہ نکال دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ جنت میں

اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ

تم کو یہ آرام ہے کہ نہ وہاں بھوکے ہو گے نہ ننگے اور نہ وہاں پیاسے ہو گے نہ دھوپ میں تپو گے مگر شیطان

اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ

نے انہیں بہکایا بولا اے آدم! کیا میں تم کو دوامی زندگی کا درخت اور غیر فانی

لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

سلطنت بتاؤں پھر دونوں نے اس درخت سے کھا لیا تو دونوں کے ستر کھل گئے اور اپنے اوپر جنت

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۛ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ صلے

کے پتے چسپاں کرنے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝

پھر خدا نے اُن کو نوازا اور اُن پر توجہ کی اور راہ پر لے آیا

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت زبان مبارک سے کلمات وحی کی تکرار کرتے جاتے تھے اور اس سے مقصود ہوتا تھا کہ کہیں

toobaafoundation.com

آیات وحی نہ بھول جائیں اور جو حکم الٰہی نازل ہوا فراموشی کے سبب اس کی تعمیل و تبلیغ سے قاصر نہ رہ جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام حکم الٰہی کو بھول گئے تھے اور شیطانی اغوا میں آکر شجرِ ممنوعہ کھا بیٹھے تھے۔ چونکہ حضرت آدم کی لغزش بمشیت الٰہی ہوئی تھی۔ اگرچہ فاعل اور کاسب حضرت آدم علیہ السلام تھے، مگر فعل تقدیر کے مطابق ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود جلالت مرتبہ اور انتہائی احتیاط و تدبر کے کوئی شخص حکم تقدیر سے باہر نہیں ہو سکتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمات وحی کی تکرار بھول نہ جانے کی غرض سے کرتے تھے اور یاد رکھنے کی انتہائی احتیاط رکھتے تھے جس کی ممانعت کا حکم سابقہ آیات میں دے دیا گیا اور حضرت آدم کا قصہ نقل کر کے یہ امر واضح کر دیا گیا کہ اس قدر احتیاط زیبا نہیں۔ ہوتا وہی ہے جو مقدر میں ہے۔ جو پیام وحی آنے والا ہے وہ ضرور آ کر رہے گا اور چونکہ قرآن کی حفاظت کا فیصلہ ناطق ہو چکا ہے، اس لئے تحفظ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے ضرور ہو گا۔ پھر یاد رکھنے کی اس قدر زیادہ حرص بے سود ہے۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اے اولادِ آدم یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تمہارے مورثِ اعلیٰ آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا اور تاجِ خلافت ان کے سر پر رکھا گیا، اس وقت سب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر اس نامراد نے جس کا نام ابلیس تھا (اور جو آدمیوں کا قدیمی دشمن اور حاسد ہے) انکار کر دیا۔ پھر ہم نے تمہارے جدِ امجد کو ایسے باغ میں رہنے کو جگہ دی جہاں کھانے پینے اور پہننے کا مکمل انتظام کر دیا تھا، وہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ یہاں تک کہ دھوپ کی گرمی بھی نہ تھی ہمیشہ راحت کا سایہ تھا۔ ہم نے آدم سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خبردار رہنا یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی دونوں کا دشمن ہے۔ اس کے کہنے میں آکر معصیت میں نہ پڑنا ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکالے جاؤ اور خراب خستہ مارے پھرو۔ مگر شیطانِ مردود بہروپ بدل کر جا ہی پہنچا اور ناصح مشفق بن کر آدم کے دل میں خطرہ ڈالا۔ کہنے لگا آدم یہ سب کچھ تو تم پر مہربانی ہوئی، مگر تمہاری دائمی زندگی اور شاہانہ طور سے سدا رہنے کا یہاں کوئی انتظام نہیں۔ تمہیں اس باغ میں ایک ایسا درخت بتاتا ہوں جس کا پھل کھانے سے دوامی زندگی اور بے زوال سلطنت تم کو مل جائے گی۔ اس درخت کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ خدا نے تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم کو دوامی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل نہ ہو جائے۔ بہتر ہے تم اس کو کھا لو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے باوجودیکہ ہم نے آدم سے اوّل ہی عہد لیا تھا، مگر آدم اپنے عہد کو بھول گئے، استقامت اور پختگی اُن کے ارادہ میں باقی نہیں رہی نہ ہمارے عہد کی حفاظت کی نہ قدیم دشمنی کا خیال کیا۔ غرض نافرمانی کا نتیجہ پیش آیا۔ (دونوں کے) کپڑے بدن سے اتار لئے گئے۔ برہنگی ظاہر ہوئے پر درختوں کے پتے تن سے لپیٹنے لگے۔ پھر آدم، حوا اور ابلیس سب کے سب اُس باغ سے نکالے گئے اور کہہ دیا گیا کہ تم دونوں کی نوعیں یعنی آدمی اور جن باہم دشمن رہیں گے، لیکن آدم روئے اور توبہ کی، خدا نے اُن کی توبہ قبول کی اور دوسری بار سرفرازی بخشی۔

تحلیلِ اجزاء

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ۔ یعنی اولادِ آدم کی تخلیق سے پہلے ہم نے آدم کو نصیحت کر دی تھی، مگر اُس نے عہد شکنی کی اور نصیحت کے مطابق عمل نہ کیا۔

فَنَسِيَ کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ مجاہد و حسن بصری کے نزدیک ترک عہد مراد ہے۔ سعید بن جبیر اور ابن ابی طلحہ کے نزدیک حقیقی معنی یعنی بھول جانا ہی مراد ہے۔ دونوں معنی میں توفیق اس طرح کی جا سکتی ہے کہ کھانے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا عہد یاد نہ رہا اور جب کھا لیا تو عہد کی خلاف ورزی کی۔

وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ عزم کے بھی دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اوّل معنی استقامت، پختگی، مضبوطی، ثبات وغیرہ۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آدم کے ارادے میں مضبوطی اور استقامت نہ پائی۔ اس نے ارادہ کی کمزوری کے سبب عہد کے خلاف کیا۔ اگر اس کا عہد پختہ ہوتا تو شیطان اس کو دھوکہ نہ دے سکتا تھا۔ دوسرے معنی بعض مفسرین نے اس طرح بیان کئے ہیں کہ ہم نے ارتکابِ معصیت کا ارادہ نہ پایا اُس سے خطا اور چوک ہو گئی، مگر اس کا ارادہ معصیت کا نہ تھا۔ ابن جریر و قشیری نے دونوں معنی کا اجتماع اس طرح کیا ہے کہ چونکہ آدم نے قلب میں استقامت اور ارادہ میں مضبوطی نہ رکھی، اس لئے اُس کو بھول ہو گئی۔ دونوں معنی میں سے کوئی معنی لئے جائیں بہرحال اس میں رسول پاک کے لئے تسلی ہے کہ اگر تمہارے نفس نے کھا دیا ہماری ہدایت کے خلاف کرتے ہو، تو زیادہ رنجیدہ ہونے کی بات نہیں کیونکہ ان کے خمیر میں ہی نقض عہد

ہے۔ ان کے باپ آدم بھی عہد کی خلاف ورزی کر چکے ہیں۔

فَتَشْقٰی۔ یہ خطاب حضرت آدم کو ہے چونکہ آدم کی خرابی سے حوا کی خرابی لازم تھی، اس لئے حوا کا مستقل تذکرہ نہیں کیا یا یہ وجہ ہے کہ
سے مراد ہے تحصیل معاش کی تکلیف میں پڑ جانا اور یہ کام صرف مردوں کا ہے۔ حصول رزق کی کوشش اور بھوک پیاس کو دفع کرنے کے اسباب
فراہم کرنا صرف مردوں کا فرض ہے، عورتیں تابع ہیں، اس لئے حوا کو خطاب نہیں کیا۔ حسن بصری کا قول ہے کہ شقاوت سے مراد شقاوتِ دنیوی
ہے۔ چنانچہ اولادِ آدم میں سے ہر شخص دنیوی تکالیف میں مبتلا ہے۔ اگر شقاوت آخرت مراد ہوتی تو پھر جنت میں کیوں داخل ہوتا۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ۔ ضروریات معاش میں اہم لوازم چار ہی ہے۔ انہی کی تکمیل کے لئے انسان سرگرداں پھرتا ہے۔ یعنی کھانا، پینا اور بدن
ڈھانکنا اور راحت و آرام حاصل کرنا۔ جنت میں حضرت آدم کو یہ چاروں چیزیں بغیر کسی تکلیف کے حاصل تھیں۔ آیت مذکورہ میں اضداد اربعہ
کی نفی کر کے انعامات چہارگانہ کا اثبات کیا ہے تاکہ حضرت آدم کو ہر نعمت کی ضد کا خیال کر کے نعمت کی قدر ہو، بھوک کی تکلیف کا خیال کر کے دوسری
کی قدر کریں، پیاس کی شدت پیشِ نظر رکھ کر سیرابی کا فائدہ محسوس کریں، برہنگی کی شرم تصور کر کے پوشش کو قابلِ عزت نعمت سمجھیں اور بھوک کی
تمازت پر غور کر کے سایۂ رحمت کو لازم الوجود انعام جانیں اور چاروں نعمتوں کو قائم رکھنے کے لئے عہد کی خلاف ورزی نہ کریں۔

اس جگہ یہ وہم ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت آدم تو اس سے پہلے کبھی جنت سے باہر نہ آئے تھے پھر ان کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف و کیفیت
کا احساس ہی کس طرح ہو سکتا تھا اور وہ تکالیف اربعہ کی حقیقت کیا سمجھ سکتے تھے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہر چیز کی حقیقت بتا دی تھی،
تمام نام سکھا دیئے تھے۔ نام اور حقیقت کا علم باز داشت کے لئے کافی تھا۔ مزید تجربہ کی ضرورت نہ تھی۔ جس طرح جنت کی کسی نعمت کی اصلی کیفیت
ولذت نہیں پائی ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ۔ نعمت کتنی ہی بڑی ہو اگر اس کے زوال و فنا کا خیال آجاتا ہے تو کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔ شیطان بھی
آخر شیطان ہی تھا۔ اس نے آدم کو بہکانا چاہا، اغوا کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کیونکہ لالچ و خوف دو چیزیں ہی اغوا کا سبب بن سکتی ہیں۔ حضرت
آدم کو ہر طرح راحت حاصل تھی، اس لئے لالچ نہیں دیا جا سکتا تھا اور خدا تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت بھی سب سے زیادہ تھی، اس لئے کسی قسم کا ڈراوا
بھی ناممکن تھا، اس لئے اس نے لالچ و خوف دلانے کی ایک اور تدبیر نکالی۔ حضرت آدم سے کہا اگر تم اس درخت کا پھل نہ کھاؤ گے تو موجودہ
نعمتیں تم کو دوامی طور پر نہیں ملیں گی، کچھ زمانے کے بعد زائل ہو جائیں گی، خود بھی مر جاؤ گے اور یہ عیش بھی جاتا رہے گا۔ یہ تو دھمکی تھی۔ پھر بولا اگر
میرے کہنے کے موافق اس درخت کا پھل کھا لو گے تو دوامی زندگی، سرمدی عیش اور لازوال حکومت حاصل ہو گی۔ یہ لالچ تھا۔ حضرت آدم
دھوکہ میں آگئے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آدم کا واقعہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایک طرف خدا تعالیٰ نے آدم کو دوامِ راحت اور بقائے عیش و عزت
کی ترغیب دی تھی اور فرمایا تھا۔ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی الخ دوسری طرف ابلیس نے بھی
لازوال راحت اور غیر فانی عیش کا لالچ دیا اور کہا۔ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی۔ خدا تعالیٰ نے دوامِ عیش کو مقررہ درخت
کا پھل نہ کھانے سے وابستہ کیا تھا اور شیطان نے اسی شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کو دائمی راحت و زوال زندگی کے حصول کا سبب قرار دیا تھا
خدا تعالیٰ نے آدم کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ابلیس تمہارا قطعی دشمن ہے، مگر آدم اغوائے شیطانی میں آگئے۔ آدم کا شیطان کی طرف جھک جانا
اور حکم خدا سے پھر جانا دلالت کر رہا ہے کہ تقدیر الٰہی تمام عالم میں جاری و ساری ہے۔ کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں۔ علم کیسا ہی روشن ہو
اور دلیل کیسی ہی واضح ہو، لیکن اس سے کچھ نفع نہ ہو گا جب کہ اللہ نے اس کے خلاف مقدر کیا ہو اور ہر دانا کی دانائی اسی وقت مفید ہو گی جب
تقدیر الٰہی میں نفع آفرینی موجود ہو۔

فَاَكَلَا مِنْهَا۔ یعنی دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا۔ سَوْاٰتُهُمَا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دونوں اس نوری لباس سے ننگے ہو گئے
جو اللہ نے ان کو پہنایا تھا اور دونوں کی شرمگاہیں برہنہ ہو گئیں۔

toobaafoundation.com

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۔ ابن عادل وغیرہ نے انجیر کے پتے بتائے ہیں ۔ ابن ابی حاتم نے بواسطہ سعید بن جبیر ابن عباس کا بھی قول نقل کیا ہے مجاہد، سدی اور قتادہ نے کہا کہ دونوں نے اوراقِ جنت کو لباس کی طرح لپیٹ لیا تھا (کذا قال البیضاوی) نفس میں انجیر کے پتوں کی کوئی صراحت نہیں ہے ۔

فَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۔ یعنی آدم نے وہ فعل کیا جو اس کو نہ کرنا چاہیئے تھا، اس لئے راہِ حق سے مڑ گیا ۔ عزت سے ذلت میں اور راحت سے مشقت میں پڑ گیا ۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ آدم کو عاصی کہے ۔ یعنی اگرچہ عصیان کی نسبت آیت میں آدم کی طرف کی گئی، لیکن آدم کو عاصی کہنا جائز نہیں ۔ کیونکہ عاصی وہ شخص ہوتا ہے جو عصیان کا عادی ہو جس طرح خیاط وہ شخص ہوتا ہے جو کپڑے سیا کرتا ہو ۔ ایک دو مرتبہ کپڑے سینے سے کوئی شخص خائط یا خیاط نہیں ہو جاتا ۔ بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ آدم کی خطا اگرچہ چھوٹی تھی، مگر پھر بھی عصیان وغوایت کی نسبت کرنے سے اولادِ آدم کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس سے باز رہنا چاہیئے ۔

مفسر مدارک نے کہا کہ خطائے آدم کا ذکر کر کے یہ نصیحت کرنی مقصود ہے کہ ایک نبی معصوم کی معمولی صغیرہ لغزش پر اتنی سخت گرفت ہوئی لہٰذا تم صغیرہ گناہ بھی نہ کرو ۔ کبیرہ گناہ تو بڑی چیز ہیں ۔

آدم کی خطا صغیرہ تھی یا کبیرہ ؟

اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ حضرت آدم کی خطا صغیرہ تھی اور کبائر سے حضرات انبیاء معصوم ہیں، لیکن کیا نبوت سے پہلے کبیرہ گناہ کا ارتکاب اتفاقاً جائز ہے یا نہیں ؟ اس میں اختلاف ہے ۔ اکثر کا قول ہے کہ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بہر حال انبیاء کبائر سے پاک رہتے ہیں ۔ بعض کے نزدیک نبوت سے پہلے بحالت نادانی ارتکاب کبیرہ ممکن ہے ۔ اہلِ سنت کے علاوہ بعض دوسرے فرقے قائل ہیں کہ انبیاء سے بعد نبوت بھی کبیرہ گناہ کا صدور ہو سکتا ہے، لیکن انبیاء توبہ کر لیتے ہیں ۔ پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں دیکھو ۔

مقصودِ بیان

حضرت آدم سے غلطی دانستہ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ عہدِ الٰہی کو بھول گئے تھے ۔ انبیاء کی نادانستہ خطا بھی قابلِ مواخذہ ہے ۔ اس سے درپردہ یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ کے نزدیک جن لوگوں کا مرتبہ زائد ہوتا ہے ان کی گرفت بھی سخت ہوتی ہے، وہ امور جو عوام کے لئے قابلِ درگذر ہیں، مقربین وخواص سے ان کے متعلق بازپرس ہوتی ہے ۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا، مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ یہ دنیا دارالآلام ہے ۔ اس میں آنا ہی موجب تکلیف ہے ۔ حضرت آدم کا دنیا میں آنا اگرچہ بمصلحت الٰہی تھا، مگر بظاہر نافرمانی اس کا سبب بنی ۔ جنت دارِ راحت ہے ۔ روحانی یا جسمانی کسی قسم کی تکلیف وہاں نہیں ہے ۔ انسان ضعیف البنیان ہے ۔ شیطان کا دست رس بہت وسیع ہے ۔ دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا کرنا شیطان کا کام ہے اس کے وسوسہ سے تمام انسانوں کے باپ بھی محفوظ نہ رہ سکے ۔ جنت میں ایک ایسا درخت تھا جس کے پھل کھانے سے جنت کی تمام نعمتیں خود بخود انسان سے الگ ہو جاتی تھیں ۔ حضرت آدم کی توبہ قبول ہو گئی تھی ۔ اہلِ باطن نے اشاراتِ تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ نے تمام اسمائے جلال وجمال سکھا دئے تھے، اس لئے آدم کو ہر اسمِ الٰہی کے ذریعہ سے اللہ کی صفت ونعمت کی معرفت حاصل ہو گئی تھی، لیکن قہر جبروتی کی صنعت کا مطالعہ ممنوع یہی شجر ممنوعہ تھا ۔ آدم نے جب قہر جبروتی پر نور کا لباس دیکھا تو دل میں اس سے قرب کی خواہش اور اس کے ارتکاب کی جرأت پیدا ہوئی ۔ کیونکہ قہر جبروتی بھی جمال الٰہی کا آئینہ تھا، جس کا پرتو دل پر پڑ رہا تھا ۔ لہٰذا محبت کا پہلو غالب آیا اور حکم کا پہلو مغلوب ہو گیا ۔ جمال کے لطف سے حکم کا خیال مسلوب ہو گیا ۔ ہیجانِ شوق میں آگئے اور لذتِ مشاہدہ میں غرق ہو گئے ۔ جمال کے شوق میں ظاہری حکم کو فراموش کر دیا چونکہ عہدِ ازلی عہدِ حکمی سے سابق تھا، اس لئے عہدِ ازلی کے مشاہدہ میں عہدِ حکمی کی پرواہ نہ کی اور دریائے قہر میں گر پڑے ۔

مولانا عصام الدین نے ایک مرتبہ خواب میں حضرت آدم کو دیکھا اور کیفیت لغزش دریافت کی ۔ حضرت آدم نے فرمایا مجھے مشاہدہ سری کا حکم تھا اور یہ بھی حکم تھا کہ شہود کسی علوم کی طرف التفات نہ کروں، مگر میں نے ایک مرتبہ شیطانی وسوسے سے معرفت علمیہ کے ساتھ صفاتِ کمالیہ کا مشاہدہ کرنا چاہا پس فوراً عتاب ہو گیا وغیرہ

toobaafoundation.com

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي

(اس کے بعد) اللہ نے فرمایا یہاں سے دونوں اُترو کہ تم میں سے ایک کا دشمن ایک ہوگا پس تمہارے پاس میری طرف

هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ

سے جب ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ تکلیف میں پڑے گا ۔ اور جو میری نصیحت سے مُنہ

عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝

موڑے گا تو اس کے لئے تنگی کی گزران ہے اور قیامت کے دن ہم اُس کو نابینا اُٹھائیں گے

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ

وہ کہے گا پروردگار ! میں تو بینا تھا تو نے مجھے نابینا کیوں اُٹھایا اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس

آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ۝ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ

ہماری آیتیں آئیں تو نے اُن کو بھلا دیا یونہی آج تجھے فراموش کیا گیا جو حد سے بڑھ جاتا ہے اور اپنے رب کی

وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۝

نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا ہم اس کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب بلاشبہ بہت سخت اور دیرپا ہے

تفسیر حضرت آدم کی توبہ قبول ہوگئی، قصور معاف ہوگیا۔ گناہ کے زہر سے ابدی ہلاکت نہ ہوئی، مگر پھر بھی جو کچھ اثر پیدا ہوچکا تھا وہ باقی رہا۔ اب مصلحتِ خداوندی کے پورا ہونے کا وقت آیا۔ حکم ہوا تمہاری توبہ قبول ہوگئی، مگر اب تم سب زمین پر اُترو اور یاد رکھو کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ یعنی آدمی کی نوع ابلیس کی دشمن ہے اور ابلیس آدمی کا دشمن ہے۔ (آدمی کی پیدائش معرفت و عبادت کے لئے ہے اور ابلیس کی ذریات ابلیس کی تخلیق بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے۔ لہٰذا خلقتہً ہر ایک دوسرے کا دشمن ہے) یہ بھی یاد رکھو کہ انسانوں کے پاس اللہ کی طرف سے کتابیں آنا اور پیغمبروں کا مبعوث ہونا اگرچہ واجب نہیں ہے، مگر پھر بھی خدا تعالیٰ تمہاری اولاد کی ہدایت کے لئے اپنے ہادی بھیجے گا۔ پس لازم ہے کہ اہلِ ہدایت کا کہنا مانیں۔ اور ان کے نقشِ قدم پر چلیں کیوں کہ اس سے دنیا و دین میں فلاح حاصل ہوگی اور جو لوگ اللہ کی کتابوں کو نہ مانیں گے اور پیغمبروں کی ہدایت پر نہ چلیں گے وہ دونوں جہان میں تباہ ہوں گے۔ قیامت کے دن ان کی آنکھوں میں بینائی نہ ہوگی، نجات کا راستہ ان کو سُوجھائی نہ دے گا جس طرح دنیا میں ہدایت کا راستہ ان کو دکھائی نہ دیتا تھا اسی طرح قیامت کے دن اس کو جنت کا راستہ دکھائی نہ دے گا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائیگا جیسے فراموش کردہ آدمی سے کیا جاتا ہے۔

تحلیلِ اجزاء قَالَ اهْبِطَا۔ حضرت آدم کا قصور معاف کر دیا گیا تھا، توبہ قبول ہوگئی تھی، لیکن اتنا اثر پھر بھی باقی تھا کہ براہ راست دوبارہ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی، زمین پر اُترنے کا حکم ہوگیا۔ اس کے علاوہ مصلحتِ الٰہیہ کے پورے ہونے کا وقت بھی آگیا۔ شیطان کا اغواء کرنا اور شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھانا یہ تو ظاہری اسباب تھے، مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ انسانی نسل کو زمین پر پھیلانا

toobaafoundation.com

مقصود ہوتا، کھوٹے کھرے اور اچھے برے کی آزمائش کرنی مطلوب تھی، زمین کو آباد کرنا اصل غرض تھی۔ لہٰذا زمین پر اُترنے کا حکم ہو گیا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیات میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ حضرت آدم کی توبہ نزول کے بعد قبول ہوئی تھی جنت سے تو صرف نکال دیئے گئے تھے۔ یہاں آکر انہوں نے گریہ وزاری کی، برسوں نوحہ و بکا میں مشغول رہے تب کہیں جاکر قصور معاف ہوا۔ گویا زمین پر جب آ گئے تو اس کے بعد توبہ قبول ہوئی۔

لفظ اِهْبِطَا کا مخاطب کون ہے؟ شیخ جلال سیوطی اور شیخ جلال محلی کے نزدیک آدم و حوا کو خطاب کیا گیا ہے۔ شیخ ابن کثیر کا قول ہے کہ آدم، حوا، ابلیس تینوں کو خطاب ہے۔ میرے نزدیک رو ئے خطاب آدم و ابلیس کی طرف قرار دینا ہے۔ حضرت حوا چونکہ حضرت آدم کے تابع تھیں، اس لئے مستقل طور پر ان کو مخاطب نہ بنایا گیا۔

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ اولادِ آدم اور اولادِ ابلیس میں باہم عداوت ہے۔ گویا باہمی دشمنی سے مراد ہے اولادِ آدم اور ذریاتِ ابلیس کی باہمی دشمنی، لیکن بیضاوی نے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ سے صرف آدمی مراد لئے ہیں اور بیان کیا ہے کہ تمام انسان امر معاش میں باہم کشش، کوشش اور کشاکش کرتے ہیں۔ یہی ان کی باہمی عداوت ہے۔ میرے نزدیک ابن کثیر کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حصولِ معاش کے لئے کوشش کرنی ہر جگہ موجب عداوت نہیں نہ اس کو عداوت کہہ سکتے ہیں۔ عداوت وہی ہے جو ابدی ہلاکت میں دوسرے کو گرا دے۔ اس قسم کی دشمنی صرف ذریاتِ ابلیس کو اولادِ آدم سے ہے۔ اس کے علاوہ تمام انسان حصولِ معاش کے لئے بھی ایک دوسرے کے خلاف کوشاں نہیں۔ صلحاء، اولیاء، ہادیانِ دین، مرشدانِ حق نما اور انبیائے کرام سب کے سب نسلِ انسانی کے دوست ہیں کوئی بھی دشمن نہیں۔ رہی یہ بات کہ ہر آدمی ابلیس کا دشمن نہیں ہے بلکہ بیشتر اشخاص اس کے دوست اور پیرو ہیں۔ تو اس کا جواب ظاہر ہے۔ بیان کرنا یہ ہے کہ انسان اپنی غرضِ خلقت کے اعتبار سے ابلیس کی ذریات کا دشمن ہے اور ذریاتِ ابلیس نسلِ آدم کی دشمن ہے۔ انسان کی پیدائش سے مقصود صرف عرفان و عبادت ہے اور ابلیس کی تخلیق کی غرض صرف یہ ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے، اسی لئے قیامت تک کے لئے اس کی رسی چھوڑ دی گئی ہے بلکہ روزِ آخر تک اس کو زندگی بھی عطا کر دی گئی ہے۔ اس بنا پر مطلب بالکل صاف ہے، ابلیس انسان کا دشمن ہے اس کو ابدی تباہی سے ہم کنار کرنا چاہتا ہے، اور انسان شیطان کا دشمن ہے اپنی فطرت کے اعتبار سے عرفان کی طرف مائل ہے۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ۔ اِنْ حرفِ شرط ہے اور مَا زائد ہے۔ لفظ اِنْ لانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء کو مبعوث کرنا اور کتابیں نازل کرنا خدا تعالیٰ پر واجب نہیں (کیونکہ اِنْ حرفِ شرط ہے، مگر شک کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ ہاں لفظ اِذَا یقین و وجوب کے مقام میں مستعمل ہوتا ہے) اللہ کی عنایت ہے کہ وہ اپنا پیام ہدایت بندوں تک بھیج دے ورنہ اس پر لازم نہیں ہے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ۔ ابن عباسؓ نے اس آیت میں کہا کہ قرآن کی اتباع کرنے والے کو دنیوی گمراہی اور اخروی شقاوت سے بچا لیتا ہے۔ (در منثور) ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے کہ جس شخص نے کتاب الٰہی کی پیروی کی اللہ اس کو دنیا میں گمراہی سے بچا کر راہِ راست پر ڈال دیتا ہے اور قیامت کے دن سخت محاسبہ سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس نے خود فرما دیا۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ الخ۔ رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی وابو نعیم وابن مردویہ

عَنْ ذِكْرِي۔ ذکر سے مراد ہیں اللہ کے پیغمبر اور اس کی کتابیں جو ہمیشہ اللہ کی طرف آنے کی یاد دلاتی ہیں۔

مَعِيشَةً ضَنْكًا۔ تنگ معیشت سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے: بیہقی حاکم و مسدد نے بروایت ابو سعید خدریؓ اور ابن ابی حاتمؒ نیز بزار نے بروایت ابو ہریرہؓ بیان کیا کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ ضحاک، عکرمہ اور مالک بن دینار کا قول ہے کہ بدکاری اور رزق حرام مراد ہے۔ ابن عباس نے فرمایا تنگی معیشت اس طرح ہوتی ہے کہ کافر پر نیکی کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اس کو کسی کار خیر کی توفیق نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ہے کہ گناہ کا عذاب تین طرح ہوتا ہے۔ معاش کی تنگی، مصائب کی سختی اور تیسری بات یہ کہ بغیر گناہ کے رزق نہیں ملتا۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دیندار آدمی قانع ہوتا ہے اس کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے، وہ بلندی حوصلہ اور سہولت کے ساتھ خرچ کرتا ہے، اس لئے اس کی زندگی آسان ہو جاتی ہے اور دین سے روگردانی کرنے والے پر حرص غالب ہو جاتی ہے، دنیا کی فراوانی کی طرف وہ برابر آنکھ لگائے رہتا ہے۔ اس پر بخل چھا جاتا ہے، اس لئے اس کی زندگی تنگی کے ساتھ گزرتی ہے۔ ابن کثیر نے کہا کافر ضیق معیشت میں رہتا ہے۔ دنیا میں اس کو

toobaafoundation.com

طمانیت نصیب نہیں ہوتی، اس کا سینہ کشادہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ بظاہر وہ عیش میں ہو جو چاہے پئے جو چاہے پہنے، جہاں چاہے رہے، مگر قلق و حیرت کی کشمکش میں وہ برابر رہتا ہے۔ تردد سے چھوٹ کر یقین و اعتماد تک نہیں پہنچتا۔ اسی بنا پر تنگیٔ معاش میں رہتا ہے۔ ایک روایت میں ابن عباس کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے جس شخص کو میں نے تھوڑا یا بہت دیا اور اس نے مجھ پر یقین نہ کیا تو اس کے واسطے کوئی بہتری نہیں۔ اس کی معیشت تنگ ہے اور جس قوم گمراہ نے حق سے روگردانی کی اگرچہ اس کے پاس مال و منال بکثرت ہو، مگر ان کی زندگی ضیق میں ہے کیونکہ وہ بدگمان ہیں ان کا خیال ہے کہ اللہ ان کے واسطے معاش کا کوئی بدل نہ دے گا۔ پس جب بندہ نے تکذیب کی اور بدگمانی کی اور اللہ پر بھروسہ نہ کیا تو اس پر اس کی زندگی سخت دشوار اور تنگ ہو جاتی ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا گناہوں میں زندگی بسر کرنا ضیق معیشت ہے اگرچہ مال و منال میں وسعت ہو۔

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی۔ یعنی نیکی کی راہ سے اندھا ہوگا۔ ابن کثیر نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے راستے کے سوا اس کو کوئی راستہ نہ سوجھے گا۔ مجاہد، سدی اور ابو صالح نے کہا قیامت کے دن اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔ یہی نابینا ہونے سے مراد ہے۔ نسفی نے مدارک میں بیان کیا کہ آنکھوں کی بینائی سلب ہو جائے گی یعنی آنکھوں کا اندھا ہوگا۔ بیضاوی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ خطیب نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کافر جب قبر سے نکلے گا تو بینا ہوگا، پھر جب اس کو محشر کی طرف لے جایا جائے گا تو اندھا ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ نسیان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ خدائے برتر نسیان سے پاک ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں تو نے آیات الٰہیہ کا چھوڑا اور بھلا دیا، اسی طرح آج ہم تجھے عذاب میں ڈال کر اس طرح چھوڑ دیں گے جس طرح کوئی بھولی ہوئی چیز فراموش کر دی جاتی ہے۔

مَنْ اَسْرَفَ یعنی حدودِ شرعیہ سے تجاوز کیا۔ آیات سے اعراض کیا اور خواہشات میں پڑ گیا (بیضاوی) سفیان نے کہا اسراف سے مراد شرک ہے۔

مقصودِ بیان

اللہ کی مخصوص نعمتیں نافرمانوں کو نہیں ملتی ہیں، اس لئے حضرت آدم سے جنت کی تمام نعمتیں چھین لی گئیں۔ عالم بالا میں گنہگار بندے نہیں رہ سکتے۔ وہ مقدس طاہر ہستیوں کا مقام ہے، اس لئے حضرت آدم اور شیطان کو آسمان سے زمین پر اتار دیا گیا۔ اولادِ آدم اور ذریاتِ ابلیس کی فطری خلقی دشمنی ہے۔ نسلِ انسانی کے پھیلنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے پیام ہدایت بھیجنے اور پیغمبروں کو مبعوث کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اللہ اور اس کے پیغمبروں کی ہدایت پر عمل کرنے والا دونوں جہان میں کامیاب ہوتا ہے اور سرکشی کرنے والا عذابِ آخرت کے علاوہ دنیوی تباہی سے بھی دوچار ہوتا ہے۔ عذابِ آخرت لازوال ہے۔ حضرت آدمؑ کے پورے قصہ میں مندرجہ ذیل عبرت انگیز نصیحت مضمر ہے۔ اللہ کی نافرمانی خواہ کتنی ہی حقیر ہو آدمی کو برباد کر دیتی ہے خواہ کتنا ہی جلیل المرتبہ آدمی ہو، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ گناہ کو چھوٹا نہ جانے، ادنیٰ لغزش راندۂ درگاہ کر دیتی ہے۔ جو شخص سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کا قصور معاف کر دیتا ہے، تکبر بدترین چیز ہے۔ امرِ الٰہی کی تعمیل میں چون و چرا کرنا اور عقلی توجیہات کرنی موجب بربادی ہیں۔ اللہ کا ازلی حکم اور غیر فانی مشیت ہر چیز پر غالب رہتی ہے۔ عقل و دانش، فہم و ادراک تقدیر الٰہی کے مقابلے میں کام نہیں دیتی۔ اعتبار انجام کا ہے۔ حضرت آدم سے قصور ہوا انہوں نے توبہ کر لی بالآخر بدستور سابق مقبول بارگاہ ہو گئے۔ شیطان کی طویل عمر زہد و ریاضت میں کٹی، یہاں تک کہ کثرتِ عبادت کے سبب اس کا شمار فرشتوں میں ہونے لگا، مگر آخر میں حکم سے سرتابی کی اور ہمیشہ کے لئے برباد ہو گیا وغیرہ۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ط

کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر ڈالا جن کے مکانوں میں یہ چلتے پھرتے تھے

toobaafoundation.com

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ ع ۴ ۱۶

اس میں عقل والوں کے لئے بہتیری نشانیاں ہیں اور اگر ایک بات تمہارے رب کی طرف سے پہلے سے طے ہو چکی

لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

ہوتی اور ایک وقت معین پر تو عذاب لازم ہوگیا ہوتا (تو اے نبی) جو کچھ یہ کہتے ہیں تم اس پر صبر کرو اور آفتاب کے طلوع و غروب سے

قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ

پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح پڑھو اور رات کے کچھ اوقات میں اور دن کے کناروں میں بھی

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا

پڑھا کرو تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور ان چیزوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھاؤ جن سے مختلف لوگوں کو ہم نے متمتع اور

مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝

کیا ہے یعنی دنیوی زندگی کی رونق بیشک ہم اس سے ان کی آزمائش کرتے ہیں اور تمہارے رب کی دی ہوئی روزی بہت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے

تفسیر

قرآن چونکہ ایک ہدایت نامہ ہے، اس لئے اس کا اصل موضوع تو قوانین ہدایت اور ضوابط اصلاح کو بیان کرنا ہے، لیکن ضوابط اصلاح پر عمل، کھانے کے لئے ایک اثر انگیز طرز بیان کے ساتھ نصیحت کرنی ضروری ہے، اس لئے وعظ کے جو ضروری لوازم ہیں وہ بھی اس کے پیش نظر رہتے ہیں۔ مثلاً اگر قانون مبینہ کو دستور العمل بنایا جائے تو زندگی میں کیا بہترین نتائج حاصل ہوں گے اور مرنے کے بعد کیا ثمرہ خیر برآمد ہوگا اور اگر دستور العمل نہ بنایا جائے تو زندگی اور مابعد زندگی میں کس قسم کے نتائج بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آیات مذکورہ میں حضرت آدم اور ابلیس کا قصہ بیان کر دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ابلیس انسان کا قطعی دشمن ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو شیطانی اغوا سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ دنیوی کامرانی اور اخروی نجات حاصل ہو۔ اگر شیطان اور ذریات کی پیروی کی جائے گی اور اللہ کے مضمون کا حکم دو مانا جائے گا اور اس کے بھیجے ہوئے ہدایت نامہ پر عمل نہ کیا جائے گا تو دنیا و دین دونوں برباد ہو جائیں گے۔ دنیا میں تنگی معاش اور آخرت میں عذاب ابدی سے ہم کنار ہونا پڑے گا۔ گویا انبیاء کے حکم کو ماننے کا نتیجہ ہے فلاح دارین اور مخالفت کا نتیجہ ہے ہلاک دارین۔ آخرت کے ثواب و عذاب کو دنیا میں رہ کر دیکھنا تو ناممکن ہے۔ مابعد زندگی کے احوال کا مشاہدہ اس زندگی میں محال ہے۔ اس لئے اس کے متعلق تو صرف بیان شارع اور عقلی استدلال کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعۂ علم ہو نہیں سکتا۔ البتہ دنیوی زندگی کی کامیابی و ناکامی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے یا تاریخ اور مشاہدہ کی روشنی میں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں نے آسمانی ہدایتوں کو دستور العمل بنایا ان کو کیسی کامرانی حاصل ہوئی اور جن لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کی وہ کس قدر گہری تباہی کے غار میں گر پڑے۔ نتیجۂ آخرت تو قرآن بار بار بلند آواز سے بیان کرتا ہی ہے، ترغیب و ترہیب اور بشارت و انذار اصل موضوع ہی ہے لیکن چونکہ اس کا مشاہدہ زندگی میں ناممکن تھا، اس لئے قرآن نے اس کے ثبوت کے لئے عقلی استدلال اور برہانی بیان پر اکتفا کیا۔ دنیوی ثمرات کا اظہار تو چونکہ اس میں تاریخ و مشاہدہ کو کافی دخل ہے، اس لئے ان کے اظہار کے لئے برہان کے علاوہ تمثیل و استقراء سے بھی کام لیا ہے۔ آیت افلم یہد لہم الخ میں اسی مضمون کو بیان کرنا مقصود ہے۔ قرآن عربی نازل ہوا تھا اور مکہ مدینہ میں نازل ہوا تھا اور

حجاز کے رہنے والے سردی و گرمی کے موسم میں ملک شام وغیرہ کو بغرض تجارت جایا کرتے تھے۔ دورانِ سفر میں سرِ راہ منہدم شکستہ کھنڈرات اور فرسودہ آبادیوں کے نشانات ایسے ملتے تھے جو عاد ثمود لم جدیس وغیرہ اقوام کی تباہی اور آباد بستیوں کا برباد ہو جانا اہلِ نظر کے لئے اپنے اندر ہزاروں درسِ عبرت رکھتا ہے، لیکن عربوں نے شبانہ روز ان آیاتِ عبرت کا مشاہدہ کیا تھا اور جو حسن انگیز منظر دیکھا تھا وہ محض گزشتہ اقوامِ عرب کے تباہی آگیں کھنڈر ہی تھے۔ عرب عاربہ اور عرب مستعربہ سے پہلے عرب بائدہ کے بہت قبائل سرزمینِ عرب پر آباد تھے۔ ان کا بیش از بیش تسلط تھا، تہا حکومتیں تھیں، جاہ و حشم، جسمانی طاقت اور دولت کی فراوانی بھی امتیازی حیثیت رکھتی تھی، لیکن رسول پاکؐ کے زمانے میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ انبیاء کی مخالفت کرنے اور قوانینِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے کی وجہ سے ان کے تمام جاہ و حشم اور مال و خدم نذرِ بربادی ہو گئے۔ مکانوں کے کچھ فرسودہ نشانات باقی تھے اور بس، تاریخ بھی ان کے مفصل حالات بتانے سے قاصر ہے۔ اُن کی نسلیں بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہیں، حجاز کے باشندے آمد و رفت میں ان کی ویران بستیوں کے اندر سے ہو کر گزرتے تھے، اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ کیا گزشتہ اقوام کی یہ نمایاں محسوس تباہی بھی عرب کی نصیحت پذیری کے لئے کافی نہیں ہے۔ کتنی قومیں ان سے پہلے ہلاک ہو گئیں، ان کے گھروں میں راستے بن گئے۔ اہلِ دانش کے لئے تو ان علامات کے اندر عبرت اندوزی کا کافی ذخیرہ ہے، لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں بقا تو کسی قوم اور کسی شخص کے لئے نہیں۔ ہر قوم کا اپنا دور پورا کر کے لامحالہ فنا سے ہم آغوش ہونا ہے پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ گزشتہ اقوام کی بربادی مخالفتِ انبیاء کی ممنونِ کرم ہے اور کتبِ الٰہیہ کو نہ ماننے سے اُن پر یہ مصیبت آئی تھی۔ اگر انبیاء کی مخالفت ایسی ہی تباہی انگیز ہے اور کتابِ الٰہی کی تباہی کا نتیجہ یہی نکلتا ہے تو محمدؐ (جو رسول ہونے کے مدعی ہیں) کے مخالفین کیوں تباہ نہیں کر دئے جاتے؟ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہر شخص کی موت کی اجل معین ہے۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ وقت سے پہلے کسی کو تباہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ اسبابِ فنا میں اختلاف ہوتا ہے۔ معمولی موت تباہی کی موت سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔ درحقیقت یہ خدا کی ازلی حکمت ہے کہ مخالفوں کو وقتِ مقرر تک ڈھیل دیتا رہتا ہے اور باوجود سرکشی کے مقررہ میعادِ زندگی پوری کر لینے دیتا ہے۔ اگر اللہ کی ازلی مصلحت اور تحریرِ ابدی نہ ہوتی تو ان لوگوں پر عذاب کبھی کا آ چکا ہوتا۔

چونکہ الفاظِ مذکورہ سے اہلِ اسلام کے لئے کسی قدر یاس انگیز مفہوم مترشح ہو سکتا تھا اور عام مسلمانوں کا خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب وقتِ مقرر سے پہلے کافروں کو تباہ نہیں کیا جا سکتا تو مرتے دم تک ان کی یہ دراز دستیاں ہم کو برداشت کرنی پڑیں گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول پاکؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم کفار کی تمام بد زبانیوں پر صبر کرو اور اپنا مرکزِ توجہ ہر وقت میں اللہ کی تسبیح و تقدیس کو بنائے رکھو۔ اس کا نتیجہ تمہارے لئے خوش کن برآمد ہوگا یعنی کفار کی چیرہ دستیاں اور بد زبانیاں مسلمانوں کی توجہ کو انتقام کی طرف مائل نہ کریں۔ دنیا میں مسلم کا فرض امنِ عام پھیلانا اور اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان کرنا ہے۔ اس کا مرکزِ توجہ بس ایک ہی ہے۔ راستہ کے موانع سے اس کی اصل رفتار میں سستی نہ آنی چاہیئے، یہ درمیانی روڑے خود بخود الگ ہو جائیں گے، راستہ صاف ہو جائے گا اور مسرت خیز دل پسند نتیجہ حاصل ہو جائے گا۔

عموماً کفار کی دنیوی حالت مسلمانوں سے اچھی ہوتی ہے۔ رسول پاکؐ کے زمانے میں بھی کفار کے پاس تمام اسبابِ عیش و راحت اور سامانِ تجمل و طرب موجود تھے، عمدہ سواریاں، دولت کی فراوانی، غلاموں کی کثرت، تجارت کا فروغ اور حسین عورتوں کا اجتماع سب کچھ اُن کو میسر تھا۔ کمزور قلب کے مسلمانوں کے لئے یہ تمام امور دل کشی کے اسباب بن سکتے تھے۔ ان کو اپنی افلاس آگیں حالت دیکھ کر کفار کی راحت آگیں حالت پر رشک ہو سکتا تھا، اس لئے فرماتا ہے کہ دنیوی عیش و طرب کے اسباب کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کو لالچ نہ کرنا چاہیئے۔ درحقیقت کافروں کے لئے یہ اسباب فلاح نہیں بلکہ موجباتِ ہلاکت ہیں۔ یہ تمام چیزیں فانی ہیں۔ آخرت کا ثواب اور وہ عیش و آرام جو مسلمانوں کو خدا دینے والا ہے اس سے کہیں زیادہ پائیدار ہے۔

تحلیلِ اجزاء

يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ اس آیت کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے۔ اول تو یہ کہ گزشتہ قومیں اپنے اپنے مکانوں میں چلتی پھرتی تھیں یعنی عیش و آرام سے رہتی تھیں۔ دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ گزشتہ اقوام کے جو کھنڈر راستے میں ہیں اُن میں

toobaafoundation.com

عرب کے باشندے چلتے پھرتے ہیں اور ان کے مکانوں میں انہوں نے راستے بنائے ہیں۔ موخر الذکر ترجمہ بہتر ہے۔

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی۔ یعنی ارباب دانش آغاز و انجام پر نظر کر کے موجودہ حالت کو ضرور خالی سمجھتے ہیں، اس لئے انجام کے عذاب سے ڈرتے اور راحت آخرت کی فکر کرتے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ سے منہ موڑ کر حماقت سے اس بات کے منتظر نہیں رہتے کہ عذاب آئے گا تو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب مانیں گے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ الخ۔ کلمۂ سابقہ سے مراد ابن کثیر، بیضاوی اور اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ نے ازل ہی میں اس بات کا حکم دے دیا تھا کہ جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے گا اور کافی ڈھیل نہ دے دی جائے گی اس وقت تک کسی کو تباہ نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ قیام حجت کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ترک وطن کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور کافی ڈھیل دے دی گئی اور وقت مقدر آ گیا تو جنگ بدر میں تمام سردارانِ کفر مارے گئے۔ اس تقدیر پر کلمۂ سابقہ سے مراد اتمام حجت اور اجل مسمّٰی سے مراد جنگِ بدر ہوگی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کلمۂ سابقہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ امت محمدیہ پر دنیا میں عذاب نہ آئے گا۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ اللہ نے چونکہ پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ پر دنیوی عذاب نازل نہ کرے گا اور مقررہ میعاد تک کسی کو ہلاک نہ کرے گا۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو عذاب آ چکا ہوتا۔

مفسر سراج نے کلمۂ سابقہ سے یہ مراد لی ہے کہ اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اس امت کے کافروں پر قیامت تک کوئی عذاب گزشتہ اقوام کے عذاب کی طرح نہ آئے گا اور سب اپنی مقررہ میعادِ زندگی پوری کریں گے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کفار کو ہلاک کر دیا جاتا۔ میرے نزدیک یہی توجیہ بہتر ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے۔ قرآن میں صاف نص ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ حدیث میں آیا ہے۔ لم اُبعث لعانا اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

اَجَلٌ مُّسَمًّى سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین کے نزدیک جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے (امام بخاری نے یہی تفسیر کی ہے) عام مفسرین کے نزدیک مقررہ میعادِ زندگی کے اختتام کا وقت مراد ہے۔ خواہ جنگِ بدر ہو یا اور کوئی وقت جو چونکہ عموم آیت یہی اقتضا ہے، اس لئے امام رازی نے اسی کو پسند کیا ہے۔

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ۔ کفارِ عرب رسول پاکؐ کو شاعر، کاہن، ساحر اور مجنون کہتے تھے اور حضور اقدسؐ کو اس سے رنج ہوتا تھا۔ تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت جہاد والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ لیکن اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ آیت بہرحال محکم ہے منسوخ نہیں۔ شہاب نے کہا کہ تلقینِ صبر سے مراد ترکِ قتال نہیں بلکہ عدم اضطراب کی تعلیم دینی مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ کافروں کے ناشائستہ اقوال و افعال سے تم پریشان خاطر اور مضطرب نہ ہو بلکہ صبر رکھو۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ۔ تسبیح و تحمید سے مراد یا تو مطلق ذکرِ الٰہی ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز بھی آ گئی یا خصوصیت کے ساتھ پنج وقتہ نمازیں اور تہجد کے نوافل مراد ہیں۔ طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز ہے اور غروب سے پہلے عصر کی نماز ہے اور رات کی نمازیں عشاء، تہجد کی ہیں اور دن کے اوّل و آخر حصہ میں فجر و مغرب ہے۔ نماز فجر کی تاکید دوبارہ اس غرض سے ہوئی کہ وہ زیادہ فضیلت کی نماز ہے اور چونکہ آرام سے سونے کا وقت ہے، اس لئے زیادہ اہتمام و توجہ کے قابل ہے۔ رہی ظہر کی نماز تو بقول بیضاوی یہ بھی قبل الغروب میں داخل ہے۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ ابن عباس نے فرمایا کہ لَعَلَّ کے معنی امید کے ہیں، لیکن خدا کی طرف سے جس امید کی صراحت کی گئی ہے وہ وجوبی ہے یعنی خدا تعالیٰ ضرور رسول پاکؐ کو خوش کرے گا۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک میں اپنی اُمت کے ایک ایک فرد کو جنت میں نہ لے جاؤں گا، راضی نہ ہوں گا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ تفسیر معالم و سراج میں مذکور ہے کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آکر ٹھہرا۔ اس وقت حضورؐ کے پاس ... ابھی نہ تھا کہ مہمان کو کھلاتے، اس لئے ابو رافع کو ایک یہودی دوکاندار

toobaafoundation.com

کے پاس آٹا قرض خرید نے بھیجا اور کہلا بھیجا کہ یکم رجب کو قیمت ادا کر دوں گا۔ یہودی نے آٹا نہیں دیا اور بولا میں محمدؐ سے قرض کا معاملہ نہیں کرتا۔ ہاں کچھ رہن رکھ جاؤ تو آٹا لے جاؤ۔ ابو رافع نے حاضر خدمت ہو کر جواب عرض کر دیا۔ ارشاد فرمایا واللہ میں تو اس کا امین ہوں جو زمین و آسمان میں ہے مگر وہ مجھے قرض دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کرتا تو میں ضرور ادا کر دیتا۔ اچھا تم میری یہ لوہے کی زرہ لے جاؤ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس شان نزول کو اگر صحیح مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اس سورت میں یہ آیت مدنی ہوگی کیونکہ واقعہ مذکورہ مدینہ کا ہے۔

آیت کی شان نزول اگرچہ خاص ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے واقعات بکثرت ہوتے تھے کہ مال نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان سے مفلس مسلمانوں کے دل بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانے کے اندر ایک چٹائی پر استراحت فرما تھے۔ حضرت عمرؓ حاضر ہوئے اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر رو دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا عمر! کیوں روتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کسریٰ و قیصر تو اس حال میں ہیں اور خدا کے اشرف الکائنات بندہ کی یہ کیفیت ہے۔ ارشاد فرمایا۔ ہائیں کیا تم شک میں ہو اے عمر! کسریٰ و قیصر کو تو ان کے حصے کی تمام نعمتیں دنیا میں دے دی گئیں۔ الخ۔

حاصل یہ کہ آیت مذکورہ میں عام مسلمانوں کو تسلی دینی غرض ہے۔ ورنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال بے نیاز تھے اور دنیوی مال و دولت کو ہیچ جانتے تھے۔ تمام عمر میں کبھی آپ کو کسی کی دولت دیکھ کر لالچ نہیں ہوا۔

مقصود بیان ارباب دانش کے لئے تمثیلی شکل میں ہدایت۔ فضیحت کی پیش کش اور اقوام ہالکہ کی تباہی کو دیکھ کر عبرت اندوز ہونے کی تلقین۔ عدم نزول عذاب کی وجہ وجیہ کا بیان اور اس امر کی صراحت کہ وقت سے پہلے موت نہیں آتی۔ کفار کی ایذا رسانی کے وقت مضطرب نہ ہونے کی ہدایت۔ اور صبر کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم۔ پنج وقتی نماز کا امر اور در پردہ اس بات کی طرف ہدایت آمیز اشارہ کہ ہر مصیبت کے وقت نماز کی طرف رجوع کیا جائے اور صبر اختیار کیا جائے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا وعدہ اور اس امر کی صراحت کہ صبر و صلوٰۃ ان بہترین نتائج کی کنجی ہیں جن سے آدمی کی ابدی خوشی وابستہ ہے۔ کفار کے مال کی فراوانی، اولاد کی کثرت اور جاہ و حشم کی افزونی دیکھ کر لالچ نہ کرنے کی ہدایت اور اس بات کا ضمنی بیان کہ دنیوی مال و متاع شرف و فضل کا سبب نہیں، نہ یہ مقرب الی اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ کفار کے لئے مال کی کثرت مزید وبال کا ذریعہ ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اُس پر قائم رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم تم کو روزی دیتے ہیں

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ

اور انجام پرہیزگاری کا ہے کافر کہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لائے کیا ان کے پاس

بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ۝ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

اگلی کتابوں میں کوئی نشانی نہیں آئی اگر اس سے پہلے ہم اُن کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ

یہ کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیرے احکام پر

toobaafoundation.com

نَذِلَّ وَنَخْزٰى ○ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ

چلتے (اے نبی) کہدو ہر ایک منتظر ہے تم بھی منتظر رہو عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا کہ

اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ○ ع ۷ / ۱۷

سیدھے راستے والے کون ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہے

تفسیر کتبِ الٰہیہ کے نزول اور انبیاء کی بعثت سے اصلاحِ خلق ہے، لیکن اصلاح کے مدارج مختلف ہیں۔ سب سے پہلے ہادی کے لئے اپنے نفس کی ہدایت و اصلاح لازم ہے تاکہ خود نمونۂ عمل بن کر دوسروں کو نصیحت کر سکے۔ واعظ کے وعظ کا اثر اسی وقت سامعین پر پڑ سکتا ہے جب اپنے قول کے مطابق وہ خود بھی عمل پیرا ہو۔ بے عمل ہادی قوم کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ اپنی ہدایت کے بعد ان لوگوں کی اصلاح سے ابتدا کرنی لازم ہے جن سے ہر وقت کا قریبی تعلق ہے جو ناصح کے اطوار و کردار سے کامل طور پر واقف ہوں۔ دور کے رہنے والوں کی آگ اسی وقت بجھائی جا سکتی ہے جب پہلے اپنے گھر کی آگ بجھائی گئی ہو۔ پھر ان تمام امور میں استقامت، استقلال، پختگی اور جماؤ شرط ہے۔ اگر تکالیف و مصائب سے تنگ آکر یا نفس کی کاہلی کے سبب اپنی ذات کی اصلاح یا قریب ترین رشتہ داروں کی ہدایت ترک کر دی تو ایسی موعظت کامیاب نہیں ہو سکتی اسی بناء پر گزشتہ آیات میں رسول پاک ؐ نے پنج وقتی نماز پڑھنے اور کفار کی ایذا رسانی پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی تھی اور ان آیات میں گھر والوں کو نماز کا حکم دینے اور خود نماز پر کاربند ہونے اور استقلال رکھنے کا حکم دیا، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان طلبِ معاش میں سرگرداں، عبادت کا التزام اس کو کمائی کرنے سے روک دیتا ہے اس وقت ان کی جان بہت ضیق میں ہوتی ہے نماز پڑھے، دینی ہدایات پر عمل کرے یا اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے روزی کمائے، اس لئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

رزاق تم نہیں ہم ہیں تم سے کسی کے لئے رزق کی طلب ہم نہیں کرتے، اس لئے طلبِ معاش میں سرگرداں رہ کر ضروری عبادت کو ترک کرنا جائز ہے؟ رہا یہ کہ کھائیں گے کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے تم اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہو وہ تم کو رزق دیگا۔ اور اگر بالفرض دوڑ دھوپ اور کوشش کرنے کے بعد بکثرت مال جمع بھی کر لیا تو بے کار ہے، انجام میں کسی کام نہ آئے گا۔ دنیا و دین کی پائیدار فلاح تو پرہیزگاری سے وابستہ ہے۔ اہلِ تقویٰ کا ہی انجام بخیر ہوتا ہے۔

رسول پاک ؐ کی پاک ہستی خود معجزہ تھی۔ نشانِ قدرت تھی، آیاتِ الٰہی تھی، مگر کور بصیرت کافروں کو حق نظر نہ آتا تھا، اس لئے مزید معجزہ کے طلب گار ہوتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ گزشتہ انبیاء کے معجزات کی طرح کوئی محسوس معجزہ پیش کرو۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کیا رسول اللہ کی تصدیق کے لئے وہ شہادتیں کافی نہیں ہیں جو گزشتہ آسمانی کتابوں میں موجود ہیں (جن میں رسول اُمّی کا حلیہ، صورت اور اخلاق تک بیان کر دئے گئے ہیں۔ کیا اتنی اٹل شہادتوں کے بعد بھی کسی مزید آیتِ قدرت کی ضرورت باقی رہتی ہے)

اس سے آگے نبی کی ضرورت بیان فرماتا ہے کہ اگر بغیر ارسالِ نبی کے ہم کافروں کو عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ان کو خدا کے سامنے جواب دہی کا موقع مل جاتا کہ آخر ہمارے پاس رسول کیوں نہیں بھیجا گیا۔ اگر ہمارے پاس پیغمبر کو بھیج دیا جاتا تو ہم احکام کی خلاف ورزی کیوں کرتے اور کیوں دنیا میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہوتے۔ اس معاملت کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے پیغمبر کو مبعوث فرما دیا اور کتاب نازل کر دی۔ اس طرح حجت تمام ہو گئی۔ اس کے بعد رسول پاک ؐ کو خطاب کر کے فرماتا ہے آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ انجام کے ہم بھی منتظر ہیں تم بھی منتظر رہو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون تھا۔

تحلیلِ اجزاء:- وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ اہل سے مراد اہلِ بیت ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک عام امت مراد ہے۔ ابن کثیر

toobaafoundation.com

نے تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوّل اہلِ بیت کو نماز کا حکم دینے کا امر کیا، پھر نماز پر پابند رہنے کا مؤکد حکم دیا، اس لئے لازم ہے کہ مرد اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور بیوی اپنے شوہر کو بھی ادائے صلوٰۃ پر آمادہ کرے۔ حضور اقدسؐ نے ایسی عورت کو دعا دی ہے۔

ابن النجار، ابن عساکر اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آٹھ ماہ تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے دروازہ پر جا کر فرمایا کرتے تھے: - اَلصَّلٰوۃَ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اس روایت میں میرے نزدیک محل غور یہ امر ہے۔ سورۂ طٰہٰ مکی ہے اور آیت تطہیر مدنی ہے۔ پھر کس طرح حضور اقدسؐ حضرت علیؓ کے دروازے پر آیت تطہیر تلاوت فرماتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور مدینہ میں ہی حضور والا حضرت علیؓ کو نماز کی تیاری کے لئے روزانہ آمادہ فرماتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم تجھ سے تیرے لئے رزق کے طالب نہیں ہیں بلکہ ہم ہی تجھ کو رزق دیتے ہیں۔ ثوری نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم تلاش رزق کی تجھے تکلیف نہیں دیتے۔ ابن کثیر نے کہا مراد یہ ہے کہ اگر تو نماز باقاعدہ پابندی سے ادا کرے گا تو تجھے رزق ایسی جگہ سے دیں گے جہاں تیرا گمان بھی نہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے یکسو ہو جا میں تیرے سینے کو تونگری سے بھر دوں گا اور ناداری کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے سینے کو افکاروں سے بھر دوں گا اور ناداری کو دور نہ کروں گا (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے جس نے متعدد مقاصد کو صرف ایک مقصد بنا لیا (یعنی افکار دنیا سے بے نیاز ہو کر صرف فکر آخرت کو پیش نظر رکھا) تو اللہ اس کے دنیوی افکار کو دور کر دے گا اور جس کے ساتھ دنیا کے مختلف افکار رہے تو اللہ پرواہ نہ کرے گا کہ وہ افکار کی کس وادی میں ہلاک ہوا (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا دنیا جس کا مقصد ہو اللہ اس کے کام پریشان کر دیتا ہے، محتاجی کو اس کے سامنے لے آتا ہے اور دنیا اس کو اسی سے ملتی ہے اور حاصل ہوتی ہے جتنی اس کے لئے لکھ دی گئی ہے اور جس شخص کا مقصد آخرت ہو اللہ اس کے کام مجتمع کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں تونگری بھر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس خوار ہو کر آتی ہے (رواہ ابن ماجۃ)

وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی۔ یعنی دنیا و دین میں انجام کار کامیابی انہی لوگوں کو ہوگی جو اہلِ تقویٰ ہیں۔ تقویٰ سے مراد ہے اللہ کی نافرمانی سے بچنا، اوامر کی تعمیل کرنا اور نواہی کے ارتکاب سے اجتناب رکھنا۔

ایک روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدسؐ عقبہ بن رافع کے مکان میں ہیں اور ابن طاب کی قسم کی تازہ کھجوریں آپ کے سامنے لائی گئیں۔ حضورؐ نے اس خواب کی تعبیر دی کہ دنیا اور عاقبت کی رفعت ہمارے ہی لئے ہے اور ہمارا دین طیب ہے۔ اس حدیث سے آیت مذکورہ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ گویا عاقبت سے مراد ہے انجام۔ خواہ دنیوی انجام ہو یا جزائے آخرت۔

بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ آیت سے مراد ہے ایسا معجزہ جیسا گزشتہ انبیاء نے پیش کیا تھا۔ مثلاً یدِ بیضاء، عصا، ناقہ وغیرہ۔ یا وہ فرمائشی معجزہ مقصود ہے جس کی خواہش وقتاً فوقتاً کفار کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ تَاْتِھِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ اس آیت کا مطلب اہلِ تفسیر نے مختلف طور سے بیان کیا ہے۔ ایک مطلب تو وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ، کیرکٹر، عادات، اطوار اور نام وغیرہ سب کچھ مذکور ہے۔ پھر شک و شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ کیا گزشتہ الہامی کتابوں کی مذکورہ شہادت تصدیق رسول اللہؐ کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین کی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ جن قوموں نے اپنے زمانے کے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کی راہوں پر چلیں وہ ہلاک کر دی گئیں پھر کفار عرب کس طرح مطمئن ہیں۔ کیا گزشتہ کتابوں کے واقعات ان کی عبرت کے لئے کافی نہیں ہیں۔

toobaafoundation.com

تیسرا مطلب یہ کہ قرآن حکیم میں گزشتہ کتابوں کے تمام واقعات مذکور ہیں۔ تورات و انجیل میں اہل کتاب نے جو تغیرات و تحریفات کی تھیں ان کو بھی کھول کر بیان کر دیا ہے اور جو اصلی احکام تھے ان کی بھی صراحت کر دی ہے۔ اس سے زیادہ قرآن کی صداقت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس مطلب کو ابن کثیر نے پسند کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی۔ ذلت سے مراد ہے دنیوی ذلت اور رسوائی سے مراد ہے آخرت کی خرابی۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ ذلت سے مراد جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفار کو دنیوی تباہی سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

فَتَرَبَّصُوْا۔ یعنی کھانے پینے رہنے سہنے میں مومن و کافر کے درمیان بظاہر کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا، لیکن دونوں کی منتہائے نظر میں فرق ہے ایک کا مطمحِ نظر سعادت آخرت ہے۔ دوسرے کا نقطۂ نگاہ محض آسائش دنیا ہے۔ اس کو فلاحِ اخروی کی کوئی امید نہیں۔

مقصودِ بیان

تبلیغ اسلام فرض قطعی ہے، لیکن دوسروں کو نصیحت کرنے کے ساتھ خود بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ رزاق خدا تعالیٰ ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں روزی رسانی کا کام نہیں، اس لئے طلب معاش میں پھنس کر ادائے فرض سے غافل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

رسول پاک کی صداقت کی شہادت کتب سابقہ میں موجود ہے۔ انبیاء کو مبعوث کرنے کی غرض اتمام حجت ہے تاکہ قیامت کے دن کسی کو عذر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکے وغیرہ۔

toobaafoundation.com